

پروفیسر احمد رفیق اختر

جہاں جمالی
سورج نہ نہیں

دُھلتا

جہاں سورج نہیں ڈھلتا

پروفیسر احمد رفیق اختر

مؤلف: پروفیسر سید نسیم تقی جعفری

نگ میل پبلی کیشنز، لاہور

297.4

Ahmad Ráfiq Akhtar, Prof.

Jahan Suraj Naheen Dahlta/

Prof. Ahmad Rafiq Akhtar.- Lahore :

Sang-e-Meel Publications, 2012.

223pp.

1. Islam - Sufism. 1. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/مصنف سے باقاعدہ
تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس قسم کی
کوئی بھی صورت حال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

۲۵۷۶۰

۱۲۷۷۷

۱۲۷۷۷

کرا

2012

نیاز احمد نے

سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

سے شائع کی۔

ISBN-10: 969-35-1702-4

ISBN-13: 978-969-35-1702-6

Sang-e-Meel Publications

25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), Lahore-54000 PAKISTAN

Phones: 92-423-722-0100 / 92-423-722-8143 Fax: 92-423-724-5101

<http://www.sang-e-meel.com> e-mail: smp@sang-e-meel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

11-09-2014

علیٰ رضا

ابدی اب (Ultimate Now) کے آفاق پر
پھیلے ان عرفان آمیز اور فکر انگیز رنگوں کے نام
جہاں خزاں کے زرد سائے نہیں پڑتے۔

2014/09/11

نگار تسلسل

- 9 قائدین کی کثرت میں قیادت کا فقدان
نظریہ رحمت پروردگار
- 15 لیکچر
سوالات و جوابات
- 27 دین کا عرفان عطا ہے یا کوشش؟
- 28 کیا کبھی مذہب بھی حاوی رہا؟
- 29 خدا کی عطا کا حقیقی مفہوم
- 30 انسان کی نیکیوں یا ایول سیلف کیا ہے؟

دور جدید میں ثقافت اسلامیہ کی تشکیل نو

- 32 لیکچر
سوالات و جوابات
- 57 ذکر خدا سے روگردانی

جہاں سورج نہیں ڈھلتا

59

اسلامی ثقافت کے فروغ کی ضرورتیں

60

گلوبل ویلج میں انسان شتر بے مہار کیوں؟

66

دور جدید میں اسلامی کلچر کا مسخ شدہ چہرہ

رسالت اور علمیت

69

لیکچر

سوالات و جوابات

95

کیا رسولؐ قبر میں تشریف لاتے ہیں؟

97

دین کا سرچشمہ _____ قرآن یا محمدؐ

98

کیا اللہ کے لئے گرامر اور ہے؟

98

سزا، جزاء، جنت اور دوزخ کا حقیقی تصور

حقیقت علم اور خدا شناسی

101

لیکچر

سوالات و جوابات

120

جہاد اور توکل میں فرق اور ارتقاء کی صورتیں

134

تصوف کی روشنی اور سائیکالوجی کے سائے

137

اللہ کا اسم ہی اسم اعظم ہے۔

138

کیا خدا شناسی کا علم مخصوص لوگوں کے لئے ہے؟

رسول مقبولؐ کی زندگی کے معنوی گوشے

لیکچر

153

سوالات و جوابات

169

حضورؐ پر اترنے والی وحی کا اختلاف

170

نور اور بشر کی بحث کا پس منظر

172

تکبرات سے بچنے کی سبیل

173

فرقہ بندی کا ذمہ دار کون اور سدباب کیا ہے؟

سورہ فاتحہ کا قرآنی پس منظر

لیکچر

175

سوالات و جوابات

189

خدا ایک وہم ہے یا حقیقت؟

192

گناہِ صغیرہ اور کبیرہ میں فرق

192

خدا کے عرفان کے لئے مدت کا تعین

193

وسیلے کی کیا حقیقت ہے؟

اسلام اور سائنس

لیکچر

197

سوالات و جوابات

210

قیامت کیسے آئے گی؟

212

220

222

جہاں سورج نہیں ڈھلتا

خدا کی پہچان فراق میں ہے۔

گناہ کی بنیاد نفس یا شیطان؟

عذاب اور آزمائش کا فرق

قائدین کی کثرت میں قیادت کا فقدان

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں، جدید علوم کی بہتات نے انسان کو پریشان کر دیا ہے اور وہ ایک فیشن کے طور پر ان کی تحصیل میں مصروف ہے۔ ہر آدمی اس Marathon Race یا دھکا پیل میں شریک ہے لیکن اس کو اپنی منزل کی خبر نہیں ہے۔ ہماری رفتار از حد تیز ہے لیکن سفر بہت آہستہ ہے۔ ہم تیزی سے راستے سر کرنے کی فکر میں سرگرداں ہیں لیکن فاصلے برابر بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہمارا کرب یہ ہے کہ ہمیں قائدین کی کثرت نے قیادت سے محروم کر دیا ہے۔ ہم مذہب کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اکثریت کو اپنے مذہب کی آگہی حاصل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے آس پاس مذہب سے برگشتہ لوگوں کا ایک ہجوم ہے جو موجودہ زمانے کی تعلیم سے تو آراستہ ہے لیکن وہ مذہب کی حقیقی روح سے مکمل آشنائی نہیں رکھتا ہے۔ مذہب کے اس واجب علم نے آج کے انسان کو از حد پریشان کر رکھا ہے کیونکہ وہ اپنے سرور سائنسی اور دنیوی علم، تعلیمات اور مشاہدات سے اپنے دین اور اپنے اللہ کا عرفان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے کہ ہم ایک غیر معمولی چیز کو معمولی علم سے پانے کی سعی کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں حقیقت اشیاء کا علم نہیں ہے حالانکہ انبیاء اور صوفیاء کو ہمیشہ اشیاء کا حقیقی ادراک حاصل کرنے کی آرزو رہی ہے۔ انسان کا اپنی نفسیات کے اعتبار سے ہر دور میں یہ المیہ رہا ہے کہ وہ جس چیز کی حقیقت کو سمجھنے کی استعداد اور اہلیت نہیں رکھتا تھا، اس بات کا بلا تامل اور بلا توقف ارتداد و انکار کر دیتا تھا، فلسفہ دین اور خدا کے عرفان کے حوالے سے یہ نکتہ تو آج کل فیشن کی حد تک عام ہو گیا ہے۔ ہر شخص جو دو چار جماعتیں یا دو چار کتابیں پڑھ جاتا ہے اور چند سائنسی نظریات اور فلسفیانہ تصورات جانتا ہے، قرآن، مذہب اور خدا سے برکتی کا ضرور اعلان کرتا ہے۔ اس نفسیاتی

نکتے کا پس منظر یہ ہے کہ وہ ایسی اوٹ پٹانگ، بے بنیاد اور بے تکی باتیں کر کے اپنے آپ کو پڑھا لکھا، ترقی یافتہ اور جدید نظریات و تصورات کا حامل شخص ثابت کرنا چاہتا ہے۔ دراصل مغربیت کی ہوانے ہمیں فکری اور علمی مفلسی کا شکار بنا دیا ہے اور ہم شیشہ گران فرنگ کے ذہنی طور پر غلام بن کر نہ صرف اپنے غیر معمولی مذہبی علمی ورثے سے آشنائی اور استفادہ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے ہیں بلکہ ہم نے مغرب کی جانب سے آنے والے نظریات و تصورات اور فلسفے کو اپنے لئے توقیر کی علامت بنا لیا ہے حالانکہ اکبر الہ آبادی نے یقیناً اسی بدروش سے بچنے کے لئے یہ دعا مانگی تھی۔

برق کے لیپ سے آنکھوں کو بچائے اللہ

روشنی آتی ہے اور نور چلا جاتا ہے

آج اکثریت کی یہی حالت ہے یعنی چند ڈگریاں اور مروجہ محدود معاشرتی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہم نے روشنی تو حاصل کر لی ہے لیکن ہمارے اندر کا نور گم ہو گیا ہے اور ہم واقعی اشیاء کی حقیقت دیکھنے اور سمجھنے سے عاری ہو گئے ہیں۔ بقول اقبال

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن

جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا ہے

کسی غیر معمولی شے کی قطعی حقیقت سمجھنے کے لئے مسلسل شدید جستجو، شوق اور اضطراب کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک خاص خلوص، لگن اور انتہاک کے بغیر قرآن و حدیث کی ندرتیں، فلسفہء دین کی نزاکتیں اور خدا اور رسول کے عرفان کی لطافتیں شعور انسانی میں نہیں آسکتی ہیں۔ اس بلند تر مقصد کے حصول اور لطیف نکتے کے ادراک کے لئے نہ صرف پیچ و تاب رازی کی ضرورت ہے بلکہ سوز و ساز رومی بھی ضروری ہے۔

اسی ادق نکتے کی تفہیم کے لئے ممتاز مذہبی دانشور پروفیسر احمد رفیق اختر ایک زمانے سے مخلصانہ کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا مدعا یہ ہے کہ فلسفہ یا فلسفہ مذہب اور خدا کا عرفان اس قدر آسان نہیں ہے کہ ہر Tom Dick and Harry جس کو اپنے وجود کی ابتدا اور انتہا کا بھی صحیح ادراک نہیں ہے اور جو اس خاص فیلڈ کا نہایت محدود علم رکھتا ہے، وہ خدا، قرآن، حدیث اور فلسفہ مذہب کا ناقد، مفسر اور شارح بن جائے۔ ان کا کہنا ہے کہ مذہب کے ساتھ مذہب کے پیروکاروں نے انصاف نہیں کیا۔ انہوں نے مذہب کو اس کا صحیح مقام حاصل ہونے نہیں دیا۔ اگر مذہب کو اس کا حقیقی مقام عطا کر دیا جاتا تو آج مذہب پر اتہام رکھنے والوں کی تعداد اور شدت اس قدر زیادہ نہ

ہوتی۔ وہ مذہبی سلسلہ جو یہودیت اور عیسائیت کی وادیوں سے ہوتا ہوا اسلام کی آخری منزل تک پہنچتا ہے، مذہب کے ٹھیکے داروں اور پیروکاروں نے اس کی حالت اور شکل کو مسخ کر دیا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا اور مذہب کو ایک فطری تسلسل اور دیانتدارانہ ربط اور تواتر کے ساتھ آگے بڑھنے دیا جاتا تو آج مذہب کی حقیقی روح کا عرفان حاصل کرنا از حد مشکل نہ ہوتا اور مذہب جو خدا کا بھیجا ہوا اور بتایا ہوا طریقہ، انداز اور فلسفہ ہے اس میں غیر معمولی اور غیر حقیقی فکری اور عملی تناقض ہرگز نہ ہوتا۔ خدا جو قرآن میں اعلان کر رہا ہے کہ تمام لوگ ازل سے موحد تھے لیکن انسانوں نے مجرمانہ فکری غفلت سے رفتہ رفتہ اس میں شرک کا عنصر شامل کر دیا اور مخلوق خدا کو مختلف خانوں، رنگوں اور متضاد نظریات و افکار میں تقسیم کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنس جو تحقیق و جستجو اور مشاہدات و تجربات کا ایک دیانتدارانہ تسلسل ہے اور اس میں برابر ایک مخلصانہ تواتر اور بدلتے ہوئے لمحات اور اوقات کے مطابق جدید تبدیلیوں اور اضافوں کو قبول کرنے کا حوصلہ اور ظرف بھی پایا جاتا ہے۔ اس طرح مذہب میں بددیانتی اور عدم واقفیت کی بناء پر ایسا ہونے نہیں دیا گیا ہے حالانکہ یہ وقت اور تاریخ کی اہم ضرورت تھی کہ سائنسی نقطہ نظر اور مزاج کی طرح مذہبی آسمانی تبدیلیوں اور ضرورتوں کو بھی قبول کیا جاتا لیکن بدقسمتی سے مذہب کے حوالے سے ایسا نہیں ہوا اور مختلف مذہبی گروہوں نے مذہب کی جدید ترین اور ترقی یافتہ صورت کو ابھرنے اور پنپنے کا قدرتی اور فطری موقع عطا نہیں کیا۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ مذہب ایک جامد سی شے بن گیا ہے اور اس میں انسانی سوچوں کے من پسند، غیر حقیقی عناصر شامل کر دیے گئے ہیں اور خدا نے جو ہر زمانے کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق مذہب کی صورت میں اپنا ایک اخلاقی، فکری اور نظریاتی نظام دیا تھا، اس کا عملی فروغ ممکن نہیں ہو سکا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آنے والے زمانوں میں Anti-religion لوگ مذہب کے درمیان پائے جانے والے ان اختلافات کا فائدہ اٹھا کر مذہب کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ اس عالم میں مذہب کا دفاع کرنے کے لئے جن لوگوں کو پیش کیا گیا، وہ تحقیق و جستجو اور علم و آگہی سے مکمل عاری تھے اور وہ مذہب کی حقیقی نمائندگی کا ہرگز حق نہیں رکھتے تھے لیکن بدقسمتی سے دشمنان مذہب نے ان نام نہاد نمائندگان کی کم فہمی اور کم علمی پر ماتم کرنے کے بجائے خواہ مخواہ مذہب کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور ان لوگوں کے افکار اور تصورات میں پائے جانے والے ابہام، انقاص اور اختلافات کو مذہبی رطب و یابس قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے پروفیسر احمد رفیق اختر کا یہ موقف ہے کہ ایسی تحریف شدہ مذہبی کتابوں میں شامل تمام واقعات

کو خدا کے عطا کردہ مذہب کا حصہ قرار نہ دیا جائے بلکہ خدا ایسی فرسودہ فکری اور نظریاتی چیزوں کو اب Own نہیں کرتا ہے جو عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید سے تعلق رکھتی ہیں۔ اب ان کی حیثیت مشکوک اور متروک ہو چکی ہے۔ اب اگر خدا کی بات کا ادراک حاصل کرنا ہے تو پھر خدا کے اس اعلان کو بھی سمجھنا پڑے گا کہ اب قرآن ہی میری آخری کتاب ہے۔ میں نے اپنے نظریات و تصورات کو اس کتاب میں مکمل کر دیا ہے۔ اب یہی کتاب میری اجتماعی سوچ کی نمائندگی کرتی ہے اور میں اب اس کتاب میں بیان کیے گئے اپنے افکار اور نظریات کا ذمہ دار ہوں۔ اگر اس قرآن میں بیان کردہ میرے نظریات، انکشافات اور تصورات میں کہیں اختلاف، تناقض، ابہام اور فرسودگی پائی جاتی ہے تو پھر چیلنج انکار اور اعتراض کی بات کرو۔ پروفیسر احمد رفیق اختر نے قرآن کے ان اعلانات کو اس زمانے کے سائنس دانوں کے لئے ایک کھلے چیلنج کے طور پر پیش کیا ہے کہ خدا کہتا ہے کہ میں نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ پہاڑ بھی مسلسل چل رہے ہیں اور زمین و آسمان پہلے ایک تھے اور پھر ہم نے ان کو پھاڑ دیا ہے اور زمین ان میں سے ایک ٹکڑے کی حیثیت رکھتی ہے۔ سائنس دانوں کو اگر اپنے علم پر ناز ہے اور وہ اپنے علم کو قرآن سے اعلیٰ اور ہمہ گیر تصور کرتے ہیں تو پھر اس طرح کے اعلانات اور نظریات کے ابطال کا ثبوت فراہم کریں یا قرآن کے اس اعلان سے پہلے ان حقائق کو سائنس کی تحقیق ثابت کریں۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے ہیں تو پھر تحقیق، تفتیش اور کائنات کے گہرے مطالعے کے بغیر خدا اور اس کے نظریات کی ہرگز نشی نہ کریں اور اگر وہ قرآن اور خدا کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کرنا چاہتے ہیں تو پھر وہ جس طرح سائنس کی تحقیق و جستجو میں سال ہا سال تک مخلصانہ اور بے تابانہ غور و فکر، لگن اور تپسیا کا مظاہرہ کرتے ہیں، بالکل اسی طرح قرآن کی تفہیم پر بھی کامل یکسوئی اور مکمل تحقیق کا حق ادا کریں کیونکہ قرآن پر وہی شخص اعتراض کرنے کا حق رکھتا ہے جو اس پر غور و فکر کرے، تدبر کرے، تحقیق کرے اور اس کا گہرا مطالعہ کرے۔ اللہ خلوص کے ساتھ غور و فکر اور اعتراض والے ہر شخص کی پذیرائی اور حوصلہ افزائی کی ضمانت بھی دیتا ہے اور اس کے تمام شک، گمان، ظن اور تخمین اللہ دور کر دیتا ہے لیکن تحقیق کے بغیر اس کتاب کے بارے میں محض فیشن کے طور پر رائے دینا، قرین انصاف نہیں ہے۔ اسی لطیف نکتے کی تفہیم کے لئے پروفیسر احمد رفیق اختر ایک طویل مدت سے لوگوں کو لیکچر دے رہے ہیں اور انھیں یہ تلقین کر رہے ہیں کہ وہ اپنے آدرش، نصب العین اور اپنی ترجیح اول یعنی اپنے اللہ کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد قرار دیتے ہوئے اسے پانے کے لئے دل و جان سے آمادہ ہوں۔ اس بلند تر

مقصد کے حصول کے لئے پروفیسر صاحب پورے ملک میں مختلف موضوعات پر لیکچرز دیتے ہیں۔ یہ کتاب ”جہاں سورج نہیں ڈھلتا“ پروفیسر صاحب کے ان ہی لیکچرز کا انتخاب ہے۔ اس کتاب میں شامل تمام لیکچرز کے خیالات، نظریات اور تصورات، درحقیقت اس بسیط کائنات کے ان فکری جہانوں کا پتہ دیتے ہیں، جہاں کبھی بھی سورج غروب نہیں ہوتا ہے یعنی یہ وہ الوہی مقام ہے جہاں ابدی اب Ultimate Now کے آفاق پر پھیلے ہوئے عرفان آمیز رنگوں کو دوامی زندگی کا منفرد اعزاز حاصل ہے۔

میرے نزدیک، ”جہاں سورج نہیں ڈھلتا“، قرآنی فلسفے اور تصورات کے مطابق صحیفہ کائنات کی نقاب کشائی بھی کرتی ہے اور اس کا ہر راز اور بھید ہمارے ادراک سے ہم کلام ہوتا ہے اور ہم کامل آگہی کے ساتھ مذہب کو اپنے خارج اور باطن کی فطری ضرورت سمجھتے ہوئے قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور ایک خاص قسم کی محبت، لگن اور جستجو ہمیں اپنے خالق حقیقی اور حسن مطلق کو پانے کے لئے بے تاب اور بے چین کر دیتی ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو حقیقی مومن کی زندگی کی شہادت ہے۔

میں نے اس کتاب کی وساطت سے پروفیسر احمد رفیق اختر کے خیالات عالیہ کو آپ تک پہنچانے کی دیانتدارانہ کوشش کی ہے لیکن اگر اس پورے عمل میں کہیں بھی کوئی کجی، کمی اور نقص رہ گیا ہو تو میں اس کے لئے سراپا معذرت ہوں۔

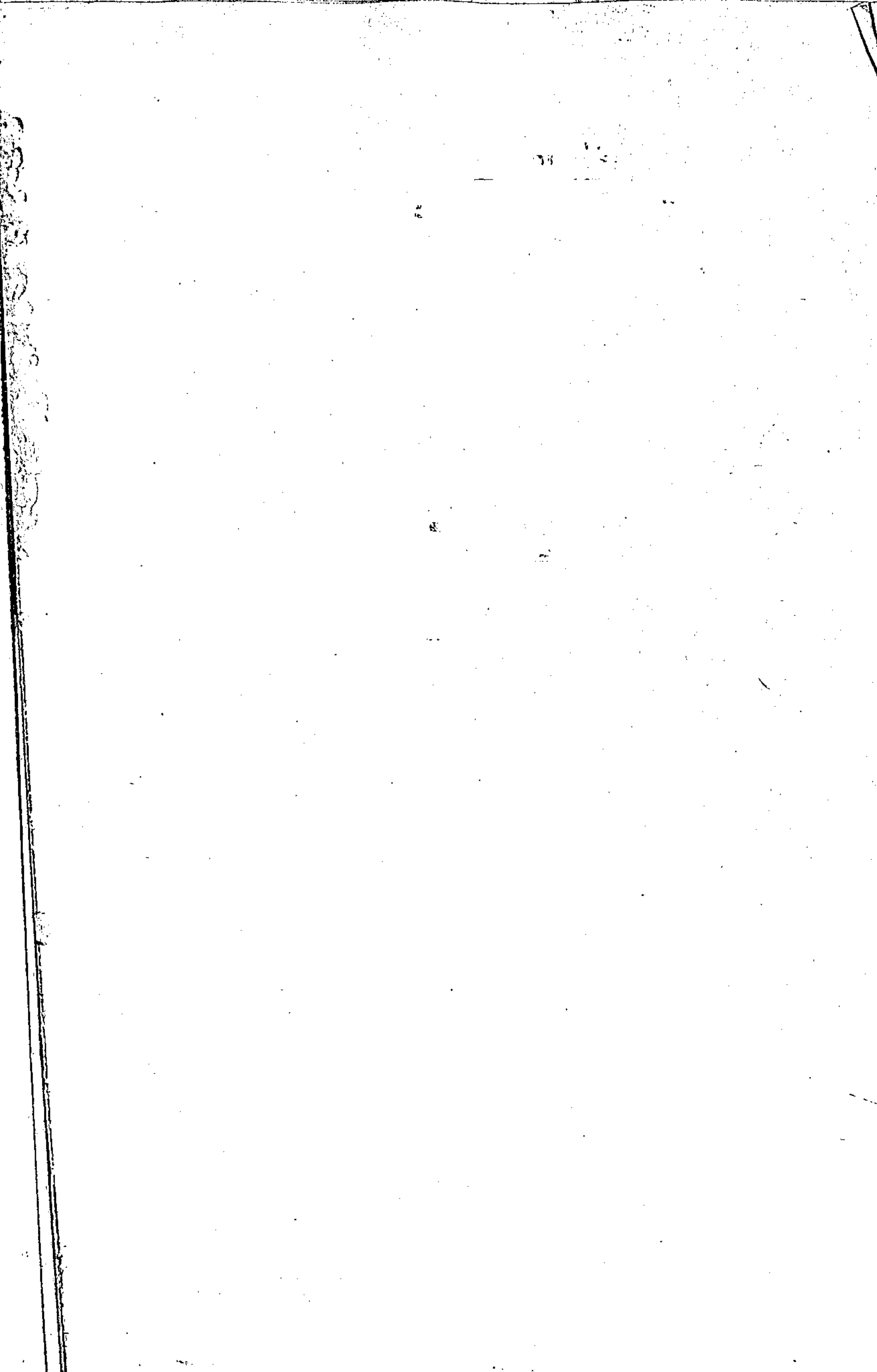
اب میں آخر میں اپنے دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے قدم قدم پر اپنے بے پایاں خلوص اور تعاون سے سرفراز کیا اور میں اس کتاب کی تالیف اور ترتیب کے مشکل مرحلوں سے بامراد گزرا ہوں۔ میرے ان دوستوں میں محمد آصف اور ظہیر عباس سرفہرست ہیں۔ رب جلیل اپنے حبیب کے صدقے میں ان کو اجر جزیل عطا فرمائے اور میری اس مسعات کو لمحوں کی توقیر بھری جھولی میں معتبر اور مقبول فرمائے۔ (آمین)

مؤلف

پروفیسر سید نسیم تقی جعفری

شعبہ اردو

سرور شہید (نشان حیدر) گورنمنٹ کالج گوجران



نظریہ رحمت پروردگار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ اِذْ خَلٰنِیْ مُذْخَلٍ صِدْقٍ وَّ اٰخِرِ جِنِّیْ مُخْرَجٍ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَدُنْكَ

سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا. (الاسراء آیت 80)

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس دعا سے پرہیز دے جو قبول نہ ہو، اس نفس سے پرہیز دے جو کبھی سیر نہ ہو اس دل سے پرہیز دے جس میں نشیبت الہی نہ ہو اس خیال سے جس میں محبت الہی نہ ہو اور اس علم سے یقیناً پرہیز دے جس میں نہ اس کے اپنے لئے نفع ہو نہ کسی دوسرے کے لئے نفع ہو۔

خواتین و حضرات! رحمت پروردگار کا موضوع اس لحاظ سے انوکھا ہے کہ جتنے جتنے جملہ جملہ اشارہ کنایہ یہ موضوع زندگی، علم، ادب، خیال اور عمل میں متعدد بار اس کا ذکر ہوتا رہا ہے مگر اس کی نوعیت کیا ہے اور رحمت کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا حقیقی اور وسیع تر پس منظر کیا ہے، اس پر تم کم ہی توجہ دی گئی ہے۔ رحمت کا مطلب صرف مہربان ہونا ہے۔ رحمت ایک نظام ہے، ایک شعبہ ہے اور اس پر دو اسمائے الہیہ رحمن اور رحیم کی حکومت ہے۔ رحمن و رحیم کی اہمیت کیا ہے؟ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسم اعظم کو سورہ بقرہ اور سورہ طہ میں تلاش کرو غور کیجئے ان دونوں سورتوں میں صرف دو بڑے اسماء پائے جاتے ہیں۔

”وَاللَّهُمَّ إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ“

(البقرة: آیت 159)

خواتین و حضرات! سورۃ طہ میں صرف ایک ہی اسمِ اعظم پایا جاتا ہے۔ ”و عننت الوجوه للنحی القیوم“ (طہ: آیت 111) پروردگار عالم فرماتے ہیں کہ اسمِ رحمن و رحیم کے تحت میں نے کائنات کی تخلیق شروع کی ہے۔ جب زمین و آسمان میں کوئی شے بھی نہ تھی اور زمین و آسمان کچھ بھی نہ تھے، جب صرف اللہ کی ذات گرامی موجود تھی دیکھنا یہ ہے کہ جو تصور تخلیق ہوا وہ تصور انسان ہے یا تصور کائنات تو اس آیت سے وضاحت ہوتی ہے کہ کائنات پہلے بنائی گئی زمین و آسمان پہلے تخلیق کئے گئے بادلوں اور ہواؤں کو پہلے مسخر کیا گیا، مگر کس لئے؟..... تاکہ اہل عقل آیاتِ الہی کے ذریعے سوچیں سمجھیں اور تصورِ خدا کی طرف مائل ہوں۔ اللہ اور بندے کے درمیان رحمت کے رشتے کے تصور کو جاننے کے لئے کہ اپنے سے پست تر مخلوق کو لیجئے، جانوروں کے اندازِ زندگی کو دیکھئے۔ کیا ہم ان کی نامعقول حرکتوں کو برداشت نہیں کرتے، کیا ہم جانوروں کی غلط حرکتوں پر انہیں سزا دیتے ہیں یا قتل کرتے ہیں؟ کبھی نہیں۔ ایک بنیادی اصول یاد رکھیے کہ عالم کبھی کم علم کو سزا نہیں دیتا کیونکہ اس کو حدودِ علمیہ کا ادراک ہوتا ہے جب ایک کم تر ذہن میں ایک بڑی اخلاقی بات سمجھنے کی اہلیت نہ ہوگی، جب ایک جانور کو جس کے brain کی مقدار محدود ہے اور جس کے پاس اخلاقی اقدار سمجھنے کی کوئی قوت و طاقت نہیں ہے تو پھر آپ اس کو کیوں سزا دیں گے؟ اگر دیکھا جائے تو خواتین و حضرات! ہم رب کریم کے نزدیک ویسے ہی ہیں اور یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ ہمیں ہماری کم علمی ہی کی وجہ سے معاف کر دے۔

خواتین و حضرات! حدیثِ قدسی ہے کہ ایک شخص گناہ کرنے کا پھر اس پر توبہ اور آہ و زاری کرے گا۔ اللہ کی طرف رجوع کرے گا تو اللہ تعالیٰ جبرائیل سے فرمائیں گے دیکھ اس شخص نے ایک گناہ کیا ہے کیونکہ اس کو علم ہے کہ کوئی بخشنے والا ہے تو جاؤ اس کو کہہ دو کہ میں نے تجھے بخش دیا ہے۔ اس آدمی کو بخش دیا جاتا ہے۔ کچھ عرصے بعد وہ پھر گناہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جبرائیل دیکھ اس شخص نے پھر گناہ کیا ہے کہ اس کو پتا ہے کہ کوئی بخشنے والا ہے تو جا اس کو کہہ دے کہ

میں نے اسے بخش دیا ہے۔ جبرائیل اسے پھر بخشش کی خوش خبری سنائیں گے۔ وہ آدمی پھر گناہ کرے گا اور پھر توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کہیں گے اے جبرائیل اس کو تو کامل یقین ہے کہ میں بخشنے والا ہوں تو اس سے کہہ دے کہ تمہارے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کیے۔

خواتین و حضرات! بخشش کا یہ تصور ناقابل فہم ہے اور ہمارے ادراک میں نہیں آتا ہے کیونکہ ہم نے ناحق اللہ کا خوف اپنے اوپر طاری کر رکھا ہے حالانکہ وہ اپنے بندوں سے بے انتہا محبت کرتا ہے اور جب اتنی محبت کرنے والی ذات گرامی موجود ہو تو پھر آدمی گناہ کیوں نہ کرے۔ مگر خواتین و حضرات! اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تعلیم و تربیت کے کچھ اور ہی ڈھنگ ہیں۔ فرض کرو اگر اس کو منظور ہے کہ آپ کے ہاتھ گناہ نہ کریں اور اس نے آپ کو بخشش بھی عطا کر دی ہو تو دیکھنا کہ کہیں وہ آپ کے ہاتھ ہی نہ لے لے کیونکہ وہ جس کو بخش دے گا اس سے خطا کی Capacity ہی چھین لے گا تاکہ آپ اس وجہ سے بار بار کسی System کی Annoyance کا باعث ہی نہ بنیں۔ یقین جانیے کہ مسلمان پر جتنے بھی مشکل مرحلے آتے ہیں جتنا اس پر آسمان، بیماریوں، بھوک و افلاس اور معیشت کی تنگی کی صورت میں جو جبر و تشدد روا رکھتا ہے، اس کی محض ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ پروردگار عالم اسے اس کے اسی مزاج میں جس مزاج میں وہ گناہ میں ملوث ہوتا ہے، جس میں وہ خدا کے احکامات کی خلاف ورزی کر رہا ہوتا ہے اسے آگے بڑھنے سے روک دیتا ہے۔

اگر تم ہماری یاد دالے ہو اور ایمان والے ہو تو اللہ شکر قبول کرتا ہے، علم قبول کرتا ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خواتین و حضرات! اگر اللہ کی رحمت کا مفہوم یہی ہے تو پھر دوزخ کیا ہے؟ اور یہ بے شمار مخلوقات جن کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ 999 دوزخ میں جائیں گے اور یہ یا جوج و ماجوج میں سے ہوں گے اور ایک جنت میں جائے گا۔ اتنی بڑی تعداد کو دوزخ میں ڈالنے سے تصور رحمت پروردگار مجروح ہوتا نظر آتا ہے۔ ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آخر اتنی کڑی سزائیں بھی تو انسان کے لئے رکھی ہیں مگر خواتین و حضرات! اس میں صرف ایک نکتہ قابل غور ہے، صرف ایک نکتہ کہ کوئی پناہ مانگنے والا اس اتھارٹی کو تو پہچانے جو اسے پناہ دینے

والی ہے۔ کوئی مغفرت مانگنے والا اس اللہ کو جانے تو سہی جو اس کو مغفرت دینے والا ہے۔ جب آپ اس اتھارٹی ہی کو نہیں مانتے، جب آپ اس سے کچھ طلب ہی نہیں کرتے، جب آپ اس کے قریب تر ہونے کی کوشش ہی نہیں کرتے، جب آپ اس کی رحمت کی تلاش اور طلب ہی نہیں رکھتے اور آپ خود ہی خفا رہیں تو پھر بھلا وہ آپ کو کیونکر معاف کر دے؟ کفار کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ جب یہ جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اے اللہ ہمیں ایک چانس اور دے دے۔

خواتین و حضرات! ایک واقعہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں کھڑے تھے کہ ایک نمازی نے دعا مانگی کہ اے اللہ مجھ پر رحم کر اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحم کر اور ہمارے علاوہ کسی اور پر رحم نہ کر۔ وہ بار بار یہی دعا مانگے جاتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا اور اس نمازی سے کہا ارے! تو نے اللہ کی بے پایاں رحمت کو کیوں تنگ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں اگر میں رحمت انسانوں کے حوالے کر دیتا تو انہوں نے سوائے اپنے گھر کے کسی اور کو نہیں بانٹنی تھی۔ خدا قرآن میں کہتا ہے کہ انسان بخیل ہے اور آپ کو ایک بات کا پتا ہونا چاہیے کہ رحمن، رحیم اور رؤف بخیل نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ مسلمہ بات ہے کہ مغرب کبھی کمزور پر رحم نہیں کرتا ہے۔ وہ اس قسم کے نظریے سے نا آشنا ہے۔ مغربی اقوام کا جتنا بھی تجزیہ کیا جائے، ان کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ کمزور پر رحم نہیں کرتے ہیں۔ اگر آپ ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جائیں، منت سماجت کریں، آقا یا ان مغرب سے درخواستیں پیش کریں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں تو اپنے لئے ہی ہم پر رحم کرو تو پھر سمجھو آپ پر رحم نہیں ہو سکتا۔ یہ صفات بخل مغرب آشکارا ہیں اور آپ تک اب بہت زیادہ پہنچ چکی ہیں۔ اس لئے اللہ کہتا ہے کہ اگر میں اپنا رحمت کا Institution کسی انسان کے حوالے کر دیتا تو یقیناً یہ رحمت بہت محدود ہو جاتی۔ گلی محلے کی ٹکڑے تک ہی رہ جاتی مگر خواتین و حضرات! میں سوچتا ہوں اس نظریہ رحمت سے کچھ ایسا تاثر تو ضرور ابھرتا ہے کہ کبھی تو اللہ نے چاہا ہوگا کہ میں زمین پر آؤں، سوچا ہوگا کہ میرے طرز عمل کو انسان دیکھے، اپنے رب رحیم، رب کریم اور رب رحمن کا غور سے مشاہدہ کرے اور اس کے افعال اور کردار

کا جائزہ لے سکے اور وہ اپنے باری المصور کو دیکھے مگر اسے حجاب بھی رکھنا تھا اور سراپا رحمت بھی دکھانا تھا لہذا وہ اپنے نمائندوں کو مختلف ادوار میں مختلف حکمتوں سے نواز کر بھیجتا رہا اور آخر کار اپنی صفات کی مکمل شکل میں محمد عربی، خاتم النبیین اور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انسان کی فلاح و بہبود کیلئے بھیجا اور فرمایا، اے پیغمبر! تجھ سے لوگ یہ جانیں گے کہ رحمن و رحیم کیا ہے۔ تجھ سے لوگ جانیں گے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رحمتہ اللعالمین ہے، میں رب العالمین ہوں، مجھے اپنی اس صفت پر زیادہ فخر ہے کہ میں رب العالمین ہوں مگر میری رحمت تیری ذات سے اجاگر ہوگی اور لوگ جانیں گے..... رحمت دو عالم کی مثال دیں گے کہ میرا خیال تھا کہ میں آگ کے ایک گڑھے کے قریب کھڑا ہوں، بہت بے چین اور بے قرار ہوں۔ میرے گرد شعلوں کا حصار ہے، میں ان کی تندی و تیزی سے محصور ہوں اور سوچتا ہوں کہ کوئی موقع ملے کہ میں اس آگ میں گر جاؤں پھر ایک دستِ غیب مجھے کمر سے کھینچ لیتا ہے، اپنے ہاتھ تھمھلاتا ہے اور اپنے آپ کو ملوث کرتا ہے۔ اس کو اپنی جان کی پروا ہی نہیں یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میری امت میرے لوگ آگ کے گڑھوں کے گرد جمع ہیں اور اس میں اس طرح گرنے کی کوشش کر رہے ہیں جیسے پروانے شمع پر شمار ہوتے ہیں اور میں ان کو کمر سے کھینچ کر پیچھے کر رہا ہوں۔ رحمتِ عالم کی جزئیات تو بے شمار ہیں۔ چرند، پرند، شجر اور حجر سب اس کی بے پایاں رحمت سے مستفید ہیں مگر میں آج صرف آپ کو اس کی چنداں آفاقی صفات کی طرف اشارہ کروں گا کہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کتنی عظیم اور لازوال سوچ تھی اس ذاتِ محترم کی کہ جو زمان و مکاں کی قید سے آزاد تھی۔ خواتین و حضرات غور کیجئے آپ انسان کو کتنا یاد رکھ سکتے ہیں، ہم اپنے آباؤ اجداد کی کتنی نسلیں یاد رکھتے ہیں، ہم کتنا عرصہ ان کے لئے دعا و سلام کرتے ہیں، کتنا عرصہ ان کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ بہت ہوا تو ایک دادا سے پوتے تک یا ذرا اور آگے بڑھ جائیں تو پڑدادا تک کون ایسا ہے جو اپنے مستقبل اور اپنی ان اولادوں کی فکر کرتا جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئیں، اور جن کو اس کے چہرے کی شناسائی تک حاصل نہیں ہے۔ اس حوالے سے مجھے زندگی میں پہلی بار یہ محسوس ہوا کہ وہ ذاتِ گرامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے جن کی بے پایاں رحمت زمان و

مکان کی قید سے آزاد ہے۔ ان کی رحمت دیکھئے آج لوگ اگر کہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ اللعالمین وفات پا گئے ہیں اور اب ان سے ہمارا تعلق نہیں ہے، ہم ان سے وہ advantage نہیں لے سکتے ہیں جو اس زمانے کے لوگوں نے ان سے لیا ہے تو پھر آپ اس حدیث کو دیکھئے کہ فرمایا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تو اصحاب بہت پریشان ہوئے اور ڈرے اور فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے کوئی گستاخی ہوئی ہے۔ فرمایا نہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو کیوں آئے ہیں۔ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ مجھے ان لوگوں کا خیال آ گیا ہے جو میرے بعد صدیوں کے بعد آئیں گے، انہوں نے مجھے دیکھا ہوگا نہ میری باتیں سنیں ہوں گی اور نہ ہی کچھ میرے بارے میں ان کا کوئی گمان ہوگا مگر وہ تمہاری ہی طرح مجھ پر ایمان لائیں گے اور تمہاری ہی طرح مجھ سے انس و محبت رکھیں گے۔ خواتین و حضرات! مجھے کوئی ایسا طریقہ بتا دیجئے۔ میں یہاں آپ کو ایک پیغمبر ہی کی مثال دیتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن میں اللہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں، اے اللہ! جب تک میں جیتا تھا، میں نے ان لوگوں کو دیکھا تھا، میں نے ان لوگوں کو تیری ہی دی ہوئی تعلیم دی تھی۔ اب جب کہ میں زندگی سے گزر گیا ہوں اور اب مجھے پتا بھی نہیں ہے کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے اور کیا کچھ اس تعلیم میں ملا دیا ہے جو میں نے انہیں دی تھی۔ اب تو جانے اور یہ جانیں، اب میرا ذمہ نہیں رہا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی بات کیوں نہیں کی ہے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پندرہ سو برس بعد آنے والے گناہ گاروں کے لئے، آپ کے لئے اور میرے لئے رو رہے ہیں۔ اصحاب نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا وہ لوگ ہماری طرح ہوں گے، جواب دیا، نہیں ان کی کچھ عادات تمہاری طرح ہوں گی۔ اس طرح زمان و مکان کو سمیٹتی ہوئی رحمت کا یہ تصور کسی اور پیغمبر کی زندگی میں نہیں پایا جاتا ہے یہ شخص صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ یقیناً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ اہمیت کسی قیمت پر بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی

ہے۔ یہی وہ رحمت ہے جس کی مثال دینے کے لئے خداوند کریم نے اللہ کے رسول کو زمین پر بھیجا ہے اور انہی کے توکل سے اللہ کے Behaviour پر ہماری نگاہ جاتی ہے۔ انہی کی وجہ سے ہمیں خدا کی عادات سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ جب طائف کے معرکے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گئے تو ظالموں نے سنگ و خشت سے ان کا استقبال کیا تھا۔ ظلم و ستم کی خونی روایات زندہ کی تھیں۔ پیغمبر خدا کو سرتاپا مجروح کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ان کا خون پونچھتے تھے۔ اس عالم میں جبریل امین حاضر ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم ہو تو اس بدتمیز اور نا اہل قوم کو تباہ و برباد کر دو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ہرگز نہیں۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹی سی دعا مانگی ہے اور اس دعا کی بڑی خصوصیت اور اہمیت ہے کیوں کہ یہ دعا خلاصہ نظریہ رحمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقویٰ کا یہ عالم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا ہوں تب ان لوگوں نے میرے ساتھ ظلم کو رو رکھا ہے تو دعا میں فرمایا، اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے کہ اگر تو تو مجھ پر اب بھی رحم کی نظر رکھتا ہے تو مجھے اس تمام مصیبت اور ابتلاء کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اگر تو اس مصیبت اور ابتلاء میں میرے ساتھ ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں اور میں ان لوگوں کے لئے ہر گز بددعا نہیں مانگتا۔ کیونکہ کیا پتا کہ ان کی آنے والی نسلوں سے ایسے لوگ اٹھیں جو اللہ کو مانیں اور اس کے رسول کو مانیں تو میں ان کے لئے بددعا نہیں کر سکتا۔

خواتین و حضرات! اس مقام پر مجھے اس بات کا جواب دیجئے کہ جب رب العالمین اور رحمت اللعالمین آپ سے کبھی مایوس نہیں ہوتے تو آپ کیوں ان سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ مجھے کوئی ایسی وجہ بتائیے ایسی Reason دیجئے۔ آپ کون سے اتنے بڑے کمال کے گناہ گار ہیں کہ فتنہ آخر الزمان ہو چکے ہیں آپ کونسا گناہ کرتے ہو مگر آپ ایک گناہ ضرور کرتے ہو اور وہ گناہ آپ کی ساری افسردگی کا باعث ہے۔ اس پہ اللہ تعالیٰ تھوڑے تھوڑے گناہ معاف کرتا آگے چلا آتا ہے۔ تھوڑے تھوڑے یعنی آپ کو اس نے اچانک پوری رحمت کی خبر نہیں سنائی آدم کی خطا معاف کی، زمین پہ بھیجا۔ فرمایا ”إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا

أَهْلٌ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ“ (البقرة: آیت 173) کہ میں نے چار چیزیں حرام مطلق قرار دی ہیں۔
 ”فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ“ (البقرة: آیت 173) اگر تمہاری جان اضطراب میں
 چلی جائے تو کوئی حرج نہیں تھوڑا سا اگر تم حرام بھی حلال میں mix کر لو تو کوئی حرج نہیں فَلَا
 إِثْمًا عَلَيْهِ اس لئے کہ میں بخشنے والا ہوں۔ ”إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ“ (البقرة: آیت 173)
 ہوں میں تمہیں بخش دوں گا۔ میں تمہیں ضرور بخشوں گا۔ اگر تم نے جان کے اضطراب کی وجہ سے
 کوئی خطا کی ہے تو میں تجھ پر کسی قسم کی سزا وارد نہیں کروں گا۔

خواتین و حضرات! یہ رعایتیں اور آگے چلتی ہیں اور آگے جا کر پروردگار فرماتے ہیں، یہاں اس
 وقت تھوڑا سا لہجہ کڑا ہے اور کہتے ہیں کہ دیکھو اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو تو میں
 تمہارے چھوٹے گناہ ضرور بخش دوں گا۔ اس بخشش کا مطلب ہے کہ چھوٹے موٹے گناہ جو میں
 نے تمہارے نصیب میں لکھے ہوئے ہیں، وہ تو تم کرو گے لیکن میں تمہیں اس بات کی گارنٹی دیتا
 ہوں کہ چھوٹے موٹے گناہوں کو میں بالکل mind نہیں کرتا مگر بڑے گناہ سے اجتناب کرنا۔

اب رحمت کا مفہوم اور وسعت پاتا ہے اور اچانک برٹش گورنمنٹ کے
 Magna Carta جیسا اعلان ہوتا ہے یعنی اس کائنات کی گورنمنٹ کا میکانا
 کارٹا Announce ہوتا ہے۔ ”قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا
 تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ“ (الزمر: آیت 53) اے میرے پیغمبر! میرے بندوں کو خبر دو اور خبر
 بھی تو رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے رہے ہیں۔ کیا پتا آپس میں صلاح مشورہ ہوا ہو
 اللہ نے کہا ہو کہ اے پیغمبر، اے رحمتہ اللعالمین میرے بندوں کو اسراف کی خبر دو جتلا یا ہے تھوڑا
 آدم کے وقت سے تم اسراف کر رہے ہونا۔ آدم کے وقت سے ”رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن
 لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا، لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ“ (الاعراف: آیت 23) تمہارا باپ دادا
 خسارے والا۔ تھوڑا سا طعنہ ضرور دیا۔ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ بڑا تم نے اپنی جانوں پر اسراف
 کیا۔ اسراف خواتین و حضرات، گناہ کی Technical definition ہے۔ اللہ تعالیٰ گناہ کو
 Technically اسراف سے نمایاں کرتا ہے۔ اسراف کا مطلب ہے وہ صفات جو جائز

مقاصد کے حصول کے لئے ایک مخصوص اور مقررہ حد سے بڑھ جاتی ہیں۔ جب ان کو Overspend کرو گے تو آپ کا پلڑا خالی ہو جائے گا۔ آپ کا Bank Balance خراب ہو جائے گا، آپ کی زندگی محدود اور مختصر رہ جائے گی۔ تو اسرفُوا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ کا مطلب یہی ہے کہ تم لوگوں نے اپنی صفات کو، اپنی qualities کو، اپنے کمالات کو بے جا صرف کیا۔ تمہیں کہا گیا تھا کہ ایک ہی نظر ڈالو مگر تم صد نظریں ڈال کر گزر گئے۔ تمہیں کہا تھا بھی حلال کے تھوڑے سے پیسے کماؤ مگر تم نے زیادہ کالا لچ کیا۔ تم نے جتنا بھی یہ اسراف کیا ہے اس کا نقصان مجھے نہیں تمہیں ہوگا۔ جب اسراف کرو گے تو خسارہ ہوگا۔ ابن عباس نے کہا ”لَا خَيْرَ فِي الْاِسْرَافِ“ اسراف میں کوئی خیر نہیں ہے۔ اللہ میاں گارنٹی دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ چاہے تم بہت برے ہو، چاہے تم بہت جاہل ہو، چاہے تم Totally unscientific ہو لیکن یہ سب سے بڑی غلطی اور جہالت نہ کر بیٹھنا، دیکھو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا کیونکہ تمہیں پتا ہے کہ میں نے خفیہ نہیں اعلانیہ اصول کتاب میں لکھ دیا ہے کہ ”اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا“ یعنی بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے۔

یہاں کی رہی نہ بیشی اور نہ صغیرہ رہے نہ کبیرہ رہے۔

اور اللہ کہتا ہے لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔

خواتین کے لئے اللہ نے رحمت Chapters رکھے ہیں اور خواتین کے لئے علیحدہ معاہدہ کیا ہے۔ اس معاملے میں مردوں سے ہٹ کر عورتوں سے بہت مفصل معاہدہ کیا ہے کہ دیکھو اے رسول اگر تیرے پاس مسلمان عورتیں آئیں اچھی عورتیں آئیں۔ وہی امت وہی تم وہی تم۔ پھر پریشان ہوتے ہیں کہ اے پروردگار اب بھی میں اپنی امت کے کچھ لوگ دوزخ میں دیکھتا ہوں اور تیرا وعدہ، قلمی وعدہ تو نہیں تھا۔ یہ سن کر اللہ فرماتے ہیں کہ اپنی عزت و جلال کی قسم ہم اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جا اور اب جو باقی لوگ دوزخ میں ہیں ان کو بھی تو نکال کے لے آ۔ ابذا جنسور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر جاتے ہیں۔ اب خدا کا قہر و جلال دیکھئے اور

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت امت دیکھتے۔ یہ رحمۃ اللعالمین کے سوا اتنی رحمت کوئی شخص imagine نہیں کر سکتا۔ ملائکہ سر بسجود ہیں۔ خوف سے لرزاں ہیں۔ چیزیں ساکت و صامت ہیں۔ اوپر سے مسلسل آواز آرہی ہے۔ کون ہے وہ صاحب اقتدار، کون ہے وہ متکبر، میں اللہ ہوں۔ جب اتنے جبر و قہر سے خدا کی آواز آرہی ہو تو جراتِ مجال کس کو ہو، مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں رہ سکتے ہیں اور آپ نہیں رہے۔ آپ چوتھی مرتبہ جاتے ہیں کہ اے مالک القدوس اپنا وعدہ یاد کر۔ ہو سکتا ہے اللہ میاں تک آ جائے کہ بار بار وعدہ یاد کراتے ہو۔ یوں تو اللہ کے رسول نے نمازوں کے حوالے سے ایسا نہیں کیا تھا جب نمازیں کم ہو کر پانچ رہ گئیں تو حضرت موسیٰ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر چلے جائیے۔ فرمایا اب مجھے مزید رعایت کے لئے اللہ کے حضور جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اب پانچ ہی ٹھیک ہیں مگر اس دن نہیں آئے گی جب امت کے لئے رحمت مانگنی ہوگی۔ فرق دیکھئے کہ زندگی میں نماز کے معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خیال آ گیا تھا کہ بار بار جو اللہ سے رعایت مانگنے جاتا ہوں تو یہ ٹھیک نہیں ہے مگر اس رحمتِ عالم کو دیکھئے کہ قیامت میں جب خوف و وحشت کا شدید عالم ہو گا تب وہ نہیں گھبرا رہے ہیں اور اس وقت تک اللہ کے حضور حاضر ہوتے رہے، جب تک اللہ یہ نہیں فرمائے گا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب دوزخ میں تیری امت کا کوئی شخص نہیں مگر یہ کہ کسی کو کتاب نے روک رکھا ہے۔

خواتین و حضرات! کتاب کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو بظاہر مسلمان ہیں اور جنہوں نے ہمیشہ دین کو ظاہری اعتبار سے سمجھا اور بڑے بڑے دعوے کئے مگر دراصل انہوں نے خدا کو کوئی اہمیت دی ہے اور نہ رسول کی محبت کو ضروری سمجھا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے مذہب کو ایک مذاق سمجھا ہے اور اپنی عقل کو اللہ سے بہتر متصور کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مذہب کو تضحیک کا نشانہ بنایا ہے۔ بنا بریں اللہ نے فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب دوزخ میں صرف وہی لوگ ہیں جنہیں قرآن نے روک رکھا ہے۔ اب اس دوزخ میں تیری امت میں سے کوئی شخص نہیں ہے۔

خواتین و حضرات! دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سارے لوگ حریص ہوتے ہیں۔ بہت

سارے لوگ خواہ مخواہ ہمارے مخالف ہو جاتے ہیں۔ ہمارے اندر سے چند علماء اٹھیں گے۔ تخت زبردست پر بیٹھیں گے۔ چوب و سناں ہاتھ میں لیں گے اور لوگوں کو عذاب کے قصے سنانے شروع کر دیں گے۔ بھلا آج تک آپ نے کسی مولوی صاحب سے پوچھا کہ آپ ہمیں جو اتنی عذاب کی باتیں بتا رہے ہو، گارنٹی سے کہہ سکتے ہو کہ آپ جنت میں جاؤ گے۔ کسی کو عذاب سنانا تو بہت آسان ہے لیکن اس کے بارے میں فیصلہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کام خدا کا ہے۔ دیکھئے کہ بیشتر قرآن مکہ کے کفار پر اترا آیا اگر آپ قرآن میں عذاب کی آیات دیکھیں اور قرآن میں رحمت کی آیات دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ تمام تر آیات قرآنی قریش مکہ پر اتریں۔ مگر کیا اتنی سخت وعید، اتنی سرزنش، اتنا قہر و جلال جس کا مظاہرہ اللہ نے بار بار قرآن میں کیا ہے۔ کبھی آپ نے سوچا کہ مکہ میں کتنے کافر پیدا ہوئے کتنے کافر مرے۔ کتنے لوگ اللہ کے قہر و غضب کا شکار ہوئے۔ اس رب کریم کی حیران کن بات یہ ہے کہ جن کو عذاب سنایا اور مسلسل سنانا رہا، جن کو زجر و توبیح کرتا رہا، جن کی صبح شام مذمت آئی۔ قرآن میں ان میں سے سوائے چار یا پانچ یا آٹھ لوگوں کے کوئی شخص بھی عذاب والا نہ ہوا۔ تمام اللہ کے بندے ہوئے تمام جلتی ہوئے تمام اللہ کی رحمت سے ہمکنار ہوئے۔

خواتین و حضرات! یہ کس قسم کا خدا ہے جو اتنا ڈرا ڈرا کے بعد میں پھر وہی ایک ہی داستان سنانا ہے کہ صرف ایک کام کرو۔ یہ تمام عذاب کفار کے لئے ہے۔ وہ لوگ جو ایک قادر مطلق کو نہیں پہنچانتے۔ خواتین و حضرات! فرض کریں کہ ایک ہندو بڑا نیک ہے۔ بڑے کار خیر کرتا ہے اسی طرح ایک کرپشن ہے اس نے بھی بڑی خیرات کی ہے مگر ایک بات مجھے سمجھ نہیں آتی کہ روز وصال پروردگار اس لمحہ آخر میں جب موصوف جو ہیں دنیائے دوں سے رخصت ہو رہے ہوں گے اور ملائکہ پرسش احوال کے لئے آئیں گے کہ لالہ جی کس سے کیا مانگتے ہو۔ کوئی کوائف ہیں کوئی Claim ہے۔ لالہ جی گنوائیں گے کوئی 125 بت شیوا، شنو، کالی، درگا، گھشام، گنیش۔ یہ کیا قصہ ہے۔ ملائکہ بے چارے کیا کریں۔ بھئی جن سے مانگتے ہو جاؤ ان کے پاس جاؤ ان کے پاس۔ تو یہ وہ فیصلہ کن لمحہ ہے، جس میں رحمت کسی ایسے شخص کو نہیں جاسکتی، کسی ایسے کو جو خدا کو

رحمتِ عالم ماننے سے ہی انکار کرے۔ آپ کو عقل و معرفت اس لئے دی گئی کہ اس رحمن و رحیم کو پہچانوں۔ اگر آپ تکلیف کے مرحلے سے گزر رہے ہو تو کم از کم کوئی شناخت تو تمہیں اس ذاتِ گرامی سے ہو جس سے آپ طلب کرنے جا رہے ہو۔ اسی لئے پروردگار نے فرمایا کہ نَبِيٌّ عِبَادِي اَتَى اَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (الحجر: آیت 49) کہ خبر دو میرے بندوں کو کہ مت گھبراؤ پریشان نہ ہو کہ خطا و نسیان عمومی ہیں اور میں تمہیں ہر حال میں بخشنے والا ہوں مگر اگر تم مجھے جانتے ہی نہیں ہو، اگر تم مجھے پہچانتے ہی نہیں ہو۔ رسم و راہ ہی نہیں ہے تو پھر یقین کرو کہ ”وَ اِنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْعَلِيْمُ“ (الحجر: آیت 50) پروردگارِ عالم کو اس کی رحمتِ عالم کا واسطہ رحمۃ اللعالمین کا واسطہ کم از کم ہم اس institution سے حصولِ قدر کے بڑے حریص ہیں۔ میں اور آپ اس institution کے فضائل کے بڑے حریص ہیں۔ پروردگار سے صرف ایک درخواست ہے آج کے دن کہ خداوندِ کریم آپ ہی رحمن اور رحیم ہیں۔ آپ ہی ربِّ کریم ہیں۔ ھو اللہ، اللہ ھو، یا رحمن و رحیم۔

ہم آپ سے اجتماعی طور پر ایک درخواست کر رہے ہیں کہ اس ملک اور اس کے باشندوں کو غیر کی نظر لگ گئی ہے اس ملک کو جو آپ کے رحم و کرم اور محبتوں سے تخلیق ہوا ہے، اس کو حاسدوں کی بُری نظریں لگی ہوئی ہیں۔ اب اے رحمن و رحیم و کریم تو اپنے خصوصی اختیار اور قوت سے، ہر اس بندے کا انجام اس ابلیس لعین کی طرح کر جو تیرے اس رحم و کرم کو جو تو نے ہمیں پاکستان کی صورت میں عطا کیا ہے کو نظر بند اور بری نیت سے دیکھے۔ اور اے مالکِ کریم ہمیں اپنی زندگی کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے میں مدد دے۔ ہمیں تعلیم دے، تربیت دے اور ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ رحمت کے وقت ”رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ“ (آل عمران: آیت 8)

یا وہاب تو نے ہمیں جو رحمت بخشی، ہمیں جو شناخت بخشی اور ہمیں جو محبت کا اخلاص بخشا اس کے توسط سے میرے بھائیوں اور میرے دوستوں کی مخلصانہ درخواست یہ ہے کہ آج ہم گنہگاروں اور کمزوروں پر اپنی خصوصی رحمت کا نزول فرما۔ اگر تجھے گناہ پسند ہیں تو ہم تھوڑے سے

کر لیں گے یعنی تجھے بخشنے کا ضرور موقع دیں گے۔

مگر اے مالک، اے کریم و رحیم، ہمارے ان گناہوں کی سزا میں ہم سے ہمارا یہ ملک نہ چھین لینا۔ یہ جو تم نے پہلے سے ہم پر رحمت و نوازش کی ہے، اس کو نقصان نہ پہنچے اور اے اللہ اس کے حاسدوں کو انجام تک پہنچا۔ اس کے دشمنوں کو نیست و نابود کر۔ اے بادلوں کے برسائے، والے، اے لشکروں کو بھگانے والے، اے کتاب کے نازل کرنے والے، ہمارے دشمنوں کو، ہمارے چہرے سے دور فرما اور ہمیں ان کے اس غلبے سے نجات دے۔ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں کو تقویت دے، ہمارے ایمانوں کو سادہ اخلاص عطا فرماتا کہ ہم تیرے فضل و کرم سے اس قابل ہو جائیں کہ تیرے دشمنوں کے ہر طعنے کا جواب لمبا ہاتھ کر کے دے سکیں، ہم ان کی ہرزیادتی اور ظلم کا جواب ضرور دیں گے، کیونکہ اللہ نے ہمیں برابر کا بدلہ لینے کی اجازت دے رکھی ہے مجھے پورا یقین ہے کہ پاکستان کے عوام کے علاوہ اللہ کی محبت و رحمت کی یہ تلاش وہوس کسی اور ملک کے عوام میں موجود نہیں ہے۔ اللہ کو ماننے والے بہت ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنے والے بہت کم ہیں نہ صرف رسماً بلکہ دل سے محبوبوں کی طرح اور خلوص سے چاہنا پاکستان کے لوگوں کی میراث ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے۔ اے اللہ ہمیں بخش دے۔

”رَبِّ اغْفِرْ وَاَرْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ“ (المؤمنون: آیت 118)

وما علینا الا البلاغ

سوالات و جوابات

دین کا عرفان عطا ہے یا کوشش؟

سوال: اللہ جسے چاہتا ہے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے تو پھر مسلمان کا کیا کمال ہے اور اس میں کافر کا حساب کیوں ہوگا؟

جواب: خواتین و حضرات بنیادی سوال یہ ہے کہ اللہ جیسا چاہتا ہے ویسا کرتا ہے مگر وہ اللہ ایسا نہیں چاہتا۔ اللہ بتاتا ہے کہ اس کے اختیارات کیا ہیں اور وہ کیا نہیں کرتا۔ اللہ کہتا ہے کہ بندوں پر میرا مکمل کنٹرول ہے۔ ان کی موت و حیات پر میرا مکمل کنٹرول ہے، ان کے کردار اور افعال پر میرا مکمل کنٹرول ہے۔ اگر تمہارا رب چاہتا تو زمین و آسمان میں کوئی اس کا انکار کرنے والا نہ ہوتا لیکن ہم نے ایسا نہیں چاہا۔ ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ ہم لوگوں کو امتوں اور حکومتوں میں بانٹ دیں۔ ہم نے خیال کیا کہ ہم لوگوں کو اختیار دیں گے ہم اگر ایسا نہ کرتے تو یہ بات غلط ہوتی۔ قرآن کی بعض آیات **Inherent Power Of God** کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور اس کے اختیار کی طرف نہیں کرتیں اور سچی بات تو یہی ہے کہ **Inherent Power** میں خدا کی کسی قسم کی بھی کمزوری یا اشارہ یا شرکت کا قطعاً کوئی احتمال تک نہیں۔ اس لئے ان باتوں میں کہ آپ کہو گے کہ ایسے ہم کہیں گے۔ ہاں ایسی ہی بات ہے۔ مگر جب اس کا **Practical Attitude** وہ کہاں کہاں **Relaxation Create** کرتا ہے تو آپ کو سمجھنا پڑے گا کہ **Inherent Power** میں اور **Power Exercise** میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

کیا کبھی مذہب بھی حاوی رہا؟

سوال: مذہب اور سائنس کے تقابل سے یوں لگتا ہے کہ سائنس آج کی دنیا میں حاوی ہے۔ آپ کے خیال میں کیا کسی زمانے میں مذہب حاوی رہا ہوگا؟

جواب: خواتین و حضرات! مذہب تو ہمیشہ حاوی رہا ہے۔ پھر آپ ایک اوسط دیکھئے جس سے مذہب کا حاوی ہونا ظاہر ہوتا ہے، اسی سے ظاہر ہوگی کتنے مذہبی ہیں جو سائنسدان ہیں بہت کم مگر کتنے سائنسدان ہیں جو مذہبی ہیں بہت زیادہ تو مذہب ہی حاوی ہوا۔ اصولاً دیکھئے مذہب کی **Dominance** کی نوعیت اور ہے اور سائنس کبھی حاوی نہیں ہوئی صرف یہ ہوا کہ سائنس **Intoxicate** ہو گئی۔ سائنس کا قانون یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے نشے میں مست ہو جاتی۔ سائنس کو معروضی ہونا چاہئے تھا۔ **Objective** ہونا چاہئے تھا۔ حقائق کی پلٹ کے بعد اس کو غافل ہو

جانا چاہئے تھا کہ سے اپنے لئے کیا چاہئے اور کیا نہیں چاہئے۔ مگر بد قسمتی سے سائنس نے بزعم خود یہ اعلان کر دیا ہے کہ سائنس سب سے بڑی سچائی ہے۔ جبکہ اگر آپ کو لوئی ہیکس اور گلیلو سے لے کر وائس ہبکنز تک چلے آئیں تو آپ کو ایک اندازہ ہوگا کہ مذہب کا بنیادی شعور بالکل نہیں بدلا مگر سائنسز بدلتی چلی آئیں۔ مذہب نے اگر کہا کہ خدا ایک ہے تو آج تک یہی کہہ رہا ہے کہ خدا ایک ہے مگر سائنس نے کہا کہ زمین ساکت ہے، تو کوپرنیکس نے کہا نہیں سورج ساکت ہے گلیلو نے یہ کہا اور دوسرے نے وہ کہا حتیٰ کہ..... مگر ایک فرق ضرور پڑا کہ سائنس کا تو اتر جاری رہا اور اس میں آنے والوں نے پچھلے لوگوں کی تذلیل نہیں کی آج کا وائکن اور ہوپکن، لینو کی اتنی ہی عزت کرتا ہے جتنی وہ اپنی کرتا ہے مگر مذہب کا پچھلے آنے والے کے ضرور ہو گئے اور اس کی ذمہ داری قوم یہود پر ہے کہ اتنی بد باطن اور نالائق جاہل قوم بھی لوگ انہیں سمجھتے ہیں۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ اتنی کم فہم کم عقل اور کم ذوق قوم نہیں دیکھی گئی کہ جنہوں نے خدائے کائنات کو اپنے اتنے بڑے نظریے کو محدود کیا، اسے گروہی کر لیا، اسے اپنا بنا دیا اور دوسرے لوگوں کا خدا ماننے سے انکار کر دیا۔ اس لئے انہوں نے عیسائیت سے انکار کر دیا۔ اس لئے انہوں نے اسلام سے انکار کر دیا اگر تو اتر سے ماننے کا عمل مذہب میں بھی جاری رہتا، سائنس کی طرح ان کو بھی تسلیم کیا جاتا تو یقین سے کہہ سکتے ہو کہ آج دنیائے علم مختلف ہوتی۔ آج مذہب کو نہ صرف **Dominance** نصیب ہوتی بلکہ مذہب پوری کائنات کو گائیڈ کر رہا ہوتا اور پوری نسل انسانی کو نیا شرف مل گیا ہوتا۔ بد قسمتی سے قوم یہود کی اس تقسیم نے اسلام تک آتے آتے طرح طرح کے جھگڑے پیدا کر دیئے اختلافات کی صورت یہاں تک پہنچی کہ اب مذہبوں میں مفاہمت کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ سوائے اس کے آپ امید کریں کہ یہ ظالم و جاہل آج بھی اسلام کو تسلیم کریں گے۔ خدائے واحد کا مذہب سمجھیں گے۔ کائنات کا مذہب سمجھیں گے۔ آفاق کا مذہب سمجھیں گے۔

خدا کی عطا کا حقیقی مفہوم!

سوال: کیا اخلاص ہماری اپنی خوبی ہوتا ہے یا خدا عطا کرتا ہے اگر اپنی خوبی ہوتا ہے تو مجھے کیا اس پر

فخر کرنا چاہئے۔ اگر خدا عطا کرتا ہے تو سب کو کیوں نہیں نوازتا؟

جواب: مولانا صاحب عطا تو دراصل اللہ ہی کی ہوتی ہے اور وہ کچھ دیکھ کر عطا کرتا ہے جیسے رسالت اس کی سب سے بڑی عطا ہے اس کے بارے میں کہا کہ اللہ کو اچھی طرح پتا ہے کہ رسالت کے اس اعلیٰ منصب پر کس کو فائز کرنا ہے، کس کے اندر صلاحیتیں ہیں۔ بحث میں ہم پڑیں کہ وہ صلاحیتیں بھی تو اللہ کی دی ہوئی ہیں۔ ٹھیک ہے اپنی جگہ پر وہ بات لیکن جیسے میں صلاحیتوں کو دیکھ کر اور رجحان کو دیکھ کر کہ میں وہ چاہتا بھی ہوں کہ نہیں جیسے پروفیسر صاحب رحمت کے بارے میں فرما رہے تھے کہ رحمت میں چاہتا بھی ہوں یا کہ نہیں۔ نوح علیہ السلام پر اعتراض ہوا، ان کی قوم نے بہت سی باتیں کیں کہ تجھے بھی یہ رحمت ملنی تھی یہ رحمت تو اللہ نے ان کی طرف جواب کیا دیا کہ تم میری رحمت کو پسند نہیں کرتے۔ میری رحمت چاہتے نہیں ہو تو مجھے کیا ضرورت پڑی کہ میں زبردستی تم پر اپنی رحمت مسلط کروں، میں انہیں کروں گا۔ پہلے تم چاہو اس کے لئے تمہارے اندر کچھ صلاحیتیں ہوں پھر تمہیں ملے گا۔

انسان کی نیکیٹو یا ایول سیلف کیا ہے؟

سوال: انسان کی نیکیٹو یا ایول سیلف سے آپ کی کیا مراد ہے؟

جواب: سیلف جہتوں کا بڑا پیچیدہ سلسلہ ہے جس میں ہر صورت دو پارٹیاں بن جاتی ہیں۔ ایک سیلف تو پرانی خصلتوں پر قائم ہے۔ Animalistic و Barbaric ہے اور اپنی خصلت چھوڑنے میں کبھی بھی راضی نہیں ہوتا۔ دوسرا جو اس کا Counter ہے، وہ ایک متجسس سیلف ہوتا ہے، جو نئی تحقیق، نئی جستجو، نئے علم کے لئے ہر حال میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور ہوتا تو وہ سیلف ہی ہے لہذا کبھی کبھی اس کی اپنے حیوانی سیلف سے اس لئے جنگ چھڑ جاتی ہے کہ وہ حیوانی سیلف سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ وہ اس حیوانی سیلف کو اپنے رستے کی رکاوٹ سمجھتا ہے۔ مگر جو لوگ سیلف سے مکمل نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کا اصول ہی کچھ اور ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ بنیادی طور پر سیلف کی کوئی صورت بھی اللہ کو قبول نہیں کیوں کہ جو اللہ کے سامنے کھڑا ہونے

سے ڈرا اس نے ہر حال میں اپنے سیلف کی اپنے نفس کی مخالفت کی۔ ہوا کی مخالفت کی۔ اشتہائے زائد کی خواہش کی۔ تو خداوند کریم کے لئے اگر کوئی شخص جدوجہد کرے تو اس کے ان دونوں Selves کے بیچ میں ایک تیسرا نگران سیلف جو ان دونوں کی پروا نہیں کرتا جو اپنی خوبیوں کی بھی پروا نہیں کرتا، اپنی خرابیوں کی بھی پروا نہیں کرتا مگر صرف رضائے الہیہ کے لئے دونوں کی سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کرتا رہتا ہے اور میری مراد اس تیسرے سیلف سے ہے جو بہت معزز، اعلیٰ اور محترم ہے۔

دور جدید میں ثقافت اسلامیہ کی تشکیل نو

غالب کا شعر ہے کہ

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

تو مجھے لگتا ہے کہ دلی اور لکھنؤ کے دبستانوں میں جو صورتیں زمانہء قدیم میں پنہاں ہو گئی تھیں، وہ ہری پور کی سنگلاخ سرزمین میں ان نوجوانوں کی صورت میں دوبارہ اُگ آئی ہیں جو سٹینڈرڈ اور جو علمی روایتیں اور جو تحقیق کا شوق یہ علاقہ پیش کر رہا ہے، آپ یقین جانئے اس سرزمین میں داخل ہوتے ہوئے تشکیک سے دل لرزتا ہے۔ ان نوجوانوں کے تجسس کو دیکھتے ہوئے اور ان کے شوقِ معلومات کو دیکھتے ہوئے ایک عجیب کلچرل حادثہ میرے ذہن میں ابھرتا ہے کہ جہاں بھی Rigidty بڑھتی ہے، جہاں بھی علوم میں سختی اور رویوں میں تشدد پیدا ہوتا ہے، جہاں بھی ایسے سسٹمز کی حکومت ہوتی ہے، یا ایسے مکاتب فکر کو غلبہ ہوتا ہے جو question اور سوال سے گریز کرتے ہیں وہاں ضرور ایسی باغیانہ روش پیدا ہوتی ہے جو بلاشبہ کلچر کی بنیاد ہے۔ کلچر، اگر آپ اسے define کریں تو ذہن کا اعراض ہے۔ کلچر ہر اُس جرات کو کہیں گے، ہر اُس خیال کو کہیں گے، ہر اُس ندرتِ بیان کو کہیں گے کہ جو اپنے پیٹرن سے جدا ہو کر اپنا ایک علیحدہ شخص وجود قائم کرتا ہے اور اپنے لئے داد طلب کرتا ہے۔ کلچر کبھی بھی اپنی آغوشِ مادر میں نہیں پنپتا اور کلچر کی آغوشِ مادر تہذیب کو کہتے ہیں۔ civilization کلچر کو اس بگڑے

ہوئے بچے کی طرح ٹریٹ کرتی ہے جس کی جراتوں سے اس کا امن خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اسی لئے ہر تہذیب میں جب کسی ثقافتی پہلو سے کوئی جدت اٹھتی ہے تو اس کا اس لئے برا منایا جاتا ہے کہ وہ بظاہر ایک فرسودہ قائم شدہ روایت کی یقینی مخالفت ہو رہی ہوتی ہے اور اگر آپ کو یاد ہو تو مذہب میں آپ نے اکثر علماء حاضر و غائب سے یہ بات سنی ہوگی کہ ”کل بدعة ضلالة“ (مسند احمد، دارمی، ابن ماجہ) کہ ”تمام بدعت ضلالت ہے۔ تمام بدعت گمراہی ہے اگرچہ بعد میں مذہبی مفکرین نے بدعت سیئہ اور حسنہ کو جدا جدا کیا مگر آپ سچ پوچھیے تو بدعت اور کلچر ہم معنی ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں کلچر ہی بدعت ہے اور بدعت ہی کلچر ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کلچر کے آفاق کس چیز سے متعین ہوتے ہیں۔ کلچر کیا ایک ذاتی کیفیت ہے یا ارد گرد کے ماحول میں ایک انقلاب آفرین جرات ہے یا کسی individual کی شہرت کی طلب ہے یا کسی گروپ کی Projection اور پاور کی Lust ہے یا واقعتاً کسی تہذیب کو آگے بڑھانے کیلئے کسی مفکر کا ایسا خیال ہے جو اس معاشرے کے ذہنی اخلاقی اور قدری معیار کو بلند کر دیتا ہے۔

خواتین و حضرات! پچھلے کئی برسوں سے دیکھنے میں آیا ہے کہ مسلمان تمام سرزمین اسلام پر اپنا کلچر کھو چکا ہے۔ وہ اس ذہنی تصادم کیلئے تیار نہیں ہے اس ذہنی جدوجہد اور گفتگو کیلئے تیار نہیں ہے۔ وہ اس Dialectical بحث کیلئے تیار نہیں ہے جو کسی بھی کلچرل aspect کا ایک خاصہ ہوتا ہے۔ جب اسلام آیا تو وہ بت پرستی کی تہذیب میں ایک cultural revolution بھی تھا اور اس کی شدید ترین مخالفت اس وقت کی prevalent مقررہ اور متعینہ civilization نے کی مگر ہر کلچر کے پاس ایک دلیل ہوتی ہے اور اسلام کے پاس انتہائی مضبوط دلیل تھی اور سب سے بڑی مضبوط دلیل جو اسلام کے پاس تھی کہ یہ لوگ اہل عقل نہیں ہیں۔ اِنْ شَرُّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (الانفال: 8-22) اگر قرآن میں ان آیات کا توارد دیکھیں جو اس نئی religious کلچر کی بنیاد تھا تو خداوند ذوالجلال والا کرام پروردگار عالم ایک چیز کی افادیت اس معاشرے میں اجاگر کر رہا تھا اور بار بار اسی بات پر غور کرنے کی دعوت دے رہا تھا کہ میں نے اے انسان تجھے جو نعمت عقل بخشی ہے، اسے

روایت اور تقلید میں ضائع نہ کرتو بار بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے کافر کو یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر تم اپنے آباؤ اجداد کی تقلید نہ کرتے ہوتے، اگر تم اپنے غور و فکر کے معیار استعمال کرتے تو بلاشبہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ جاتے۔

خواتین و حضرات! اسلام کے کلچر سے ایک بہت بڑا اصول واضح ہوتا ہے جو ابتدائے اسلام ہی سے اسلام کے کلچر میں رکھا گیا ہے اور وہ اصول یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو تحقیق و جستجو کا شائق ہے، ہر وہ شخص جو مطالعہ نفس و آفاق کا شائق ہے، جب وہ تردد فرمائے گا، جب وہ جستجو کرے گا، جب وہ تحقیق کے رستوں کو اجاگر کرے گا تو اس کی تگ و دو کا انجام صرف ایک ہے اور وہ شناخت ذات اور شناخت خداوند ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی علمی و جاہت کے باوجود اپنی محنت، مشقت اور تحقیق کے باوجود اگر خدا تک نہیں پہنچ رہا تو اس کو پلٹ کے دیکھنا ہوگا کہ اس کی تحقیق کہاں ناقص ہو گئی، اس کا تجسس کہاں کم تر پڑ گیا، کہاں اس کے ذاتی اور selfish concepts ہیں انہوں نے اس کی wider اور اعلیٰ ترین آفاقی تحقیق میں کہاں دخل اندازی کر کے اس کو منزل تک پہنچنے نہیں دیا۔ اسلامی کلچر کی بنیاد ایک متعینہ حدود میں رہتے ہوئے ایک ایسے تجسس کو فروغ دینا ہے، ایک ایسی تحقیق و جستجو کو فروغ دینا ہے، جس کا انجام صرف اور صرف اللہ کی شناخت ہے۔

خواتین و حضرات! آپ کسی بھی کمپیوٹر سے ایک سوال پوچھیں کہ علم کا مقصد کیا ہے تو آپ کو تمام سوالات ایک جواب کی طرف جاتے ہوئے ملیں گے کہ تمام علمی تحقیق کا مقصد ذات کی شناخت ہے سوائے اسلام کے کہ جس میں انسانی، علمی تجسس اور تحقیق، شناخت ذات سے آگے بڑھ کر شناخت خداوند کو جاتی ہے اور تمام معاشروں میں جتنی ترقی پذیر سوسائٹیز ہوتی ہیں اور جتنی ترقی پذیر معاملات فکر ہوتے ہیں، وہ اپنی اپنی منازل کے تعین سے فروغ پاتے ہیں۔ اگر کسی معاشرے میں سٹیٹس کی علامت ترقی کا خیال ہو تو تمام معاملات فکر سٹیٹس کی طرف جاتے ہوئے لگیں گے۔ اگر کسی معاشرے میں مال و دولت ہی مطمح نظر ہو تو اس معاشرے کا کلچر مال و دولت کی حرص اور آز کی طرف لپکتا ہوا لگے گا۔ سوائے اسلامی معاشرے کے جو اعلیٰ ترین مقاصد کے

حصول کو تعلیمی منزل بناتا ہے۔ اور اللہ کی طرف بڑھتا ہوا یہ اسلامی معاشرہ کلچرلی اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ جہاں جہاں بھی مسلمان اپنا معاشرہ اور کلچر لے کر گیا ہے، وہاں ایک نمایاں تبدیلی وقوع پذیر ہوئی ہے۔ آپ حیران ہونگے کہ اگر وہ سرانندیب میں اترا ہے تو وہاں اس نے آثار چھوڑے ہیں، اگر مالا بار کے ساحلوں پہ اترا ہے تو وہاں اس نے آثار چھوڑے ہیں، اگر ان میں سے ایک روپ اور ایک خیال انڈونیشیا میں اترا ہے تو دیکھتے ہی دیکھتے سارا انڈونیشیا مسلمان ہو گیا ہے، حیرت کی بات لگتی ہے کہ مسلمان اپنے ساتھ کیا چیز لے کے نکلا تھا، کیا دلیل لے کے نکلا تھا، کیا خیال لے کے نکلا تھا کہ وہ جس جس معاشرے کو آگے بڑھا ہے، ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ آپ مصر کی مثال لیں۔ وہاں جو معاشرہ قائم تھا ایک مہذب اور مضبوط معاشرہ تھا۔ اس کا مضبوط کلچر تھا، اسکے رسم و رواج پائیدار تھے مگر جب مسلمان مصر میں پہنچتا ہے تو اتنا مضبوط کلچر لے کے جاتا ہے، اتنا مضبوط نقطہ نظر لے کے جاتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی کنوننگ پاور (Convincing Power) اتنی زیادہ ہے کہ تمام کا تمام ملک مسلمان ہو جاتا ہے یا اسلام قبول کر لیتا ہے۔

خواتین و حضرات! آج اس دور میں جب ہم ایک شخص کو تبلیغ یا خدا کے دین کے لئے کام کرتا دیکھتے ہیں تو ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ وہ تین Basic اصول جو قرآن نے تبلیغ کے بتائے ہیں، کیا وہ انکی کی اہلیت کو پورا کرتا ہے یا نہیں۔

The Culture of Islam depends on the way

you present your culture

اسلامی ثقافت کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ ایک وحی الہی اور دوسری اس کے Mystic experience پر ہے۔ کیا وہ وحی الہی کی presentation کے لئے اپنے زمانے کے مطابق اس کی proper advertising کرتا ہے یا نہیں؟ اب یہ دیکھنے کا کام ہے کہ یہ جس زمانہ میں ہم رہ رہے ہیں یہاں ذرائع ابلاغ میں سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ ابلاغ سمجھا جاتا ہے جو کسی بھی پراڈکٹ کی بہترین انداز میں تشہیر کرتا ہے۔ اگر آپ اپنی choices کو

دیکھیں، اپنی کلچرل choices کو دیکھیں، اپنی زندگی کے ان معاملات کو جہاں آپ ایک بلیڈ کا انتخاب کر رہے ہیں، جہاں آپ پھولوں کے رنگ کا انتخاب کر رہے ہیں، جہاں آپ روٹی اور الکریم میں انتخاب کر رہے ہیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ Invertedly ان کلچرل choices کے پیچھے advertisement ہے۔ اشتہار موجود ہے۔ جب یہی جنگ اعلیٰ ترین خیالات کو جاتی ہے تو آپ کا واسطہ ایک طرف پورے سیکولر کلچر اور دوسری طرف religious approaches سے پڑتا ہے مگر میں آپ کو معذرت کے ساتھ یہ کہہ رہا ہوں کہ جہاں بھی ہمارے اس present religious culture کا مقابلہ ایک open western کلچرل سے پڑتا ہے تو مذہبی کلچر ہمیشہ شکست کھا جاتا ہے۔ یہ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مذہب کے پاس، وہ openness، کشادگی، اور دلائل فکر نہیں ہیں جو سیکولر عناصر اپنی سپورٹ میں پیش کرتے ہیں بسا اوقات سیکولر میں اتنی کشش ہوتی ہے، اور وہ اتنی advertisement کے اتنے methods اور means رکھتا ہے کہ عام متحسب شخص کو وہ لبرٹی please کرتی ہے اور جب وہ اپنے مذہبی کلچر کو دیکھتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ مذہبی اجارہ دار اس کے تجسس کو مار کر، اسے ایک ہی پیٹرن اپنانے کے لئے insist کرتے ہیں۔ جب ان سے کسی افادیت کے اصول پر Discussion کرنے کو کہا جائے تو اس کے جواب میں آپ کو ایک ایسا منکر مذہب سمجھا جاتا ہے جس پر ضرور کوئی نہ کوئی فتویٰ صادر ہو جاتا ہے۔

خواتین و حضرات! ہمیں یہ سوچنا پڑے گا کہ کیا وہ مذہب جو اس کلچر کی بنیاد تھا اور جس نے بارہ سو برس تک جدت خیال اور ندرت الفاظ بخشی ہے، جس نے ہمیں ابن سینا اور رازی بخشے ہیں، جس نے ہمیں ابن حزم بخشا ہے، جس نے یوسف الخوارزمی بخشا ہے، جس نے اشاعرہ جیسے مفکر بخشے ہیں، جس نے جنید بغدادی، عبدالقادر الجیلانی اور علی بن عثمان بخشا ہے، لمحہء موجود میں فکری اعتبار سے اس قدر مفلوج اور ذہنی طور پر پابج ہو گیا ہے کہ عصر جدید کے مفکرین کے جواب دینے سے بھی قاصر ہے مگر یہ تو خدا اور اسلام کا اپنا Criterion ہے اور اسلام تو اسی بنیاد پر

خیالات اور افکار کی جنگ جیت کے نکلا ہے۔ اسلام تو شروع ہی جنگ و جدل فکر سے کرتا ہے۔ اس دنیا میں سب سے پہلا مذہب جو دلیل کو فروغ دیتا ہوا پایا گیا وہ اسلام ہے۔ اسلام تو اپنا آغاز ہی تقلید اور جہالت کے خلاف کرتا ہے اور غور و فکر کی اہمیت اجاگر کرتا ہے۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ جُوہلاک ہو اوہ دلیل سے جُوہلاک ہو، وَيَحْيِي مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (الانفال: 8-42) جو زندہ ہو اوہ دلیل سے زندہ ہو۔ اب مجھے یہ بتائیے کہ اس اللہ کا کیا حق ہے کہ وہ اپنے آپ کو بغیر دلیل کے منوائے۔ جو بار بار آپ کے عقل و شعور کو آواز دیتا ہے، جو آپ کے تجسس کو راہ دیتا ہے، اس اللہ کا کیا حق ہے؟ کہ وہ اپنا آپ بغیر دلیل کے منوائے۔ کیوں آپ کو جرأت سوال نہیں ہوتی؟ اس پروردگار عالم سے پوچھنے میں کہ جب آپ خود یہ کہتے ہو۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ جُوہلاک ہو اوہ دلیل سے جُوہلاک ہو۔ وَيَحْيِي مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ جُوہلاک ہو اوہ دلیل سے زندہ ہو، تو اے مالک عقل، اے عقیل، اے حکیم، اے علیم، پھر وہ دلیل کہاں ہے؟ کہ جس سے ہم عصر حاضر کے تشکک سے لڑ سکیں۔ ان اعتراضات عصر حاضر کو face کر سکیں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عصر حاضر کے پاس کیا ہے۔ یہاں سے آپ عالم یا کوئی نادان بچہ بھیجیں، اداس یا کوئی خوش انسان بھیجیں، عجیب سی بات ہے کہ مغربی دنیاؤں میں جا کر اس کی کاپیا پلٹ جاتی ہے۔ وہ ایک دم اپنے آپ کو آزاد محسوس کرتا ہے۔ وہ معاشرہ اسے آزادی کا احساس دیتا ہے۔ یہ معاشرہ بندش اور گھٹن کا احساس پیدا کرتا ہے۔ ایک بار جب میں Houston کی جامع مسجد میں تقریر کرنے کھڑا ہوا تو میرے پاس مصر کے ایک عالم تشریف رکھتے تھے، انہوں نے کہا پروفیسر صاحب یہ آپ کے سامنے جو لوگ بیٹھے ہیں، یہ ایک خاص نقطہ نظر کے حامل ہیں۔ کوشش کیجئے گا، ان کو یہ باتیں نہ کہیے گا، تو میں نے کہا کہ آپ نے مجھے سات ہزار میل سے اس لئے بلوایا ہے کہ میں آپ کے dictated خیالات پیش کروں تو یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ آپ کو ایک چوائس کرنا ہے۔ صرف مجھے سننے یا انکار کر دینے۔

And then I said what I wanted to say

میں نے وہی بات کی جو میں نے کہنی تھی۔ لہذا وہاں بیٹھے ہوئے تمام لوگ اپنے خیالات کے برعکس میری گفتگو سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ میں اگر امریکہ میں رہتا تو شاید

نذرانہ نہیں! سود ہے پیرانِ حرم کا

ہر خرقة سالوس کے اندر ہے مہاجن

والی کیفیت پیدا ہو جاتی اور مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ میں امریکہ سے بہت بڑا مہاجن ہو کے نکلوں گا۔

خواتین و حضرات! میں نے ان سے ایک سوال کیا کہ پورے کا پورا امریکہ

concept of liberty پہ قائم ہے اور statue of liberty کے زیر سایہ سانس

لے رہا ہے۔ آپ مسلمان ہیں اور اتنی دور سے آئے ہوئے مہمان کو بھی جرأت اظہار نہیں

دیتے۔ اپنے گروپ سے ہٹ کر آپ کسی شخص کی بات سننے کے روادار ہیں اور نہ کہنے کے روادار

ہیں۔ تمام اہلسنت والجماعت یا دوسرے حضرات جو inclusive ہیں، کہتے ہیں کہ ہم چار

آئمہ کے قائل ہیں۔ ہم ابوحنیفہ کے قائل ہیں۔ ہم احمد بن حنبل کے قائل ہیں۔ ہم محمد بن ادریس

الشافعی کے قائل ہیں۔ ہم امام انس بن مالک کے قائل ہیں مگر آج تک آپ نے کسی حنفی کو کسی حنبلی

کا فتویٰ قبول کرتے دیکھا ہے؟ آج تک کسی اہل حنابلہ میں سے کسی شخص کو امام عالم امام ابوحنیفہ

کی تعریف کرتے سنا ہے۔ یہ کون سے چار امام ہیں جو آپ لوگوں کے ہیں۔ آپ تو اتنے فلسفہ

لوگ ہیں۔ اتنے قیود و حدود میں ہیں کہ اپنے مسلک سے ایک لمحہ کے لئے گریز کرنے کو تیار نہیں

ہیں۔ آپ اُس وقت اور آج کا کلچر دیکھئے تو آپ کو ایک واضح فرق محسوس ہوگا کیونکہ

Distance was the cause of division of Aaimma

اور کوئی وجہ نہیں تھی، فاصلے اتنے زیادہ تھے کہ کوفہ میں رہنے والا ایک شخص امام ابوحنیفہ کی بات

ماننے کے سوا کوئی آپشن نہیں رکھتا تھا۔ اسی طرح مکہ و مدینہ کے کسی شخص کے پاس کسی بات کو

جاننے اور سمجھنے کے لئے امام انس بن مالک کے سوا کوئی ہستی نہیں تھی کیونکہ فاصلے اتنے زیادہ تھے

کہ اگر کوئی مسلمان Second opinion طلب بھی کرتا تو اس کے لئے مکہ یا مدینہ چھوڑ کر

دمشق، بصرہ یا کوفہ جانا ناممکن تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں جہاں آئمہ متعین ہوتے وہاں ان کی

finality ہوگئی۔ اگر کوئی حنفی ہو گیا تو مصر مالکی ہو گیا اور اصولاً ایسا ہی ہونا چاہیے تھا مگر کیا آج یہاں بھی یہی صورت حال ہے؟ اگر آپ غور کیجئے تو آپ اس ہری پور جیسے جو زیادہ Decadent نہیں تو زیادہ ترقی یافتہ بھی نہیں، جس کے ذرائع مواصلات بھی اتنے زیادہ نہیں، جس کے اذہان تو ماشاء اللہ شگفتہ، تروتازہ اور برق رفتار اور عقل عمر و عیار رکھتے ہیں مگر جہاں تک ان کے sources ہیں، وہ اتنے کم ہیں کہ وہ اپنی زندگی کی الجھنوں کو اپنی ہمتوں سے استوار نہیں کر سکتے مگر اس کے باوجود اگر آپ یہاں بیٹھے ہوئے کسی بھی امام زمانہ کا فتویٰ ڈھونڈنا چاہیں، تو پلک جھپکنے میں آپ کو پہنچ سکتا ہے۔ جب مواصلات اتنی Brisk ہو جائیں کہ اس زمانے کی inventions، آرٹ اور لٹریچر ہمارے کلچر کا حصہ بن جائے تو آپ اس کلچر سے استفادہ کئے بغیر اپنی religious representation نہیں کر سکتے، لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارا تمام religious طبقہ اسی کلچرل جدیدیت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور تمام جدید ترین methodology، ذرائع ابلاغ اور ذرائع اظہار استعمال کرتا ہے مگر اپنے نفس مضمون پر کسی تنقید کو گوارا نہیں کرتا۔

خواتین و حضرات! زمانے میں صرف اور صرف وہی مسلک اور نظریہ زندہ رہتا ہے جو زمانے کے امتحانات سے گزر جاتا ہے۔ زمانے سے بہتر کسی نظریے اور کلچر کا کوئی ٹیسٹ نہیں ہے اور اسلام واحد مذہب ہے جو اپنی افادیت کو پندرہ سو برس سے ذہنی جدلیات کے ذریعے بچاتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے اور رب کعبہ کی قسم ہے کہ اسلام کو اپنے دشمنوں کے بجائے اپنے دوستوں سے خطرہ ہے۔ ان لوگوں سے جو اسلام کا صبح و شام نام لیتے ہیں اور جو اسلام کو represent کر رہے ہیں۔ ان کی نمائندگی اس درجہ پست ہے کہ advertising کی دنیا میں میں نے ہمیشہ اللہ پہ ایک افسوس کا اظہار کیا ہے کہ تو اس کائنات میں best of the product ہے مگر تجھے بدترین advertiser ملا ہے۔ یہ ایسے بدترین advertisers ہیں جو اللہ کو کسی طور بھی علی بابا کے کانپٹ سے آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ ان کے خیال کے مطابق اللہ عقل کل ہے نہ حکمت تمام ہے! نہ وہ بلین ٹریلین ایئر ذرائع کی Galaxy کا مالک ہے! نہ

وہ کوانٹم اور Relativity کا خالق ہے! یعنی اس وسیع و عریض کائنات کو تخلیق کرنے والا عظیم رب منی ایچر کے ہاتھ میں چڑھا ہوا ہے۔ اللہ کا حقیقی کانسپٹ اس زمانے میں مسخ شدہ کانسپٹ ہے۔ اب اللہ ایک لوکل گنبد میں قید ہے۔ وہ پروردگار عالم جس کی طرف آئن سٹائن اور ہاپکنز بھی نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کرتا ہے۔ اس کو آپ نے گھریلو باندی کی طرح اپنے فرسودہ اور متروک خیالات کی بندشوں میں ڈال رکھا ہے۔ یہ اللہ کا کیسا کانسپٹ ہے جو آپ کو جرأت اظہار بھی نہیں دیتا۔ یہ کون سا خدا ہے جو انسان کو دماغ اور فکر دے کر اسے سوچنے نہیں دیتا ہے۔ یہ کس خدا کا کانسپٹ ہے کہ جہاں اقبال کو اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شائد

کہ آرہی ہے دمام صدائے کن فیکون

ایک اتنا بڑا رب کائنات جو ایک مکمل، متحرک، فعال، عقل اور علم کی انتہا ہے کہ جس کے آسمان اول کی وسعتوں کو ماپنے کے لئے لوگوں سے ابھی کوئی پیمانہ نہیں بنا اور جس کی کائنات کے آسمان اول میں داخل ہونے پر کوانٹم اور Relativity کا بڑے سے بڑا فلاسفر یہ بات کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ جس چیز کو ہاتھ لگاتے ہیں، وہیں نیا آپشن پیدا ہو جاتا ہے اور آج کوانٹم کا فلاسفر، یہ کہنے پر مجبور ہے کہ وہ dimensions جو رسل یا آئن سٹائن قائم کر کے گیا تھا، They are no more valid وہ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ کائنات اگر سکڑے گی تو لائٹ کی رفتار سے زیادہ سکڑے گی تو اس وقت کون سی نئی dimensions وجود میں آئیں گی۔ عقل حیران ہے۔ بڑے سے بڑے Mathematician حیران ہے۔ Physicist حیران ہے ہٹ اینڈ ٹرائل پہ کائنات کی انڈر سٹینڈنگ کے فارمولے جاری ہیں۔ جب ان سے کہو کہ یہ کائنات ایک سے زیادہ ہو سکتی ہے تو وہ مجبوری سے کہتے ہیں

yes this option is alive.

جب ان سے کہو کہ ایک Big bang کے علاوہ اور بھی Big Bang ہو سکتے ہیں۔ کہتے ہیں

We got no reason to refuse

جب ان سے کہو کہ اللہ کہتا ہے میں نے سات زمینیں بنائی ہیں سات آسمانوں میں، کہتے ہیں We can,t refuse اس پروردگار عالم کو ہمارے مکاتب اور ہمارے علمی رشتوں نے تفسیر جلالین میں قید کر رکھا ہے۔ اس وقت کی کتابوں میں، ان مکاتب میں جو شائد اپنے تئیں ایک بہت قیمتی علم کو آگے بڑھا رہے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ تمام معلومات جو آج سے مدتوں پہلے موجود تھی۔ اب ان میں سے ایک بھی آگے بڑھتی نظر نہیں آتی۔ خواہ وہ رازی یا علامہ محمود آلوسی کی تفاسیر ہیں۔ حتیٰ کہ آج کے جدید ترین مفسروں نے بھی جو 1980 تک تفاسیر کی ہیں وہ وضاحتیں بھی ناقص ہو چکی ہیں۔ کیا پھر قرآن کو آپ insistence کے ساتھ انہی علماء کی تفاسیر سے پڑھیں گے یاد رکھئے کہ اصحاب رسولؐ نے یہ غلطی نہیں کی کیونکہ ان کا علم یقیناً خالص تھا، وہ ایک بہترین علم کے مالک تھے۔ ان کا کلچر انہیں تجسس پہ ابھارتا تھا، اب دیکھئے کلچر کی اہمیت کیا ہوتی ہے کہ تمام عمر علماء ایک تشدد کانپٹ کے تحت آگے بڑھتے دکھائی دیتے ہیں حالانکہ ایک کرخت نظریے اور کلچر میں واضح فرق ہوتا ہے۔

کلچر ایک جنرل Mass Appeal کے ساتھ فروغ پاتا ہے اور Dogmatism اور کسی نظریے میں جو تشدد ہوتا ہے، وہ ذہنوں کو آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ آپ یقین کیجئے کہ زندگی کی اس منزل پر جب میں ساری دنیا کے کلچر اور انکی Religious Philosophies اور Extra Philosophies دیکھ چکا ہوں اور مجھے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ آسان اسلام نظر آیا۔ سب سے زیادہ آسان اسلام پر عمل کرنا نظر آیا۔ میں یہ بات مسلمان ہونے کی وجہ سے نہیں کہتا۔ میرا تو ابتدائی کلچر ہی شک و شبہ کا تھا۔ میری زندگی کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ میں کسی مضبوط دلیل سے خدا کا انکار کر سکوں۔ یہ میری سب سے بڑی کوشش تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ انسان کی آزادی اور اس کی مجبوری میں ایک اللہ کی ذات حائل ہے۔ اگر اللہ نہ ہو تو انسان آزاد ہے۔ اللہ کے ہوتے ہوئے میں اپنے آپ کو آزاد نہیں سمجھ سکتا تھا۔ میری مجبوری تھی کہ وہ جو کوئی بھی ہے، اس نے مجھے پہلا سانس دیا وہ جو کوئی بھی ہے اس نے مجھے آخری سانس دیا۔ وہ جو کوئی بھی ہے اس کا Claim ہے کہ اس نے مجھے ماں کا دودھ بھی دیا ہے۔ اس

نے مجھے ماں بھی دی ہے۔ اس نے مجھے باپ کی شفقت بھی دی ہے۔ وہ مجھ سے سوال کرتا تھا کہ زندگی میں آنے سے پہلے میرے پاس کیا چوائس تھا۔ کیا میں نے کوئی باپ چنا تھا؟ کیا میں نے ماں چنی تھی؟ کیا میں نے بہن بھائی چنے تھے؟ ایک بے بسی اور بے چارگی میں اس نے مجھے گھر دیا۔ میرے جرثومہ حیات کی افزائش کیلئے اس نے مجھے رحم مادر بخشا۔ بڑی مجبوری تھی۔ جب میں اس کے Claim دیکھتا تھا تو اللہ کے Claim اس حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ وہ مجھے ہنساتا بھی ہے اور رلاتا بھی۔ میرے چہرے پر ایک خفیف سے تبسم کی ذمہ داری بھی اللہ پہ چلی جاتی ہے۔ میں اس اللہ کو کیسے neglect کر سکتا تھا۔ میں اپنے تجسس میں، اگر اس پہلے سوال سے نہ نمٹتا تو مجھے کوئی عاقل کیسے کہتا۔ آپ یقین جانئے کہ تمام یورپی تمدن اور تمام یورپی فلسفہ ایک حماقت کا شکار ہے کہ ان میں سے کسی فلسفی نے خدا کو تلاش نہیں کیا۔ نہ رسل نے، نہ وٹ کانٹائن نے، نہ وائٹ ہیڈ نے، کسی نے بھی خدا کو تلاش نہیں کیا۔ نہ نیٹشے نے، نہ فیٹشے نے، وہ محض abstraction کی تلاش کرتے رہے، وہ تجرید سے خدا ڈھونڈتے رہے۔ وہ چاہتے یہ تھے کہ وہ فلسفے کی موشرگافیوں سے اللہ تک پہنچ جائیں۔

But you know one thing there is one difference

between GOD and the other things

خالق ہونے کی حیثیت میں اللہ Second Priority of Thoughts قبول نہیں کرتا۔ وہ کسی قیمت پر بھی Second Priority قبول نہیں کرتا۔ مجھے ایک مغربی Mathematician نے طنزاً کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تم خدا شناس ہو۔ میں نے اپنی زندگی کے چودہ برس دیئے ہیں، میں تو خدا کو نہیں پہچان سکا۔ مجھے تو وہ نہیں ملا۔ How do you say میں نے اسے کہا؟

God is not a by product of mathematical researches,

He is a complete Obsession

وہ تمہارے رستے کا کچھ نہیں ہے۔ تم اگر Mathematics میں پی ایچ ڈی

کرنے کے بعد کسی ہلکی سی Quantum یا Theory of Relativity پہ غور کرتے ہوئے یہ توقع رکھو کہ خدا تمہیں رستے میں مل جائیگا تو ایسا نہیں ہے بلکہ خدا حقیقت کلیہ کی حیثیت میں ایک مکمل Obsession اور تلاش ہے۔ اگر آپ اسے مخلوقات کی تلاش کے بعد حاصل کرو گے تو وہ آپ کو Available نہیں ہوگا۔ وہ ایک ایسی زندہ رواں حقیقت ہے جو اپنی توہین برداشت نہیں کرتی۔ کسی مذہبی اور غیر مذہبی کی تخصیص نہیں ہے مگر اللہ اس شخص کو نہیں مل سکتا، جس نے ذہنی ترجیحات میں اسے ترجیح اول نہیں سمجھا۔

This is one major difference

اگر آپ من حیث المجموع اسے ترجیح اول سمجھیں اور ذہن کی دنیا میں اس کی Properly Gradation کریں تو بخدا وہ پندرہ کروڑ کو مل سکتا ہے۔ وہ تو ہے ہی ملنے کیلئے۔ اُس نے تو عقل و شعور کا Instrument ہی اس لئے دیا ہے۔ یہ تمام کا تمام اسلامی کلچر اپنے تعین کیلئے خدا کے تشخص پہ بھروسہ کرتا ہے۔ جس اسلام میں، جس کلچر آف اسلام میں Concept of God نہیں ہے، وہ ازمنہ قدیم کے رسم و رواج کی طرح ہے، Taboos کی طرح، Totems کی طرح ہے، عصر گزشتہ کی امثلہ کی طرح ہے، اساطیر الاولین کی طرح ہے۔ اس میں کوئی زندگی نہیں ہے۔ خدا کے بغیر اسلام ایک ایسا سرکٹانڈ ہب ہے جس کا دھڑ ہے مگر جس میں شعور نہیں ہے۔ ذرا غور کر کے دیکھئے کہ اس وقت کا Religious Culture ہمیں کیا تلقین کر رہا ہے؟ دیوبند میں، بریلوی میں، اہلحدیث میں، تبلیغ کے کسی مکتبہ فکر میں آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ دیوبند پہ، آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ تبلیغ پہ اگر آپ کا صحیح نظر خدا کی محبت اور شناخت ہے تو مجھے ایک بات بتائیے کہ اگر ایک سات منزلہ بہت بڑے ستور میں اگر آپ کی مطلوبہ شے نہیں ہے تو اس ستور میں آپ گھوم پھر کے کیا کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے مطلب کی شے ایک ٹوٹی پھوٹی دکان سے جس میں آدھی رات کا دیا جل رہا ہو اور اس کا دکاندار آدھا غنودہ ہو، آپ کو وہاں سے مل جائے تو اے بندگان خدا اگر آپ کو مذہب کی غرض و غایت کی تلاش ہو اور تمام Religion اللہ کیلئے تھا اور تمام religion میں ایک اسلام

کو متعین اور مخصوص کیا گیا کہ اب یہ وہ کلچر provide کرتا ہے جس کی Height آخر کار اللہ کی شناخت ہے اگر میں اللہ کو جاننا، سمجھنا اور چاہنا چاہوں اور میں رستے کا انتخاب کروں اور میں ایسا رستہ ڈھونڈنا چاہوں جو مجھے اللہ تک پہنچا دے تو فرض کیجئے کہ میں دیوبند کے سکول کی طرف جاتا ہوں، کہتا ہوں ان کے Academics بہت اچھے ہیں اور حقیقت ہے کہ دیوبند کے Academics بہت اچھے ہیں۔ اب میں وہاں کوشش کر رہا ہوں، سالہا سال لگا رہا ہوں، میں کوشش کر رہا ہوں کہ ان میں سے کوئی استاد، کوئی ٹیچر خدا شناس بھی ہوگا، جو میرے باطن میں ان علوم کی آگاہی کے چراغ جلائے گا کہ بالآخر میں سراغ حقیقت پا جاؤں گا۔ میں تو وہ شخص ہوں کہ آسمان میرا انتظار کرتا ہے، میں وہ انسان ہوں کہ ملائکہ آدھے جھکے، آدھے کھڑے یہ دیکھ رہے ہوتے ہیں جیسے اقبال نے کہا کہ یہ وہ ظالم ہے جو حقائق کے پردہ داروں کے نقاب اتارتا ہے۔ جس دن انسان پیدا ہوا تھا۔ بقول اقبال

خبرے رفت ز گردوں بہ شبستانِ ازل

حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد

یعنی آسمانوں سے یہ خبر برق رفتاری سے گزری تھی کہ اے نقاب پوش حسینو! اب بچو، اب ایک نقاب اتارنے والا پیدا ہو گیا ہے۔ اب وہ انسان پیدا ہو گیا ہے کہ جو حقائق کو اس طرح کھوجے گا، جو اس طرح کریدے گا، جو اس طرح تلاش کرے گا کہ دنیا و مافیہا کی کوئی رکاوٹ اسے روک نہیں سکے گی۔ یہ دیوانہ خدا ہے، یہ ہر رکاوٹِ انفس و آفاق کو ترک کرتا ہوا اللہ کے دروازے تک پہنچے گا۔ یہ ہمسائیگی خداوند تک جائیگا۔ یہ جلال و جمال خداوند کا رسیا ہے۔ اس کی عقل ضرور اسے اس منزل تحقیق تک پہنچائے گی جس کا نام اللہ ہے مگر اس اللہ کے بندے کا حشر کیا ہوتا ہے، وہ اس زمین آسیب میں پلا بڑھا، ہندوستان میں، ہندوستان جو برصغیر تھا۔

It is a land of Inferiority

یہ حقارتوں کی سرزمین ہے۔ تین ہزار سال پہلے جو قومیں اس میں وارد ہوئیں، انہوں نے زمان و مکاں کے توارد سے عروج و زوال کی ساعتوں سے اپنے لئے احساس کمتری جمع کیا۔

برصغیر میں ہر انسان Above inferiorities کے ساتھ پیدا ہوا۔ تکبرات کے ساتھ پیدا ہوا۔ یہاں آزادی اور غلامی کی داستانیں اتنی repeat کی گئیں کہ جب اسلام کا کلچر داخل ہوا تو اس میں خیال کی قوت تھی۔ فزیکل پاور تھی۔ وہ ایک شاندار Handsome ہیر و لگتا تھا۔ جب اسلام برصغیر میں داخل ہوا تو اس کے ساتھ اتنے Brilliant Aspects تھے کہ اس کا کلچر زمین و آسمان سے بڑھ کر تھا۔ ایک طرف اس کو سلطان محمود آف غزنہ کی تلوار مہیا تھی اور دوسری طرف ابوالحسن خرقانی کا تصوف نصیب تھا۔ دوسری طرف اسے علی بن عثمان ہجویری قطب الاقطاب عالم کا، اس کو تصوف نصیب تھا۔ ایک تسخیر زندگی کے معاملات میں آگے بڑھ رہا تھا اور دوسرا تسخیر قلوب میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اتنا پاور فل کلچر تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے Adherent لاکھوں اور کروڑوں میں بڑھ گئے۔ یہ ان صوفیاء کے اسلامی کردار کی مثالیت کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے بے غرضانہ، درویشانہ اور فقیرانہ طور پر لوگوں کو وہ سب کچھ دیا جس کی اس Land of inferiorities میں ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ والہانہ آگے بڑھے، دیوانہ وار آگے بڑھے، وہ اللہ کی محبت کو آگے بڑھے۔ اس Land، اس محبت کی سرزمین پہ، اتنی طاقت و رحمت تھی اللہ کے ساتھ، یہ آزرده دلوں کی سرزمین تھی، یہ افسردہ خاطر لوگوں کی سرزمین تھی، یہ اجاڑ اور ویران ذہنوں کی سرزمین تھی، یہ محکوم اور محصور افراد کی سرزمین تھی، اور ان لوگوں کو جب یہ نعمت اُخروی ملی، ان کو محبت خداوند نصیب ہوئی اور جب سیدنا فرید الدین گنج شکر ہانسی آئے، پاس سے لشکر گزر رہا تھا، تو خلق نے ہجوم کیا، اس محبت کے باعث اپنے Officers سے بغاوت کر دی اور کہا ہم تو فرید الدین کو دیکھے بغیر آگے نہیں جائیں گے تو مجبوراً انہوں نے لشکر کو Allow کیا۔ تو ان کو بڑی عقیدت کے ساتھ ایک جگہ پر بٹھایا گیا۔ لوگ آتے، ہاتھ پیر چومتے تو خواجہ کو برا لگتا وہ بار بار کہتے اے خلق خدا تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟ کیوں میرے پاؤں چومتے ہو۔ خدا کیلئے مجھے اس اذیت سے رہائی دو۔ اور اسی اہنأ میں ایک سقہ بڑھا اور جب اسے منع کیا گیا کہ کیا کرتے ہو تم لوگ، تم لوگوں کو کیوں عقل نہیں آتی تو وہ تن کے کھڑا ہو گیا، اس نے کہا فرید الدین تمہیں کون مانتا اور جانتا ہے؟ تجھے کون پیار کرتا ہے یہ لوگ تو اللہ کے متوالے ہیں۔ یہ لوگ تو اللہ سے پیار کرنے

والے ہیں۔ ان کو گمان ہے کہ اللہ تجھ سے پیار کرتا ہے۔ یہ تو اس لئے تجھ پر پلٹ رہے ہیں ورنہ تیرے وجود کی ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔ ہم تو قرآن کی اس آیت کی طرف دیکھتے ہیں کہ جب وہ شخص بازاروں میں چلتا ہے تو خدا کا نور اس کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا اپنا نور اس کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ اب اسلام کلچر سے ایسے نوری وجود ختم ہو گئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں ان Schools of Thoughts کو کیا کروں جو میرے تشخص کو تقسیم کئے جاتے ہیں۔ میں جو مسلمان تھا میرا کلچر اسلام تھا۔ میرے کلچر کی بنیاد صرف اور صرف اللہ کی محبت اور خلوص پر تھی۔ میرے کلچر کو میرے مذہبی گروہوں نے اس طرح بانٹ دیا، اس طرح تقسیم کر دیا کہ میرے مذہب میں سب کچھ رہ گیا مگر اللہ کا نام و نشان نہیں رہا۔

This is the first loss, the ultimate loss of priorities,

Religious Priorities کا سب سے بڑا نقص یہی تھا اور اس Priority

کے بعد ہم کسی قیمت پر اسلام کلچر کو present نہیں کر سکتے۔ اسلام میں اللہ کے سوا کوئی چیز important نہیں ہے اور جب مسلمان کے ذہن و قلب سے خدا کے حصول کی خواہش ختم ہو جائے۔ اس سے محبت کی آرزو ختم ہو جائے تو اس کا اسلام کیا معنی رکھتا ہے اور جب یہ نہ رہا، جب یہ intellectual priority نہ رہی تو اب دیکھئے دوسرا نکتہ نکلتا ہے کہ کلچر متاثر کرتے ہیں کلچرز کو، جب یہ مکس ہوتے ہیں تو کلچر متاثر کرتا ہے دوسرے کلچر کو۔ اخذ بھی اسی میں سے ہے، اصول بھی اسی میں سے ہے۔ کلچر کے دو حصے ہیں۔ میں نے پہلے غیر مادی اور مادی حصے پہ گفتگو کی ہے

There is no Islamic Culture in Pakistan

کیونکہ مادی اور غیر مادی حصے ختم۔ اس کی ڈائریکٹنگ فورس موجود نہیں ہے۔ اسلام کے پیچھے

Love of God

نہیں ہے اور Love of God کے بغیر ایک Cultural میٹافزیکل ہائیسٹس آپ کا مذہب

اختیار نہیں کر سکتا۔ خدا کی محبت کے بغیر آپ کا سارا مذہب گھروندوں میں بٹ کر مسلمان کی تقسیم کا باعث بنتا ہے۔ اگر کسی مسلمان کیلئے مسلمان ہونا باعث تفاخر نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جن گروہی قیدوں میں ہے، اس کیلئے سائیڈ کی بیماری ”اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنََهُمْ وَكَانُوْا شِيْعًا لَّسْتُ مِنْهُمْ فِىْ شَيْءٍ“ (الانعام: آیت 159) جن لوگوں نے دین میں فرق کیا اور گروہوں میں بٹ گئے اے پیغمبر تو ان میں نہیں ہے اور جس میں پیغمبر نہیں ہے، اس میں خدا نہیں ہے۔ جس Concept of Religion میں خدا نہیں ہے وہ religion دو ڈو ہے۔ ٹوٹم ہے اور رسم و رواج ہے۔ پھر اس کمیونسٹ فلاسفر کا قول بڑا سچا ہے کہ جب لوگ کسی مسلمان ملک سے گزریں گے اور جب کسی مسجد کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہاں ایک ایسی بے وقوف قوم آباد تھی جو ان دیکھے آسب سے ڈرتی تھی تو Comment یہ نہیں آئیگا کہ یہاں اللہ کے بندے آباد تھے، یہاں اللہ کو ماننے والے آباد تھے، یہاں اللہ سے محبت کرنے والے آباد تھے، بلکہ Comment یہ آئیگا کہ یہاں ایک ایسی بے وقوف قوم آباد تھی جو ان دیکھے آسب سے ڈرتی تھی اور یہ حقیقت ہے کہ جب ہم خدا سے انس توڑتے ہیں، رشتہ و ناتا توڑتے ہیں تو ہماری حالت اس آسب زدہ مسلمان کی سی ہوتی ہے جس کے کلچر میں تعویذ اور جادو کو از حد اہمیت حاصل ہے۔ مجھے اسلام آباد کی ایک بڑی معزز اور پی ایچ ڈی خاتون نے ایک بات کہی کہ پروفیسر صاحب بڑے دنوں سے ہمارے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ جس کامیابی کو بڑھتے ہیں نقصان ہو جاتا ہے۔ فرمایا پروفیسر صاحب یہ کسی نے کچھ کیا ہوا تو نہیں ہے، یہ جادو تو نہیں ہے، آسب تو نہیں ہے۔ میں نے کہا محترمہ ایک کام کرتے ہیں، ایک Application اللہ کے نام لکھتے ہیں، تو بھی لکھ، میں بھی اس پہ سائن کر دوں گا کہ اے پروردگار عالم اب لازم ہے کہ تو ایل بی آر پہ چلا جا۔ Leave Before Retirement پہ چلا جا۔ اب تیرا کوئی کام نہیں رہا، اب لوگ رزق بند کرتے ہیں، پانی بند کرتے ہیں، خیال بند کرتے ہیں۔ اب زندگیوں پہ قدرت انسانوں کو حاصل ہوگئی ہے۔ معاملات پہ قدرت انسانوں کو حاصل ہوگئی اب تیری کیا ضرورت ہے۔ اس افلاک میں، اب آپ جاؤ چھٹی کرو، کوئی اور دنیا بساؤ اور جادو گروں کے حوالے اس دنیا کو کر جاؤ،

تعویذ والوں کے حوالے اس دنیا کو کر جاؤ۔ اب اس معاشرے کا کلچر اس بحران اور ذلت کا شکار ہے کہ ہر آدمی اپنی ناکامی اور افسردگی کا باعث کسی دوسرے انسان کو سمجھتا ہے اور اللہ کی یہ آیت لوگوں کے ذہن اور اعتقاد سے نکل گئی ہے کہ ”وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ“ (البقرة: آیت 155) کہ اے بندگانِ خدا، بلاشبہ میں تمہیں تھوڑا آزماؤں گا زیادہ نہیں۔ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ بہت معمولی سے خوف سے تمہیں آزماؤں گا۔ بھوک سے آزماؤں گا، نقصِ اموال سے آزماؤں گا، کیفیاتِ ذات سے آزماؤں گا۔ تمہارے پھل، تمہارے وجود جدا کر کے تمہیں آزماؤں گا۔ ”وَإِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ“ (البقرة: آیت 156) اور دیکھو تم سب پر تھوڑی بہت مصیبتیں آئیں گی، تم سب پر مصائب آئیں گے تو دیکھو اعتقاد کی غلطی نہ کرنا، اس کا regard کسی تعویذ والے کو نہ دینا، کسی جادوگر کے پاس یہ سراغ نہ لینے جانا کہ کسی نے ہم پر کیا کیا ہوا ہے۔ یقین جانا کہ یہ سب کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے کیونکہ میں نے ہر انسان کو تھوڑا بہت ضرور آزمانا ہے۔ ”بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ“ (البقرة: آیت 155) میں نے تمہارا مینٹل سٹیٹس چیک کرنا ہے۔ تمہاری دنیاوی پی ایچ ڈی چیک نہیں کرنی۔ ایم ایس سی، بائنی اور زوالوجی نہیں چیک کرنی۔ میں نے تمہارے اعتقاد کی ایک ڈگری کو چیک کرنا ہے۔ تمہارا Faith کا کلچر چیک کرنا ہے۔ کیا تم اپنے ظاہری علوم کے باوجود اتنی جلدی آسیب اور دوسو سے کا شکار ہو جاؤ گے تو بس اتنی بات یاد رکھنا ”وَإِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ“ کہ جب تم پر کوئی مصیبت آئے تو اپروچ یہ رکھنا کہ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ O (البقرة: آیت 56) کہ یہ کیفیت وقتی ہے لمحاتی ہے۔ یہ ٹل جائیگی اور ہم اس کلاس سے پاس ہو جائیں گے۔ ہم اپنے اس علمی بحران سے گزر جائیں گے۔ ہم اللہ پہ اعتقاد رکھیں، ہم سے خطا اور نسیان کہیں نہ ہو جائے۔ ہم اللہ کے سوا زندگی کی ذمہ داری کسی اور پہ نہ ڈالیں اور اگر تم اس چھوٹے سے امتحان سے پاس ہو گے تو اللہ یہ کہتا ہے: ”أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ“ (البقرة: آیت 157) ان لوگوں پہ میری طرف سے نہ صرف درود و سلام ہے بلکہ درساگاہ خداوند میں آپ

کرتے ہیں۔

خواتین و حضرات! اس کی وجہ صرف ایک ہے کہ ہم اپنے بنیادی عنصر ثقافت یعنی وحی سے محروم ہو چکے ہیں۔ دوسرا عنصر تھا خدا سے مَس رکھنے والے وہ وجود جو ہمیشہ ہمیں مذہبی Curiosity کی انتہا، تشریح اور وضاحت دیتے تھے حتیٰ کہ آج کا میتھیڈیسٹ ہمیں یہ کہتا ہے کہ صوفی ازم حرام ہے۔ آج کا میتھیڈیسٹ کہتا ہے کہ صوفی ازم exist نہیں کرتا۔ آج کا میتھیڈیسٹ مسلمان یہ کہتا ہے کہ یہ فقراء سب بہانے ہیں۔ یہ صوفی جو بیٹھے ہیں یہ سو دلینے والے ہیں۔ پیران حرم سارے جھوٹے ہیں۔

Exactly this is right. "But this is only right when there is no real SUFI"

مگر عبدالقادرؒ کے ہوتے ہوئے کسی نے یہ نہیں کہا کہ صوفی ازم نہیں ہے۔ حتیٰ کہ امام ابن تیمیہؒ جیسے سخت ترین نقاد اپنے حوالہ جات میں یہ جملہ لکھ کے گئے ہیں کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلی اور شافعی بغداد میں حنابلہ اور شافعیہ کے مطابق درس دیتے تھے۔ اور ہم تک شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامات کے توسل، توسط اور تواتر سے پہنچیں۔ ابن تیمیہؒ کا یہ اعتراف اگر غور کیجیے تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی معرفت کی دلیل ہے۔ علی بن عثمان ہجویریؒ کی علمی تحقیق اور جستجو تک برصغیر کا کوئی عالم آج تک نہیں پہنچا۔ ان کی ایک ایک سٹیٹ منٹ کی تحقیق ادھوری ہے۔ یہ بات میں آپ کو اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں۔ مجھ سے اختلاف ممکن ہے۔ مگر میں ایمان داری سے سوچتا ہوں کہ جس قسم کا ان کا Analytical ٹیپر ہے۔ اور جس سائیکالوجی آف سیلف کی وہ سٹیٹ منٹ دیتا ہے، آج تک برصغیر کا کوئی صوفی، کوئی محقق کوئی مولوی اس کی کنہ تک نہیں پہنچا۔ میں آپ کو اس کی دو مثالیں دیتا ہوں۔ یہ ایک وہ نتیجہ ہے جو صرف صوفی کی Intellect اخذ کرتی ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ خدا شناس کس نقطہء نظر سے تحقیق کرتا ہے سید ہجویریؒ نے لکھا کہ مجھے لوگوں کی خدمت کا بڑا شوق تھا اور میں ان پہ مال بھی خرچتا تھا حتیٰ کہ میں مال خرچتے خرچتے مقروض ہو گیا اور میں خدا سے گلہ کرتا تھا کہ اے پروردگار میں تو خدمت خلق کرتا ہوں۔ اب دیکھئے

گا کہ آپ میں سے بہتوں کا یہ مسئلہ ہے کہ میں تو خدمت خلق کرتا ہوں تو پھر مجھ پہ یہ عذاب عسرت کیوں؟ مجھ پہ یہ غربت کیوں؟ تو فرمانے لگے میں متردد تھا اس معاملے میں کہ مجھ تک میرے شیخ الوقت ابو الفضل ختلی کا ایک خط پہنچا اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ اے علی بن عثمان کیا تو ان لوگوں کے عذاب کم کرنے کی کوشش کرتا ہے جن کو اس کیفیت میں اللہ نے رکھا ہوا ہے اور یہ اصول یاد رکھ، اتنی نیکی کرو، اتنا خیر دے جتنا تیری استطاعت ہے۔ اگر اس سے بڑھ کر کرے گا اور نفس تجھے خیر کی کثرت پہ ابھارے گا اور تجھے عسرت میں ڈال دے گا اور پھر یہی نفس تجھ سے خدا کا گلہ کروائے گا جو تو کسی بھی حال میں نہیں چاہتا۔ یہ درس کسی مولوی کے نصیب میں نہیں ہے۔ یہ درس اس شخص کے نصیب میں ہے جو علوم کی خصلت و غایت کو صرف اللہ کے لئے حاصل کرتا ہے۔ فرمایا علی بن عثمان ہجویری نے کہ میرے دل پہ کیفیت اضطراب تھی۔ میں اپنے شیخ کے پاس حاضر ہوا میں نے ان سے کہا سماع کا بندوبست کیجیے۔ میرے شیخ نے سماع کا بندوبست کیا۔ میری کچھ کیفیت اضطراب کم ہوئی۔ جب میں اٹھ کے چلا تو میرے شیخ نے آواز دی، اے علی بن عثمان ایک وقت آئیگا کہ تمہیں سماع میں اور کوئے کی آواز میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوگا۔ اب دیکھیے یہاں تک واقعہ ہے کہ سید ہجویری یہ فرماتے ہیں۔ کیا خوبصورت Analysis ہے کہ جب طلب خداوند میں تو آسے ڈھونڈھے گا اور جب سختی قلب میں راحت تلاش کرے گا اور جب مشقت میں آسانی کی آرزو رکھے گا تو پھر تیرا دل اس آسانی کا ہمیشہ شائق ہو جائے گا۔ اگر تو نے اضطراب میں سماع ڈھونڈا اور پھر تو اضطراب میں سماع کا عادی ہو گیا تو تو اگلی منزل فکر تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس Outgrowth کے جس فلسفے کے بارے میں سیدنا علی بن عثمان اشارہ کر رہے ہیں، یہ تصوف اسلامیہ کا خلاصہ ہے۔ ایک منزل فکر سے دوسری منزل فکر کو بڑھ جانا یہ کمال صوفی تھا۔ ذات سے گزرتے ہوئے، آفاق سے گزرتے ہوئے، اپنے ذاتی تشخصات کو محفوظ کرتے ہوئے، اپنے علمی تحفظات کو محسوس کرتے ہوئے۔ جب ایک صوفی اللہ کو بڑھتا تھا تو وہ معاشرے کے عقلی معیار کو بلند کر دیتا تھا۔ ایک بڑی عجیب سی مثال آپ کو بتاؤں کہ کلیام شریف جو میرے شہر کے بالکل قریب ایک گاؤں ہے وہاں ایک بہت بڑے مجذوب دفن ہیں، ان کو بابا فضل دین کلیامی

کہتے ہیں تو میں ایک دفعہ اتفاقاً ان کے گاؤں کے قریب سے گزرا۔

I don't go generally but it is sometimes
when I pass by.

کسی بڑے بزرگ کے پاس سے گزرتا ہوں تو فاتحہ پڑھنے کو اُنس محسوس کرتا ہوں اور ان سے دعا لینے کو بھی دل اُنس کرتا ہے تو میں نے بابا سے کہا دیکھ تو بڑی عجیب سی بات تو کدھر آ کے ڈھور ڈنگروں میں لیٹ گیا ہے۔ اتنا بڑا تو خدا شناس ہے تو میں اس کے مزار پہ کھڑا ہو کے اس کو ذرا طنزاً کہ رہا تھا کہ بابا تو کمال کا آدمی ہے۔ He did not answer me مجھے کشف قبور نہیں حاصل۔ غلط نہ سمجھیے گا۔

But it was a dialogue with him.

جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، بعض اوقات قبرستان میں جا کر بڑی لمبی چوڑی گفتگو کرتے رہتے تھے تو میں نے کہا بابا تو خدا شناس تھا تو یہ کون سی جگہ ہے تو جہاں آ کے پڑ گیا۔ خلق کو تجھ سے کیا فائدہ ہوا، کیا سراغ ملا تو میں نے کہا

This is not proper atmosphere.

اے بابا تو نے یہاں آ کر کیا کیا میں یہ گلہ شلہ کر کے مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گھس گیا۔ جب میں نماز پڑھ کر مسجد کے پاس سے گزر رہا تھا تو ایک تنگ سی گلی سے اچانک میرے کانوں میں ایک سُریلی آواز پڑی۔ بہت خوبصورت آواز۔ بہت ہی خوبصورت آواز۔

Because i remember the rarity of that voice.

جس میں پورا پورا موسیقی کا رس تھا۔ گانے والا گارہا تھا۔

تو غنی ازہر دو عالم من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر

ور تو می بنی حسابم ناگزیر از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

آپ یقین جائے کہ ایک غیر مرئی ارتعاش نے میرے پورے بدن کو روک لیا۔ میں سکتے میں چلا گیا کہ یہی سوال تو میں پوچھ رہا تھا کہ اے صوفی تو نے یہاں بیٹھ کے کیا کیا۔ میں جو اس سے

سوال کر رہا تھا کہ بابا تو نے یہاں بیٹھ کے کیا کیا تو میرا جواب اس سیدھے سادے دیہاتی نے دیا جو ایک تہبند باندھے ہوئے، سفید شرٹ، سفید پگڑی پہنے ہوئے، انتہائی خوبصورت آواز میں اس مدح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گارہا تھا۔

And I just faced him again.

میں مزار سے جاتے ہوئے اسے کہہ گیا کہ بابا

You were right, i was wrong.

"اکو کوک فریدی سنجے کر گئی تھل" جہاں اس قسم کا شخص بیٹھتا ہے، وہ زمین برکت والی ہوتی ہے اور اس زمین کی برکت اس شخص کو زمینی مراتب سے اٹھا کر ایک آسمان گیر سطح نظر دے جاتی ہے۔ یہ سب سے پہلا Difference ہے جو کسی بھی Mystic movement کے کچھراں امپیکٹ کا ہوتا ہے۔ یہ وہ موومنٹ ہے جو آج کل کے پاکستان میں مفقود ہے۔ اس لیے کہ ہر محقق جو اٹھا، ہر متجسس جو اٹھا، اس نے مسائل کو انتہائے فکر سمجھ لیا۔ اس نے اتنی بڑی مابعد الطبعیات دنیا کو چند مسائل میں قید کرنا معراج اسلام سمجھا۔ ایک غیر ملکی مفکر نے مجھے کہا کہ اسلام کی میٹافزکس نہیں ہے تو میں نے کہا مسخرے اگر اسلام میں میٹافزکس نہیں ہے تو اور کس کے پاس ہے۔ تم لوگوں نے آج تک تجرید کے سوا کسی چیز کو پرسیو نہیں کیا۔ مغرب کا ہر فلسفی ایپسٹریکشن، Justice, truth اور ہیومن ریلیشن شپ کی بات کرتا ہے۔ تم میں سے کسی ایک شخص نے بھی عالم تجرید کے مالک کی تلاش نہیں کی۔ تم اپنی بہترین کوششوں کے باوجود بھی صرف تجریدی اصولوں تک ہی پہنچ پاؤ گے کیونکہ آپ کا بڑے سے بڑا فلاسفر Justice in all پر رک جائیگا۔ کوئی اور فلسفی readynesses all پر رک جائیگا۔ کوئی اور Liberty پر رک جائے گا اور کوئی جبر و قدر کے مسئلے پہ

They never wanted to see God.

Nobody has ever Sought God.

ان میں سے کوئی خدا کا متلاشی نہیں تھا۔ اس کے برعکس جب کوئی مسلمان مفکر آگے بڑھتا ہے تو اس

کی واحد مابعد الطبیعیاتی منزل اللہ ہوتی ہے دوسروں اور مسلمان مفکرین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ان کی مابعد الطبیعیات اس بے کراں سیارچے کی طرح ہے جو فضا کے بیٹے میں کسی منزل کے تعین کے بغیر ایک لا انتہا مسافت میں چلا جاتا ہے اور جس کا کوئی انجام نہیں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ایک مسلمان Mystic اس گائیڈ ڈیزائن کی طرح ہے جو یقیناً اپنی منزل کے تعین کا مشکور ہے اور جانتا ہے کہ وہ کس سمت کو بڑھ رہا ہے اور وہ یقیناً الہیاتی قرب میں جا کر اترتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کے مفکرین ہمیشہ Competitive range میں افلاک کے تمام مغربی مفکرین سے آگے رہے۔ آج بھی کہا جاسکتا ہے کہ عصر جدید یورپ میں آپ کے مفکرین ابن اہیشم، غزالی، ابن رشد اور ابن خلدون نے وہ شمع فکر جلائی ہے کہ جس سے بعد میں ان کے ہاں ڈیٹیکارٹ او ڈارونز پیدا ہوئے اور ان کی Renaissance اور Reformation شروع ہوئی۔ اگر دیکھا جائے تو یہ کلچرل تقسیم ہے۔ جب آپ کا کلچر Intellectual اور مضبوط تھا تو یورپ نے بے حجابانہ آپ سے لیا بلکہ سرکہ بالجبر کیا۔ حتیٰ کہ غزالی کی مثالیں ڈیٹیکارٹ نے کوٹ کیں مگر اس نے نام نہیں لکھا کہ میں نے یہ غزالی سے لیا۔ لہذا یورپ نے آپ سے کچھ لینے میں کبھی شرمندگی محسوس نہیں کی، مگر بد قسمتی یہ ہے کہ آپ یورپ سے جو اثاثہ لیتے ہیں اس کے ساتھ Additional نمک مرچ لیے آتے ہیں، ان سے احساسِ غلبہ لیے آتے ہیں، احساسِ تحقیر لیے آتے ہیں، اپنے آپ کو آپ خواہ مخواہ مغلوب نظر کیے جاتے ہیں۔ اقبال نے ایک کوشش ضرور کی تھی کہ مسلمان مفکرین کے ذہنوں سے یہ اثر اتارے۔ اقبال سے پہلے کلچرل مغلوبیت کا یہ حال تھا کہ انڈیا میں جو شخص بی۔ اے کر جاتا تھا وہ دہریہ ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن اقبال پی ایچ ڈی کرنے کے باوجود بھی دہریہ نہیں ہوا اس علمی معیار کے رعب نے انہیں دوبارہ مذہب کی طرف واپس کیا اور اقبال نے inferiority کا ایک جنرل کانسیٹ ختم کرنے کی کوشش کی مگر بعد میں اسلام والوں نے یورپین کلچر کو یوں سینے سے لگایا کہ بے نام و نشان ہو گیا اور اپنے تشخص سے خالی اور عاری ہو گیا۔ الغرض ایک مدت تک مغرب کی لبرٹی کے تصور کو مشرق پر غلبہ حاصل رہا اور آج یہ عالم ہو گیا ہے کہ ہم ان کے کلچر کانسیٹ آف لبرٹی، کانسیٹ آف انکواری اور کانسیٹ

آف ریسرچ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہم زیادہ سے زیادہ ان کی دلیل کے جواب میں گولی مار سکتے ہیں۔

But they have better bullets and they have better guns, they have better missiles, anytime they can kill us without firing a bullet even.

ہم یقیناً ان سے اس فیلڈ میں بھی نہیں لڑ سکتے تو پھر کیا کریں گے۔ ہم کم از کم اپنے کلچر کو مزید آلودگی اور کرم خوردگی سے بچا سکتے ہیں ہمیں اپنے ذہنی تفکر، جرأت فکر اور ایک رندانہ کوشش سے یورپ کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ سے اس مقصد کیلئے ہمیں جہالت اور بنیاد پرستی کے بجائے جدید فکری لطافتوں کو فروغ دینا ہوگا اور ہمیں ایسے جوان تیار کرنا ہوں گے جن کے دماغوں میں تحقیق و جستجو کا سودا سما یا ہوا ہو۔ لیکن ہم یہ منزل اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک ہم قرآن کی اس آیت پہ عمل نہیں کریں گے کہ "الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ" (آل عمران: آیت 191) اے میرے بندو، کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں کے بل، مجھے یاد کرتے رہو۔ "وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ" (آل عمران: آیت 191) اور زمین و آسمان کی تخلیقات پہ مسلسل غور و فکر کرتے رہو۔ کیا کوانٹم یا relativity پر صرف ہیکن کا حق ہے؟ درحقیقت یہ میرا حق ہے کیونکہ میں خدا کا بندہ ہوں اور یہ کائنات میرے خدا کی ہے۔ اس حوالے سے علوم کی دہلیز پہ نامیہ فرسائی کرنا اور شعور کے آفاق تسخیر کرنا میرا اساسی حق ہے۔ اہل مغرب کا کیا حق تھا؟ وہ ہم سے ہمارا حق چھین کر لے گئے ہیں۔ شاید پیمبر کی فراست ہمیں بتاتی تھی کہ علم ہم سے اتنی دور پہنچ جائے گا جہاں چائے ہے، جہاں ہاورڈ ہے، جہاں لنڈن سکول آف اکنامکس ہے۔ اسی لیے رسول خدا نے فرمایا: "اگر ہمیں چین جا کے بھی اپنے علم کی دولت کو واپس لانا پڑے تو ہمیں ہرگز تامل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ قرآن سینے سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے صحرا میں خارشٹی اونٹ رسی تڑا کر نکل جاتا ہے جب ہم نے Pursuit چھوڑ دیا ہے تو علم ہمارے سینے سے ایسے بھاگ گیا ہے جیسے صحرا میں اونٹ رسی تڑا کے بھاگتا ہے۔ کیا ہم اپنا مال اور اپنا گم کردہ

اثاثہ واپس نہیں لائیں گے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے جب لفظ حرج آیا تو انہوں نے ایک یمنی کو بلایا اور فرمایا تم لوگ حرج کس کو کہتے ہو۔ جواب ملا اے امیر المؤمنین! جب کوئی کھانے والی جھاڑی بہت زیادہ ناقص جھاڑیوں میں ہو اور ہمارے ڈھور ڈنگر کی اس تک اپروچ نہ ہو سکے تو ہم اسے حرج کہتے ہیں۔ یقین کیجیے۔ ہمارے باطن بھی حرج کی طرح ہو گئے ہیں، ہم اپنی ناقص خواہشات، تعصبات اور علمی تناقضات کی خاردار جھاڑیوں میں اتنے الجھ گئے ہیں کہ عقل دل تک پہنچ نہیں سکتی، وہ ہمارے دل کو کھا نہیں سکتی، عقل کو دل مغلوب ہے، عقل کو دل مطلوب ہے، دل عقل کا رسیا ہے، یہ حیات کا مرکب ہے۔ اس کے اوپر چھ Receptors لگے ہوتے ہیں جو Brain کو سگنل دیتے ہیں مگر پہلا آثار قبولیت برین (Brain) نہیں دل ہوتا ہے۔ پھر اس کے بلائینڈ سگنلز دماغ تک جاتے ہیں۔ پھر Interpretation ہوتی ہے، پھر اس کی وضاحتیں برین دیتا ہے Its a very sophisticated computer مگر یہ کمپیوٹر پہلا impuls دل سے لیتا ہے اور

علم را برتن زنی مارے بود

علم را برجاں زنی یارے بود

پروردگار ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی Basic کلچرل اساس کو پلٹیں اور اسلامک کلچر میں تجسس، تحقیق اور علم کا جو مقام ہے، ہم اس تک اپنی رسائی حاصل کریں اور خداوند کریم ہمیں یہ توفیق بھی بخشے کہ ہم شناخت کے ان ذاتی مراحل سے آگے بڑھتے ہوئے، انفس و آفاق سے گزرتے ہوئے، اللہ کی اس آیت کے مصداق ہوں کہ ”وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝“ (آل عمران: آیت 139)

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

سوالات و جوابات

ذکر خدا سے روگردانی معاشی کمزوری کا سبب کیوں؟

سوال: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "جب کوئی ہمارے ذکر سے روگردانی کرتا ہے تو ہم اس کی معیشت تنگ کر دیتے ہیں۔ اس ذکر سے کیا مراد ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! یہ ایک سوال ہے کہ جب کوئی ہمارے ذکر سے روگردانی کرتا ہے تو ہم اس کی معیشت تنگ کر دیتے ہیں۔ یہاں ذکر سے کیا مراد ہے؟ اسی قسم کی ایک اور آیت بھی جو ہے کہ ہم نے ظالم قوموں کو اس وقت پکڑا جب وہ اپنی معیشت پر اتر رہے تھے بظاہر یہ لگتا ہے کہ یہ ایک قسم کی Contradiction ہے لیکن یہ ایک Historical fact ہے کہ جب قوموں نے غیر معمولی معاشی اور فزیکل پراگرس کی تو انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ اس اعلیٰ ترین دنیاوی معیار پر پہنچ گئے ہیں لیکن اللہ کہتا ہے ہم نے اس وقت ان کو پکڑ لیا۔ یہی بات شمرین اور کسیدینز قوم بابل کے ساتھ گزری یعنی جب وہ اپنی ترقی کی انتہا کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک دم سے ایسے پکڑا کہ ان کی معیشت کے وہ تمام فوائد کینسل ہو گئے اور وہ عذاب الہی کے گرفتار ہوئے۔ اب سوال یہ ہے کہ خداوند کریم یہ کہتا ہے کہ جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرتا ہے، ہم اس کی معیشت تنگ کر دیتے ہیں تو یہاں اگر آپ غور کریں تو ایک Responsibility کا تعین ہے اور Responsibility خدا کی یاد، خدا کی محبت اور خدا کی شناخت ہے۔ ایک وہ معاشرہ ہے جو خدا کے بغیر چلتا ہے اور معیشت کی ترقی حاصل کرتا ہے جیسے یورپ میں ہے اور دوسرا یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غریب لوگوں کی ناگفتہ بہ حالت کو دیکھا تو اس پر اظہار تاسف کیا بلکہ ایک کمزور روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ شدید گلہ بھی کیا کہ اے اللہ کفار کے گھر اور بازار اشیاء ما سے بھرے پڑے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے دو وقت کی روٹی بھی نہیں ہے تو خداوند کریم نے قرآن حکیم میں ایک آیت اتاری کہ اے پیغمبر ایک مصلحت مانع نہ ہو تو میں ان اہل کفر کے

درود یوار اور ان کی سیڑھیاں سونے چاندی کی کر دوں۔ لہذا بات یہ ہے کہ جو قوم خدا کے بغیر ترقی کرتی ہے وہ انڈر میکینیکل لاز اور یونیورسل لاز آگے بڑھتی ہے۔ ان کی صداقت، دیانت اور محنت کے ثمرات ان کو ترقی کی طرف لے جاتے ہیں مگر ساتھ ساتھ ان کے Declines بھی بڑھتے رہتے ہیں۔ جیسے ابھی آپ ویسٹرن نیشنز کو دیکھتے ہیں کہ وہ از حد محنت، خلوص اور Sense of responsibility سے آگے بڑھ رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے تمام Moral پہلو کمزور پڑتے جا رہے ہیں۔ سیکولرازم اور ڈیموکریسی کے دوسرے منفی نتائج بھی سامنے آرہے ہیں کہ پورے کا پورا مورل اور فیملی سسٹم ٹوٹتا جا رہا ہے اور رفتہ رفتہ زمان و مکاں میں جو Negative points ہیں، وہ اتنے بڑھتے جائیں گے کہ کسی کو یورپی تمدن کو توڑے کی ضرورت نہیں رہے گی اور جیسے ایک بہت بڑے یورپی Analyst کا کہنا ہے کہ تمام ویسٹرن سوسائٹی آخری مورون Attitude کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ان کی صلاحیتیں چونکہ صرف دنیاوی مقاصد تک محدود ہیں، اس لیے ان کے ذہن میں جلا اور ندرت نہیں آرہی ہے۔ اور ان کا معاشرہ زوال پر آمادہ ہے۔ مگر مسلمان جو اللہ کا بندہ ہے، اس پر نفاق اور نفرت دونوں چارج لگتے ہیں۔

لہذا اس آیت کے مطابق جو بھی اللہ کے ذکر سے روگردانی کرتا ہے تو اللہ اس کو اپنے نظام اور طریقے کے مطابق احساس دلاتا ہے اور یہ اللہ کا طریقہ اس کی معیشت کی کمزوری اور اس کے Losses بھی ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی صورتوں میں اپنے بندے کو جو اچھی بھلی زندگی گزار رہا ہوتا ہے، اسے مختلف حادثات سے دوچار کرتا ہے تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرے، ورنہ از خود شاید انسان میں یہ صلاحیت نہیں رہ جاتی کہ وہ اپنے مزاج، بری عادت یا بری خصلت سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ اس بری خصلت اور عادت سے نجات پانے کے لئے ایک ٹراما یا حادثہ کی ضرورت پڑتی ہے تو ذکر سے روگردانی اللہ کی یاد سے روگردانی بلکہ اس کمیٹنٹ سے روگردانی ہے جو مسلمان نے اللہ سے لا اِلهَ اِلَّا اللّٰهُ کی صورت میں کیا ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ شخص جو خدا سے غافل ہوتا ہے اس کا ذہن اللہ سے سکون اور طمانیت پارہا ہوتا ہے۔ جب وہ اللہ

سے غافل نہیں ہوتا ہے تو قرآن حکیم میں اللہ میاں نے کہا ” وَ مَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نَقِضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ “ (الزخرف: آیت 36) کہ جب وہ رحمن کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو ہم اس پہ ایک شیطان کو غلبہ دے دیتے ہیں جو اس کے قریب رہتا ہے اور اسے اپنے ساتھ دوڑائے رکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی شہوات اور خواہشات کے غلبے میں ایسی فاش غلطیاں کرتا ہے جو اسے بڑے بڑے نقصانات کی طرف لے جاتی ہیں۔ جیسے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ”بخیل ساری عمر پیسہ روکتا ہے، بچتیں کرتا ہے مگر عمر آخر میں اس سے کوئی ایسی بڑی غلطی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے مال سے محروم کر دیا جاتا ہے“ لہذا یہاں وہ مسلمان مراد ہے جس نے سب کچھ اللہ کے فضل، کرم اور اس کی عطا کردہ نعمتوں سے حاصل کیا مگر وہ اللہ کا شکر گزار ہونے کے بجائے اللہ سے روگردانی کر گیا۔ پھر خدا کا اس پہ زیادہ حق بنتا ہے کہ اسے ان نعمتوں اور فراخیوں سے محروم کر دے۔

اسلامی ثقافت کے فروغ کی اساسی ضرورتیں!

سوال: اسلامی ثقافت کے فروغ کے سلسلے میں انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی سطح پر کن اقدامات کی ضرورت ہے؟

جواب: میں آپ کو اس سوال کا جواب دے دیتا ہوں۔ آپ نے کہا اسلامی ثقافت کے فروغ کے سلسلے میں کن اقدامات کی ضرورت ہے۔ دراصل اقدامات کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ Basically پوری قوم کو اپنی اپروچ بدلنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہم کسی قسم کا تاثر یورپی اقوام پر نہیں چھوڑتے۔ ہم میں سے جو بہترین اور بڑا پڑھا لکھا ہوتا ہے۔ اس کا تشخص بحیثیت ایک مسلمان نہیں ابھرتا۔ بلکہ بحیثیت ایک Intelligent یگ آدمی ابھرتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ وہ اسلام کو Present کر رہا ہوتا ہے۔ For Example یورپ میں جا کہ ہمیں اپنی Values چیلنج کرنی پڑتی ہیں مگر ویلیوز کی تبدیلی کے ساتھ ہماری شخصیت کوئی ایسا تاثر پیش نہیں کرتی جس سے ان کو احساس ہو کہ ہم Honest، کلین اور باکردار ہیں۔ اور ساتھ ساتھ ہم مسلمان بھی ہیں۔ میں ایک چھوٹی سی مثال آپ کو دیتا ہوں کہ نہایت بڑی اچھی لیڈی ڈاکٹر نے

مجھ سے امریکہ میں ایک Question پوچھا کہ اللہ نے پردے کا کتنا حکم دیا ہے، تو میں نے کہا خاتون آپ مت پوچھو! نہیں نہیں یہاں میرا معاشرہ بڑا اچھا ہے۔ لوگ مجھے جانتے ہیں۔ کوئی میری طرف دیکھتا بھی نہیں۔

She was about 40 years old.

اس نے کہا کہ اگر وہ یہاں سر پہ پردہ نہ کرے تو کوئی حرج تو نہیں ہے۔ تو میں نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے نہ کرو مگر پوچھو نہیں کیونکہ جب تم یہ پوچھو گی کہ خدا کیا چاہتا ہے اور پھر اگر تم اس پر عمل نہیں کرو گی تو تم پر Ignorance نہیں رہے گی، علم ہو جانے کے بعد اگر تم عمل نہیں کرو گی تو پھر تم پر ذمہ داری اور طرح کی ہو گی مگر میں نے اسے ایک بات کہی کہ یہ ٹھیک ہے کہ تم شریف عورت ہو، یہ ٹھیک ہے کہ تمہارے ارد گرد شریف لوگ بستے ہیں، یہ ٹھیک ہے کہ یہ کیونٹی تم پر کسی قسم کا دباؤ نہیں رکھتی، تم محفوظ ہو لیکن اگر میں دور سے تمہیں اور چند دوسری عورتوں کو دیکھ رہا ہوں گا تو میں کبھی بھی یقین نہیں کر سکتا کہ تم مسلمان عورت ہو کیونکہ شکل و شبہت اور رنگ و رخسار سے یہ پتا نہیں لگے گا کہ تم مسلمان ہو البتہ اگر وہ Necessary Precautions تم نے لی ہوں جنہیں قرآن حکیم نے وضاحت سے لکھا ہے تو یقیناً تمہاری ایک مخصوص شناخت اور منفرد پہچان ہو گی اور تم ظاہری اعتبار سے ایک مسلمان عورت کو Represent کرو گی۔

گلوبل ویلج میں انسان شتر بے مہار کیوں؟

سوال: سر! آپ نے اپنے لیکچر میں تقلید کی ممانعت کی طرف اشارہ فرمایا کہ اب گلوبل ویلج کے اندر کسی ایک مکتبہ فکر میں اپنے آپ کو پابند نہیں کرنا چاہیے۔ ایسے حالات میں جبکہ اکثر لوگ کما حقہ اسلامی علوم سے آگاہ نہیں ہیں۔ تو ان کو بے مہار کس طرح چھوڑا جاسکتا ہے؟

جواب: حضرات گرامی! ایک تو یہ سوال ماشاء اللہ تعالیٰ العزیز خود ہی بہت بڑا جواب لگتا ہے۔ جی ہاں! یہ دیکھئے آپ نے صرف ایک جملہ سوال میں لکھا ہے کہ اپنی پسند کا مسئلہ مل جائے تو لے لے اور اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گزارے تو کیا بگاڑ پیدا نہ ہوگا مگر سوال یہ ہے کہ یہ جو

چار آئمہ ہیں۔ انہوں نے جو ہمیں مسائل کے حل دیئے ہیں۔ یہ قرآن و حدیث کے ریفرنس سے دیئے ہیں۔ اب میں ایک مسئلے پہ تھوڑی سی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ Basically مجھے امام اعظم بہت پسند ہیں۔ وائیڈر Intellect ہے۔ بہت اعلیٰ ذہین ہیں۔ بڑی فراست ہے۔ مسائل کا ادراک بہت اچھا ہے اور ماشاء اللہ و تعالیٰ آج کے زمانے میں بھی جدید ترین مفکر لگتے ہیں مگر اس کیساتھ ساتھ آپ نے طلاق کے مسئلے کو فائل قرار دیا۔ تین طلاق کے مسئلے کو فائل قرار دیا۔ حنفی ہونے کے باوجود میں ان سے اتفاق نہیں کر سکتا، کیوں نہیں کر سکتا اس لئے کہ لوگوں کے پاس مسائل کا علم نہیں ہے۔ عائلی زندگیاں پہلے ہی بہت برباد ہو چکی ہیں۔ اب ہمارے پاس انکو کسی بھی قسم کی رعایت دینے کی گنجائش ہو اور رعایت بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ وہ ایک حدیث جو بہت عجیب فقہی مسئلہ پیدا کرتی ہے۔ ابن صحبہ ابن عباس کے پاس گئے اور ایک سوال پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تین طلاق ایک نہ سمجھی جاتی تھی۔ فرمایا ہاں ایسا ہی تھا۔ پھر ابن صحبہ نے پوچھا کیا سیدنا ابو بکر صدیق کے زمانے میں تین طلاق ایک نہ سمجھی جاتی تھی۔ فرمایا ہاں ایسا ہی تھا۔ پھر فرمایا کیا سیدنا عمر بن خطابؓ کے زمانے میں، تین طلاق ایک نہ سمجھی جاتی تھی۔ فرمایا ہاں ایسا ہی تھا۔ لیکن جب لوگ کثرت سے طلاق دینا شروع ہو گئے۔ تو عمر بن خطابؓ نے تین طلاقوں کو آخری قرار دیا۔ اب یہ پورے مسئلے پہ اپروچ ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اس وقت اس مسئلے کو اٹھایا، جب فوجیں ممالک مہروسہ میں کثرت سے داخل ہو رہی تھیں، اور کثرت سے لونڈیاں مسلمانوں کے ممالک میں آرہی تھیں۔ اس وقت سیکس لائف جو عربوں کا بہت بڑا Obsession تھا اور لوگ بات بات پہ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے۔ اور جب ادھر سے کچھ خواہشات پوری ہو جاتیں تو پھر اپنی بیویوں سے مصالحت کے لئے پلٹتے تھے۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے جب یہ معاملات دیکھے تو کہا میں اس طرح تمہیں نہیں کرنے دوں گا۔ اس طرح تم نے طلاق کو مذاق بنا لیا اور تین طلاقوں کو انہوں نے فائل قرار دیا۔ حضرت ابو حنیفہ کے زمانے میں Exactly Socio Condition ہی جاری تھیں اس لئے جب ان تک مسئلہ آیا تو انہوں نے بھی اسی کو فائل قرار دیا مگر جب آج کے زمانے میں ہم دیکھتے ہیں تو

Religious شعور کسی مسلمان میں باقی نہیں ہے کہ وہ اپنی کیفیت کا فوری Analysis کر سکے۔ اس کے پاس یہ بھی علم نہیں ہے کہ اگر میں تین مرتبہ کہہ دوں تو کیا ہوتا ہے۔ اب باقی تین آئمہ جو ہیں وہ حسب دستور Opinion دیتے ہیں کہ ایک وقت کہی گئی کتنی بھی طلاق ہوگی ایک سمجھی جائے گی۔ اب آپ فرض کیجیے آپ اہلسنت والجماعت ہیں اور جب بھی آپ بات کرتے ہیں کہ جی ہمارے چار آئمہ ہیں مگر Prejudice کا یہ عالم ہے کہ آپ اس سلسلے میں کبھی دوسری گنجائش قبول نہیں کرتے تو میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ کو جو رعایت ملے گی، وہ بھی مذہب سے ملے گی۔ میری خواہش سے نہیں ملے گی۔ آپ نے یہاں جملہ لکھا ہے کہ جہاں اپنی پسند کا مسئلہ مل جائے، وہ اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گزارے گا۔ یقیناً اگر مجھے میرے ہی کسی مذہبی شعور سے ایک ایسا حل مل جائے جس میں، میں انتہائی پیچیدگی میں Involved ہوں تو یقیناً میں ایسا ہی کروں گا۔ اب ذرا ایک اور مسئلے کو دیکھئے چونکہ یہ بہت Important بات ہے جو انہوں نے پوچھی ہے۔ اب میں آپ کو ایک بات بتاؤں کہ کتاب الہدیٰ نکاح پہ کھلتی ہے اور پہلا اس کا جملہ ہے کہ ولی کے بغیر نکاح جائز ہے۔ یہ کتاب الہدیٰ کا پہلا Sentence باب نکاح کا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح جائز ہے۔ اب ہم دوسرے اساتذہ کی آراء دیکھتے ہیں۔ ابن کثیر نے Statement دی ہے کہ ولی کے بغیر نکاح زنا ہے۔ جب آپ یہاں دیکھتے ہیں تو آپ کا دل کہتا ہے کہ ابوحنیفہ صحیح کہتے ہیں، اس لیے کہ جوں جوں معیشت اور معاشرت آگے بڑھ رہی ہے، لڑکوں کی ایجوکیشن کم ہو رہی ہے۔ لڑکیاں بے حد خلوص سے محنت کر رہی ہیں، پڑھ رہی ہیں، پی ایچ ڈی کر رہی ہیں، ایم اے کر رہی ہیں۔ اب ان کے ولی ایک ایم اے پاس لڑکی کو یا گلی ڈنڈا کھیلنے والے ایک لڑکے یا مزدور کے ساتھ بیاہ دینا چاہتے ہیں۔ لڑکی روایت سے مجبور ہے۔ جبراً قہراً وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ وہ اپنے خیال میں ایک معقول آدمی کو چنتی ہے جو اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اس کی ذمہ داری اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ آدمی بھی تیار ہے۔ یہاں اولیاء نہیں مانتے، وہاں وہ نہیں مانتی۔ گواہی صورت میں تمام تر choices اللہ نے لڑکی کو دے دی ہیں۔ ابوحنیفہ نے استنباط کیا کہ خدا کہیں بھی اپنی کتاب حکیم میں اولیاء کو خطاب

نہیں کرتا۔ بلکہ جہاں بھی بات کرتا ہے، ڈائریکٹ عورت سے کرتا ہے۔ یہاں ہمیں ابوحنیفہ اس دور کے مسائل کے لحاظ سے بہترین لگتے ہیں۔ آج کے دور کے مسائل کا حل یہی لگتا ہے کہ اگر ایک خاتون اور ایک مرد **Sensible** ہوں ایک **Age** کا تعین ہو، ایک دوسرے کے لئے مددگار ہوں۔ لہذا اگر وہ چاہیں تو اپنے انتخابات کی حمایت میں ان انتخابات کو رد کر سکتے ہیں جو زبردستی ان پہ ٹھونے جاتے ہیں۔ مگر ان کے حل کے لئے قرآن فیصل ہے۔ تمام فقہ قرآن کی اس ایک آیت کی تفسیر ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے۔ ”ظہ ما انزلنا علیک القرآن لتشقی“ (سورۃ طہ: آیت 1) کہ ”ہم نے قرآن کو مشقت کے لئے نہیں اتارا“ اب جو فقیہ قرآنی **Senses** کو شعوری طور پر انسانوں کے لئے سہل بنائے گا، وہ بڑا فقیہ ہے۔ اس زمانے میں ابوحنیفہ کی مقبولیت کا ایک راز یہ تھا کہ اس نے قرآن کو لوگوں کے لئے سہل بنایا۔ اس کی مثال سن لیجئے۔ ایک آدمی سیڑھی پہ چڑھا ہوا تھا۔ نیچے اس کی بیوی کھڑی تھی۔ اس کو طیش آ گیا۔ مردوں کے طیش کا کیا کہنا۔ اس نے کہا کہ اگر میں سیڑھی سے ایک قدم نیچے آؤں تو تجھے طلاق ہو۔ مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد اسے یہ خیال آیا کہ وہ کیا کہہ بیٹھا ہے۔

اب وہ سیڑھی پہ ٹنگے ہوئے ہیں۔ بیوی نیچے غل مچا رہی ہے۔ یا اللہ یہ کیا کیا اس نے اب نیچے اترتا ہے تو طلاق ہے اور اوپر وہ جا نہیں سکتا، کہاں تک جائے گا۔ ابوسفیان سوری کے پاس یہ مسئلہ چلا گیا۔ آپ آئے، دیکھا، کہا، طلاق مطلق ہوگئی، کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے کہ طلاق بچ سکے۔ لوگ پھر بھاگے بھاگے ابوحنیفہ کے پاس گئے انھوں نے فرمایا مجھے وہاں لے چلو۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے اس شخص سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا تھا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ اس نے کہا تھا کہ اگر وہ سیڑھی سے نیچے اترے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو۔ انھوں نے کہا اچھا ایسا کرو کہ ایک سیڑھی اور لے آؤ، وہ اس سیڑھی کے برابر میں رکھو اور اس سے کہو کہ اس سیڑھی سے بالکل سیدھا دوسری سیڑھی پہ آ کے نیچے اتر آئے۔ اس طرح **condition** ختم ہوگئی۔ یہ عیاری نہیں ہے۔ آپ کے نزدیک شاید یہ عیاری ہو اور ایک **rigid** مولوی بھی کہے گا کہ ادھر سے یا ادھر سے آؤ، طلاق ہوگئی ہے۔ مگر ابوحنیفہ نے معاملے کو بچا لیا۔ کیوں بچا لیا کہیں ایسا تو نہیں قرآن ان باتوں کو

ہوا دیتا ہے۔ آئیے دیکھئے قرآن کیا کہتا ہے۔ ایوب نے قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کو سوڈروں سے مارے گا لیکن بعد میں افسوس ہوا کہ اس دنیا میں اگر کسی نے میری خدمت کی ہے، مجھ سے محبت کی ہے تو وہ میری بیوی ہے۔ اور قسم بھی پوری کرنی ہے تو اللہ نے کہا، ایوب ایسا کر کہ سوتکے لے اور ان کو ایک جگہ باندھ اور آہستہ سے ایک دفعہ بیوی کو مار لے قسم پوری ہو جائیگی۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ پوری ہو جائیگی۔ ماشا اللہ، اللہ نے جب اپنی پسند کا مسئلہ ٹھیک کرنا چاہا تو کتنی آسانی سے کر دیا اصل میں بات یہ ہے کہ قانون انسان کی فلاح، بہتری اور نرمی کیلئے ہوتا ہے۔ رب کعبہ کی قسم ہے کہ آپ غلط سمجھتے ہیں کہ قانون سزا کیلئے ہے۔ قانون آپ کو سیف ایریا سے ڈینجرس ایریا کی طرف جانے سے روکتا ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ گناہ و ثواب اللہ پر اثر رکھتے ہیں تو قطعاً نہیں رکھتے۔ آپ بار بار قرآن پڑھ جائیں آپ اللہ کو دیکھئے نا کہ تمہاری نیکیوں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں بھئی ہم سوچتے ہیں۔ یا اللہ میری نیکی کا تجھ پہ کوئی اثر نہیں تو پھر میں جھک مار رہا ہوں ہر کسی کو خوش کر رہا ہوں۔ کہتا ہے تمہاری نیکی تمہارے لئے تمہاری برائی تمہارے لئے ہے۔ تو پھر اللہ نے ہم سے کیا لینا ہے۔ کیا آپ کو عجیب نہیں لگتا کہ میری نیکی میرے لئے، میری برائی میرے لئے تو پھر اللہ نے تخلیق انسان سے کیا مقصد حاصل کرنا ہے۔ درحقیقت وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ گناہ و ثواب effects ہیں۔ میں نے تمہیں ایک ایریا دیدیا جسے آپ ثواب کہتے ہیں یہ safe area ہے۔ اس سیف ایریا کے باہر بتیاں لگی ہوئی ہیں۔ اپنی ٹاف لگے ہوئے ہیں۔ ادھر لگا ہوا ہے زنا، ادھر چوری کہ دیکھو بھائیو! اگر اس ایریا سے باہر نکلو گے تو خطرات میں چلے جاؤ گے۔ تم اس بھیڑ کی طرح ہو جو ریوڑ کے کنارے چلتی ہے اور شیطان کسی وقت اسے اچک کے لے جائے گا۔ یہ ایریا Safe ہے اور اگر خدا نخواستہ اس Safe area سے تم نکل کر گناہ اور خطرے کے ایریا میں چلے جاؤ تو ایک بڑی پرانی اساطیر الا اولین میں Prometheus کی میتھ ہے، Sphinx کی میتھ، Labyrinth کی میتھ ہے کہ جوان بھول بھلیوں میں داخل ہوا، کھو گیا کیوں کہ وہ واپس نہیں آسکتا تھا۔ ہیرو جب جانے لگتا ہے تو چھوٹی سی لڑکی اسے کہتی ہے کہ یہ دھاگہ ساتھ لے جاؤ اور اس دھاگے کو شروع میں کہیں باندھ جانا۔ جب تم دیکھو کہ رستہ بھول گئے

ہو تو دھاگہ لپیٹنا شروع کر دینا۔ تمہیں راستہ ملتا رہے گا اور بالآخر تم Labyrinth سے باہر آ جاؤ گے آخر کار ایسے ہی ہوا کہ وہ بخیر و عافیت Maze سے باہر آ گیا۔ خداوند کریم بھی یہی کہتا ہے کہ بھئی اگر تم سیف ایریا سے باہر نکل کر گناہوں کے ایریا میں چلے گئے ہو تو توبہ اور عنایت کا دھاگہ ساتھ رکھنا کہ تم خطرے سے نجات حاصل کر سکو۔ جیسے اقبال نے مسلمانوں کے بارے میں کہا ہے کہ یہ وہ فضول قوم ہے کہ جب یہ جوان ہوتی ہے تو بہت دور نکل جاتی ہے۔ بڑے بڑے سٹنٹ کرتی ہے، بڑی بڑی بغاوتیں ریکارڈ کرتی ہے۔ ابا کے خلاف، اماں کے خلاف، اللہ کے خلاف، حکومت کے خلاف، کوئی جرات رندانہ میں پڑا ہوا ہے۔ ہر کوئی کسی نہ کسی مصروف ہے لیکن جب شام پڑتی ہے اور خوف کے سائے لہے ہوئے، حزن و ملال گہرے ہوئے، چستیاں چلاکیاں دور رفتہ کی یادگار ہوئیں۔ اب حضرت نے پلٹنا چاہا تو اقبال اس کی مثال دیتا ہے کہ

چو آں مرغی کہ در صحرا سر شام

کشاید پر بہ فکر آشیانہ

کہ اس پرندے کی طرح جو صحراؤں میں بہت دور نکل جاتا ہے لیکن جب شام ہوتی ہے تو پھر وہ اپنے گھونسلے کی فکر کرتا ہے۔ اس طرح مسلمان کا عالم ہے کہ زور جبر میں بہت دور نکل جاتا ہے۔ کبھی Dogmatic بنتا ہے کبھی Skeptic بنا ہوا ہے کبھی سوشلسٹ کیمونسٹ بنا ہوا ہے مگر جب شام پڑتی ہے اور عذاب و ثواب کے سائے لہرانے شروع ہوتے ہیں پھر اللہ کی اور گنبد خضریٰ کی یاد آتی ہے۔ پھر اللہ کا خوف آنا شروع ہوتا ہے۔ پھر مصیٰ اور لوٹا ہاتھ میں آ جاتا ہے۔ اگرچہ کافی وقت گزر گیا ہوتا ہے۔

خواتین و حضرات! میں قطعاً یہ نہیں کہتا کہ آپ اپنی خواہشات سے مسائل کو حل کریں۔ میں کہتا ہوں کہ ان آئمہ اور فقہانے جنہوں نے بڑے غور و حوض کے بعد they were specialists in the law of Islam اگر انہوں نے آپ کے لئے کچھ گنجائش پیدا کی ہیں تو آج کے دور کی معیشت اور معاشرت آج کی تعداد یہ تقاضا کرتی ہے کہ جہاں سے بھی ہمیں آسانی سے ملے، ہم اللہ کے شکر کے طور پر قبول کریں۔ اب ایک شخص ہے جو

سفر میں پوری نماز پڑھتا ہے۔ اور ایک شخص اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور قصر پڑھتا ہے، آپ کا کیا خیال ہے اللہ شکر کرنے والے کو قبول کرے گا یا اس متکبر کو قبول کرے گا جو اللہ ہی سے رعایت نہیں لیتا۔ یہ سوچنا پڑتا ہے۔

دور جدید میں اسلامی کلچر کا مسخ شدہ چہرہ!

سوال: آپ نے دور جدید میں اسلامی کلچر کے نہ ہونے کی بہت سی وجوہات بیان کی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ prevailing system کا قصور ہے۔ اگر ایسا ہے تو اسلامی کلچر کے اس سسٹم کو صحیح کرنے کے لئے نقطہ آغاز کیا ہوگا؟

جواب: یہ بھی سوال اچھا ہے۔ میرے اپنے خیال میں سب سے مظلوم فلسفہ جو دور حاضر میں جا رہا ہے، وہ اسلام ہے اور اس کی main وجہ یہ ہے کہ تمام سسٹم پورے پورے وارد ہوتے ہیں۔ صرف اسلام ایک ایسا سسٹم ہے جو ہمیشہ بائی پارٹس آتا ہے۔ ایک ایک کر کے اب آپ دیکھئے سوشلزم، کیمونزم پورا پورا آیا۔ سیکولرزم پورا پورا آیا مگر اسلام کی Tragedy یہ ہے کہ ایک اصول لیا اس کو آپ نے قانون بنا لیا۔ اب وہ قانون جو ہے، وہ متحارب قوانین کے جم گٹھے میں ہے۔ جیسے کوئی شیر جو افریقن بدنسل کتوں کے چنگل میں آ گیا تو وہ شیر کو بھی چیر پھاڑ دیتے ہیں۔ ایک اسلامی قانون جو ہے، ایک Hundred of secular laws میں چلا جاتا ہے اور پھر ہمیں کہا جاتا ہے کہ دیکھو ہم نے اسلام عائد کیا تھا، کامیاب نہیں ہوا۔ دوسری طرف اگر آپ دیکھئے تو اسلامی قوانین کے نافذ کرنے والے اور اس کو آگے بڑھانے والے ہیں۔ وہ اتنے rigid ہیں کہ سیکولرزم انکے خلاف بڑی نفاست سے پراپیگنڈہ کرتا چلا جاتا ہے۔ کہ اگر ان مسلمانوں نے آنا ہے تو ہم ان سے بہتر نہیں ہیں اگر ان لوگوں نے آپ کو اسلام دینا ہے تو ہم اس سے بہتر نہیں دے سکتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اسلام اس بدنصیب مسلک کی طرح ہے جس کو کسی زمانے میں کوئی Proper Justified Atmosphere نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے سختی ممانعت کی ہے۔ فرمایا۔ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً“

(البقرہ: 208) کہ اے لوگو! اگر اسلام میں داخل ہونا ہے تو پورے پورے ہو جاؤ۔ by parts اسلام نہ لاؤ۔ by parts دنیا کا کوئی سسٹم نہیں چل سکتا۔ فی سلم کافیہ کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک سسٹم ہے، اس میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ جب آپ religion کو جائیں گے تو تمام Anti religion systems شیطان کے ہونگے۔ یہ آیت نشاندہی کر رہی ہے کہ جب آپ اسلام کو جائیں گے تو تمام Anti Islamic Systems شیطان ہیں۔ سیکولرازم ہو یا ڈیموکریسی ہو، کوئی چیز بھی ہو، وہ شیطان سسٹم ہے۔ مگر کیسے؟ وہ اس لئے شیطان سسٹم ہے کہ ایک تو اپنی افادیت کو ثابت کر رہے ہیں اور دوسرے آپ کے singular law کو failure ثابت کر رہے ہیں۔ یہ اللہ کے قانون کے ساتھ انصافی ہے۔ اسلام ایک اعلیٰ ترین ویلیو کی حیثیت کا religion ہے۔ آپ اسے لائیے، اسے exercise کیجئے۔ اس کے بعد اگر وہ فیل ہو جائے تو اسے for-ever ترک کر دو۔ میں آپ کو بتاؤں، اسلام کے حوالے سے مجرم کے ہاتھ کاٹنے پہ بڑا اعتراض ہے۔ سزاؤں کے متعلق بہت شور ہے لیکن یورپ میں مجرموں کی اصلاح کے لئے جیلوں کے اندر Psychiatric House بنا دیتے ہیں۔ اصلاح ہو رہی ہے۔ جواز مہیا کئے جا رہے ہیں۔

پچیس سال کے بعد موت کی سزا معطل کر دی گئی ہے۔ جسے مفکرین نے ظالمانہ اقدام قرار دیا تھا اور بد قسمتی سے کہا جاتا ہے کہ یہ اسلامی سزائیں ظالمانہ ہیں۔ انسان کو کہا گیا ہے، سوچو، غور کرو اور اپنی اصلاح کرو اپنے اعمال کو درست کرو۔ انہوں نے سسٹم دیئے لیکن پچیس سال کے بعد ultimately نیویارک کے کونسل آف میگز نے دوبارہ موت کی سزا نافذ کر دی۔ وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ انہوں نے اس عرصے میں جتنے بھی سسٹم موت کی سزا کے خلاف کئے تھے یا جتنے بھی Humanitarian concepts، متعارف کرائے تھے وہ ورک نہیں کرتے۔ قتل و غارت بڑھ گئی۔ ظلم و ستم بڑھ گیا اور اس معاشرے میں ظلم و ستم چوری چکاری اور ظلم اتنا ہے کہ جب میں سڑک پہ جا رہا ہوتا تھا تو ہر کوئی پیچھے دیکھ رہا ہوتا تھا۔ مجھے بھی پیچھے دیکھنے کی عادت پڑ گئی۔ پھر میں نے اس Analysis کیا کہ باقی بھی پیچھے دیکھ رہے ہیں۔ میں نے

سوچا باقی کیوں پیچھے دیکھ رہے ہیں تو پتالگا ہر وقت ہر کسی کو چھری چاقو کا ڈر ہے یعنی اس معاشرے میں اس قدر خوف ہے کہ سڑک پر خوف اور وحشت کے بغیر چلنا دشوار ہے۔

They had no other option, so they introduced the death penalty again

ہم یورپ کے دانشوروں کو کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے کہ آپ ایک Human attitude رکھتے ہو۔ ہمیں بتاؤ کہ تم نے capital punishment کے خلاف کیا کیا، کیا دریافت کیا اور کیا حل نکالا؟ جب تم نے خود ہی اپنے نافذ کردہ قوانین سے اپنے معاشرے کے جرائم پر قابو نہ پایا۔ اس وقت دنیا میں سب سے بڑا Crime Rate نیویارک میں ہے۔ اتنی بڑی سیکولر ڈیموکریسی، اتنا ہیومیٹیرین attitude کہ ایک چوہے کو بھوکا مرنے نہیں دیتے لیکن ان کے ہاں دنیا بھر کا سب سے زیادہ کرائم ریٹ ہے۔ اتنے زیادہ کرائم ریٹ کے باوجود ہیومیٹیرین! چونکہ اس معاشرے میں ایک مکمل سسٹم ہے اس لئے کہیں نہ کہیں اس سسٹم کی خوبیاں بھی موجود ہیں اور اس کی خوبیاں اس کی برائیوں کو کھا جاتی ہیں۔ آپ نے قرآن نہیں پڑھا۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جب کوئی برا کام کرو تو ساتھ اچھا کام کرو۔ تیری اچھائی تیری برائی کو سمیٹ لے گی تو ان کے سسٹم میں انصاف، برداشت اور برابری ایسی خوبیاں ہیں جو بڑے سے بڑے کرائم کو کھا جاتی ہیں۔ آپ اسلام کا ایک قانون لاتے ہیں لیکن باقی ارد گرد کے Supportive Laws اسے ناکام کر دیتے ہیں۔ وہ ایک یتیم کی طرح بے چارگی میں ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا ہے۔ پھر خود ہی اسلامی قانون کہتا ہے کہ میں ناکام ہوا۔ میری جان چھوڑ دو اور میری جگہ کوئی سیکولر قانون لے آؤ۔

This is the reason of the fault.

رسالت اور علمیت

خواتین و حضرات! فیصل آباد متعدد بار آنا ہوا اور یہاں آنا میرے لیے بہت آسان ہوتا ہے، ادھر کسی نے بلایا اور میں حاضر ہو گیا۔ بعض اوقات لگتا ہے کہ شاید میں یہاں آنے کا انتظار کر رہا ہوتا ہوں۔ یہ صورت حال کسی اور شہر میں واقع نہیں ہوئی تھی اور ہمیشہ لوگوں کو یہ گلہ رہتا ہے کہ بار بار بلانے کے باوجود ہم انہیں ٹال دیتے ہیں۔ exactly آپ یقین جانئے کہ مجھے اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ مجھے میرے اور فیصل آباد کے درمیان زمان و مکان کا کوئی بُعد کیوں نہیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں آپ نے ایک بار پھر مجھے دعوت دی اور آپ کی مہمان نوازی کا مجھے شرف حاصل ہوا۔ سنانا، کھلانے کے برابر ہے اور سننا مہمان ہونے کے برابر ہے اور آپ جس ہمت سے مجھے سنیں گے اس کی داد میں پہلے سے آپ کو دے دیتا ہوں۔

خواتین و حضرات! آسمانوں اور زمینوں میں بہت بڑا بنیادی فرق ہے۔ آسمانوں پہ ترقی اور تنزل کے مدارج اور ہیں۔ زمین پہ ترقی اور تنزل کے مدارج اور ہیں۔ آسمانوں پر عزت، افتخار، ترقی، عظمت اور محبوبیت علمیت سے ہے۔ زمین پر اقتدار سیاست سے ہے۔ یہ ایک بہت بڑا فرق ہے جو زمین و آسمان کے مابین ہے۔ اگر زمین پر چلیں تو ہلا کو ممتاز و منفرد ہیں لیکن آسمانوں پر ان کی کوئی گنجائش نہیں۔ آسمانوں پر جبرائیل و میکائیل جیسے لوگ منفرد و ممتاز ہیں۔ پروردگار عالم نے فرمایا کہ ان کے نزدیک اقدار میں سب سے بڑی قدر، عزتوں میں سب سے بڑی عزت اور فضیلتوں میں سب سے بڑی فضیلت علم ہے ”لَرَفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ تَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي

عِلْمِ عَلِيمٍ“ (یوسف: آیت 76) ہم زمین و آسماں میں درجات علم مقرر کرتے ہیں اور جس کے درجات چاہتے ہیں بڑھاتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔

خواتین و حضرات! زمین پر حکومتیں اور اقتدار services کا انتخاب کرتا ہے اور آسمان پر ان منازل کا انتخاب اللہ کرتا ہے۔ زمین پر اگر Civil services ہیں اور ان کے چناؤ کے معیار ٹیسٹ سے وفاداری ہے، مخلوق کے کاموں کو سرانجام دینا ہے، ذہانت اور موقع شناسی ہے تو آسمانوں پر selection کا سب سے بڑا اصول علمیت ہے۔

”لِمَا تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ“ (القصف: آیت 20) کہ جب کسی بڑے استاد یا کسی پیغمبر کریم یا اللہ کے کسی ایسے بندے کو چنا جاتا ہے جس کا منصب تعلیم دینا، تلقین کرنا اور پیام پہنچانا ہے یا رسالت عطا کی جاتی ہے تو اس کے لئے جو شرط رکھی جاتی ہے وہ اس کے کردار اور علم میں ہم آہنگی اور توازن ہوتا ہے۔ کسی پیغمبر میں قول و فعل و فکر کا تضاد نہیں ہوتا۔ یہی وہ کمال یا تخصص اور ہم آہنگی ہے جو ہمیشہ کسی بھی پیغمبر کو دوسرے انسانوں سے ممتاز اور منفرد کرتی ہے۔ خواتین و حضرات! زمین پر ہر پیغمبر اپنے معاشرے کا ذہین ترین انسان ہوتا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ بہت سارے لوگ پیغمبروں کی ذہانتوں کے قائل ہونے کی بجائے ان کے معجزات اور رسالت کے قائل ہوتے ہیں۔

خواتین و حضرات! پیمانہ قدر رسالت ضرور ہے مگر اصل پیمانہ جس کی وجہ سے پیغمبر چنا جاتا ہے، خلاقیت کا حامل ایک ایسا ذہن ہوتا ہے جو ہر چیز سے پہلے اپنی ترجیحات فکر کا تعین کرتا ہے، وہ ایک ایسا عالم اور دانشور ہوتا ہے جو اگر پیغمبر نہ بھی ہو تو اپنے معاشرے کا ذہین ترین انسان ہوتا ہے۔

خواتین و حضرات! ایک فرد کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اپنے زمانے کے رسم و رواج کے خلاف بغاوت کرے، اس شخص کو اور کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اتنا بڑا خطرہ مول لے، وہ اپنی زندگی کو کیوں ایک ایسے سانچے میں ڈھال دے جس سے اسے معاشرے کی دشمنی کا سامنا ہو، جس سے مخالفتوں کے دروازے کھل جاتے ہوں، جس سے اسے طعن و تشنیع کے زہر آلود تیر سہنا پڑتے

ہوں، جس سے اس کی زندگی اک مسلسل اذیت بن جاتی ہو، جس سے اس کے لئے درود یوار سے پتھر برستے ہوں اور جس سے اسے راستے میں بکھرے نفرت کے کانٹوں پر مسلسل گھیٹا جائے۔ اس شخص کو اتنا بڑا claim کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس شخص کو ایسی انفرادیت قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے جس کے نتیجے میں اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جائے۔ مگر خواتین و حضرات! ان لوگوں کا شمار ان ذہین و فطین لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں خدا اگر اس زمین پر رسالت سے ممتاز نہ بھی کرے تو یہ وقت سے پہلے اپنے معاشرے کے بہت بڑے نقاد ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے معاشرے کے تمام رسم و رواج کو پرکھا ہوتا ہے۔ ان کی ذہانتوں نے کسی بھی معاشرے کے دجل و فریب کو اچھی طرح جانچا ہوتا ہے۔ اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام نے فراعنہ مصر کے تہرور اور انا کو بہت پہلے سے دیکھا ہوا تھا تو عیسیٰ نے ان tax collective یہودیوں کی ایک ایک حرکت کو اپنے ذہن میں رکھا ہوا تھا اور آقائے رسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب معاشرے کو جہل پایا اور اس کی تاریکیوں سے بہت اچھی طرح آگاہ تھے۔

خواتین و حضرات! ہر پیغمبر کا ایک دائرہ عمل ہوتا ہے۔ ”تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا

بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ“ (البقرہ: 253)

ایک پیغمبر شاید ایک شخص کی ہدایت کے لیے آیا، ایک پیغمبر شاید کچھ لوگوں کی ہدایت کے لیے آیا، کوئی پیغمبر ایک قبیلہ اور گروہ کے لیے آیا، کوئی پیغمبر ایک قوم کے لیے آیا مگر بلا شک و شبہ ہر پیغمبر اپنی قوم کا ذہین ترین انسان ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ کی نگاہ انتخاب اس شخص پر پڑتی ہے اور ذہانت انسان کی زندگی میں اعتدال دیتی ہے، ذہانت ہی انسانی زندگی میں ترجیحات کے تعین میں مدد دیتی ہے۔

خواتین و حضرات! اگر پیغمبر ذہین نہ ہوتے اور ان کے ارد گرد بڑے بڑے دانشور اور

ذہین لوگ نہ ہوتے تو پیغمبر احساس کمتری سے پس جاتے۔ اگر ان کے اذہان غیر معمولی نہ ہوتے اور وہ ذہنی طور پر اپنی مد مخالف طاقتوں کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب نہ دے پاتے تو یقیناً کوئی پیغمبر بھی اپنے معاشرے میں ایک احساس برابری اور وقار سے نہیں پنپ سکتا تھا۔ اس لیے اللہ نے

اپنے پیغمبروں اور رسولوں کے لئے جو سب سے پہلا criterial رکھا، وہ یہی تھا کہ یہ ہر زمانے میں اپنے معاشرے کے ذہین ترین انسان ہوتے ہیں۔

These people are the top intellectuals of their own society whatever the time may be, whatever they may be

اور وقت کی بدلتی ہوئی قدروں کے ساتھ جیسے جیسے معاشرے کی ذہانتوں کے معیار بدلتے ہیں ویسے ویسے پیغمبروں کے علم اور منصب کے معیار بھی بدلتے رہتے ہیں۔ مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات مختلف ہے۔ خواتین و حضرات! خاتم النبیینؐ تک آکر یہ انقلاب آیا ہے کہ ان کے بعد مزید کسی پیغمبر کا آنا محال تھا۔ یہ ایک ایسی maturity تھی جو انسان زمانہ حجر سے اپنے ساتھ لیے آ رہا تھا۔ یہ ایسی کم علمی تھی جو وقت کے ساتھ ساتھ mature ہو گئی تھی اور انسان جو chimpanzee کے دماغ سے چلا تھا اس maturity تک پہنچ گیا تھا کہ اب وہ بخوبی علم کو اپنے اندر سمو سکتا تھا۔ اب اس کو اک final message کی ضرورت تھی۔ اس final message کے لیے خواتین و حضرات جس پیغمبر کو چنا گیا تھا اور جس محترم شخص کا انتخاب کیا گیا تھا اس کے بعد پھر کوئی پیغمبری تھی اور نہ کوئی رسالت تھی۔ اس لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر زمانے کے عظیم دانشور قرار پائے۔ الغرض قدیم و جدید اور مشرق و مغرب میں ہر وقت کے لیے ایک عظیم ترین ذہن کا انتخاب ہوا جس کا مقابلہ خواہ وٹ کانٹائن اور رسل سے ہو، خواہ Pagason اور ہیگل سے ہو یا کسی بھی زمانے کے کسی Politics سے ہو ایک ایسا انسان چنا گیا ہے کہ جس کی ہر قسم کی کوالٹی آنے والی جملہ انسانیت سے بھی بہتر ہو اور وہ پرانی ذہانتوں کا بھی سردار ہو اور مستقبل کی ذہانتوں کا بھی علمبردار ہو اور جس کے ذہن پہ یہ شک نہ ہو سکے کہ اس کی علمیت کیا ہے۔

خواتین و حضرات! کتنے تعجب کی بات ہے جب ایک امتی اپنے پیغمبر کے بارے میں سوال کرتا ہے کہ اس کا علم کتنا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جو ایمان کے ضائع ہونے کا ہے۔ شاید میں اس نقطے کی

طرف دوبارہ پلٹوں۔ علم کے دو نشان ہیں۔ علم وہی پائیدار ہے جس میں گہرائی ہو اور گہرائی یہ نہیں کہ ایک سچری میں وجود پایا اور پھر اگلی سچری میں بھلا دیا۔ وہ بتانِ وہم و گماں جن پہ لوگوں نے خدائی کا دعویٰ کیا اور ان کو خدائی کے title بنخشے مگر Greek mythology آگے تو نہیں بڑھی اور وہ خدائے واحد اپنے ماحول اور معاشرے سے آگے نکل گیا۔ اللہ کا یہ وہ تصور ہے جو ہر دور میں ایک نئے رنگ اور ایک نئی تمکنت کے ساتھ زندہ رہا اور ایک غیر معمولی کروفر کے ساتھ مختلف شکلوں میں ہر طرح کے معاشرے میں سفر کرتا رہا یہ ایسا اللہ ہے جو زمانوں میں کبھی انسان سے جدا نہیں ہوا۔ یہ Anthropology کا Converted God نہیں ہے۔ یہ ضرورتِ انسان والا تصورِ خدا ہے۔ یہ تو وہ فعال، مطلق اور قائم اللہ ہے جو زمانے میں ہمیشہ رہا ہے، اول رہا، آخر رہا، طوفانِ نوح سے پہلے رہا، طوفانِ نوح کے بعد رہا۔ کیا عجیب بات ہے کہ یہ وہ اللہ ہے جو فقط کشتی کے چند مسافروں کے پاس تھا۔ کیا عجیب بات ہے کہ تمام دنیا مگر غرقاب ہوئی اور وہ چند لوگ جو اللہ کے نام لیواتھے، جو کشتی نوح میں سلامت تھے جو ”بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٰہَا وَ مُرْسٰہَا اِنَّ رَبّی لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ“ (ہود: آیت 41) پڑھ رہے تھے اور انہی کے توسط سے شاید کوئی نیا علم الاصلام شروع ہوتا، کوئی نئے دیوی دیوتا شروع ہوتے لیکن انہی لوگوں کے توسط سے خدائے واحد کا تصور پھر شروع ہوا۔

خواتین و حضرات! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی عطا اور کرم کے تحت ایک ایسے عالم بے بدل کی حیثیت سے سامنے آئے کہ جس کی نظیر زمین و آسمان میں کہیں نہیں ملتی ہے۔ آپ سے پہلے دونوں جہانوں میں اتنا ذہین انسان نہیں گزرا تھا۔ اگرچہ انہوں نے زندگی بھر کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی مگر انہوں نے اپنے بارے میں ایک چھوٹا سا جملہ کہا ہے کہ خدانے مجھے قلم عطا فرمایا اور تھوڑا سا کلام مگر بے حد معنی عطا فرمائے۔

خواتین و حضرات! اس علم کی گہرائی کہاں جاتی ہے۔ کیا یہ علمی گہرائی Big Bang سے آگے نہیں جاتی، یہ اللہ کا عطا کردہ علم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام علمی جہانوں کی مکمل آگہی بخشتا ہے۔ اور یہ عرفانِ تخلیق کے تمام مراحل سے گزر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

Compton نے بڑی حسرت سے کہا تھا کہ کاش اسے ایک لمحہ پتا لگ جائے کہ Big Bang سے پہلے کیا تھا تو وہ پوری کائنات کی تفصیل بیان کر سکتا ہے۔ خواتین و حضرات! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تخلیق سے پہلے کا علم تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جانتے تھے کہ اللہ نے کب اور کیا بنایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی guess work نہیں لگاتے تھے بلکہ قرآن میں یہ بات اللہ نے کہی ہے کہ یہ بات علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھی۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ اے میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخلیق زماں و مکاں سے پہلے، اشیا کی تخلیق سے پہلے، بحر و بر کی تخلیق سے پہلے اور زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے کیا تھا۔

وأخرج الطيالسي وأحمد والترمذي وحسنه وابن ماجه وابن جرير وابن المنذر وأبو الشيخ في العظمة وابن مردويه والبيهقي في الاسماء والصفات عن أبي رزين رضی اللہ عنہ قال قلت یا رسول اللہ این کان ربنا قبل ان اصحهما خلقه قال کان فی عماء ما تحته هواء وما فوقه هواء وخلق عرشه علی الماء قال الترمذی رضی اللہ عنہ العماء ای لیس معہ شیء (حوالہ جات: (1) سنن الترمذی رقم الحدیث 3109، (2) مسند احمد رقم الحدیث 16233، (3) مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ ج 2 ص 275)

اللہ بیان کیا فرماتے، اس وقت کیا کر رہے تھے۔ کیا بیکار بیٹھے ہوئے تھے guess work لگا رہے تھے۔ کیا کر رہے تھے؟ جب زمین و آسمان بھی نہیں تھے، انسان بھی نہیں تھے، آب و ہوا بھی نہیں تھی تو اس وقت اللہ کیا کر رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا اللہ اس وقت دھند میں تھے۔ یعنی اللہ ایسے پانی میں تھا جس میں دھواں گھلا ہو۔ (آیت)۔۔۔۔۔ اس کے اوپر بھی ہوائیں تھیں، اس کے نیچے بھی ہوائیں تھیں۔ انسان نے بڑی ترقی کی

He chose the hard way, worked very hard over 3000 years.

تین ہزار سال کی اس تاریخ میں انسان نے اپنی محنت و شاقہ کے بعد Big Bang کا سراغ لگایا اور پھر یہ اندازہ لگایا کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے کیا تھا تو پتا لگا کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے moisturized gases تھیں، دھواں تھا، پانی ملا ہوا دھواں۔ ماساتحتہ ہوا و ماسافوقہ ہوا آسمان اور زمین میں ہوا تھی، بادل تھے۔ پھر یہ بادل بکھرے، ٹوٹے، تقسیم ہوئے پھر ان بادلوں نے جڑنا شروع کیا۔ پھر ان بادلوں سے کائناتی وجود تخلیق ہوئے اور اگر آپ غور کیجیے تو ظاہر ہے کہ آقا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو Physical Sciences کی Terminology تو نہیں پڑھانے آئے تھے۔ مگر اس سادہ سے بیان میں کان فی عماء ماتحتہ ہوا و ماسافوقہ ہوا کہ سب تخلیقات سے پہلے اللہ ہوا میں تھا، دھند میں تھا، بادلوں اور بخارات میں تھا اس کے اوپر ہوا تھی اس کے نیچے ہوا تھی۔ پھر پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تو ہوا، کائنات تو بن گئی اس کے بعد اللہ کہاں تھا۔ فرمایا کتب سے پہلے تو اللہ تھے، ظاہر ہے کہ اس اللہ کو میں تمہیں Explain نہیں کر سکتا۔ Obviously ذہن وہ سوال نہیں اٹھا سکتا جس کے لیے اس کے پاس data نہ ہو، میں explain کرنا بھی چاہوں تو میں اپنے طالب علموں کو یا اپنے احباب کو وہ سوال explain نہیں کر سکتا کہ جس کے لیے نہ میرے پاس data ہے اور نہ ان کے پاس ہے۔ ہر ذہن آدمی کو سر درد صرف اس لیے شروع ہو جاتا ہے کہ وہ سوال جو اٹھاتا ہے اس کا حل اس کے پاس نہیں ہوتا۔ سوال کا بوجھ زیادہ اور ذہن بے چارہ اس قابل نہیں۔ فرمایا سب سے پہلے تو ار تھا اور اس کا عرش پانی میں تھا اور ایک کام اللہ کر رہا تھا اس وقت۔ خواتین و حضرات غور کیجیے پانی میں کیوں تھے۔ اگر آپ قرآن شریف دیکھیے تو خداوند کریم فرماتے ہیں، دیکھیے انہی دو degrees کی explanation اللہ نے اس طرح کی "أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَهُمَا" (الانبیاء: آیت 30) پہلے تو سب ایک mass تھا اور زمین و آسمان کا ایک وجود تھا۔ تمام کائنات ایک وجود تھی۔ پھر ہم نے انہیں جبراً پھاڑ کر جدا کر دیا، ان کو علیحدہ علیحدہ کر دیا اور پھر "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" (الانبیاء: آیت 30) پھر ہم نے تمام

حیات کو پانی سے پیدا کیا، غور فرمائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کی بات کو زیادہ بہتر explain کر دی کہ سب سے پہلے اللہ تھا پھر اس کا عرش پانی میں تھا۔ وہ اپنی بلندیوں سے نیچے آیا۔ اس نے تخلیق کا عمل شروع کیا اور سب سے پہلے زندگی کو پانی سے تخلیق کرنا شروع کیا، مگر تخلیق کے علاوہ اس نے ایک اور کام کیا۔ وہ کام بڑا important تھا کہ جس ہستی کو زمین پر بھیجا جائے، جس حیات کی نشوونما زمین پہ کی جا رہی تھی، کیا اس کی زندگی کے اسباب بھی نیچے پہنچائے جا رہے تھے؟ کیا اس زندگی کا بندوبست بھی کیا جا رہا تھا؟ کیا اس کے رزق، اس کے روزگار، اس کے مقامات، اس کے تعین، اس کا رہنا سہنا، اس کی بقا کا بندوبست بھی اللہ میاں کچھ کر رہا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اب سے پچاس ہزار سال پہلے کی مخلوقات کو جب زمین پر بھیجا گیا تو اللہ نے ان کی تمام زندگی کے اسباب اور قوتوں کا ذکر کتاب محفوظ میں لکھا۔ جو آبادی نیچے انہوں نے کرنی تھی۔ خواتین و حضرات! آپ کے لیے لوح محفوظ ایک عجیب لفظ ہوگا اگر غور کیا جائے تو اس دنیا کے ماسٹر پلان کا نام لوح محفوظ ہے۔ اس دنیا میں زندگی تخلیق کرنے سے پہلے لوح محفوظ تیار ہوئی۔ قیامت تک جن لوگوں نے آنا تھا، ان کا نام لکھا گیا، رزق کہاں سے ملنا تھا، ان کا رزق لکھا گیا، کس کو کون سے ماں باپ دینے تھے، ان کے نام لکھے گئے، زندگی کی ترتیب کیا ہوگی، اس کے حساب لکھے گئے، ایک ایک مقام لکھا گیا، ایک ایک پیشہ لکھا گیا، کس نے کہاں پہنچنا تھا، لکھا گیا۔

خواتین و حضرات! بقول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ اگر یہ protocol پہلے سے نہ لکھا جاتا تو پھر یہ دنیا ایک jumble بن جاتی۔ کس نے کس کے گھر پیدا ہونا تھا اگر نہ لکھا جاتا تو آسمانوں سے بچے گرتے۔ کس کے گھر پیدا ہوتے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ انسان اور دوسری مخلوقات کے بچوں میں کتنا فرق ہے۔ باقی مخلوقوں کے بچے تو پیدا ہوتے ہی دوڑنے لگتے ہیں۔ لیکن انسان کا بچہ اس قابل نہیں، اس کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے 7-10 سات سے دس برس چاہیں۔ کون اس مقدر کا قائل ہے۔ کون کہتا ہے کہ میں مقدر سے الجھتا ہوں۔ کیا اس نے باپ کو دیکھا، ماں کو دیکھا، کیا اس نے پیدائش کے ماحول کو دیکھا، کیا اگر

زمانہ قدیم میں سب کو پیدا ہونے کا اختیار ہوتا تو سب قارون کے گھرنہ پیدا ہوتے اور آج کے لوگ Bill Gates کے گھرنہ پیدا ہوتے۔ یہ اختیار اللہ نے کسی کو نہیں دیا۔ یہ تو زندگی کا انجام ہے جو اللہ نے کسی کے حوالے نہیں کیا۔ ایک ایک لفظ لکھا گیا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سارا کچھ لکھا ہوا ہے تو ہم کیا کرنے آئے ہیں۔ ہم کیا کریں! فرمایا تمہیں کیا کرنا ہے۔ اللہ نے جس کام تک انسان کو پہنچانا ہوتا ہے، اس کی Motivations، ارادے اور قوت کو اس کام کے لیے مضبوط کر دیتا ہے اور خواتین و حضرات! قرآن میں اللہ نے کہا ”مَا مِنْ ذَا بِيَةِ إِلَّا هُوَ اخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا“ (ہود: آیت 56) زمین و آسمان میں ایسا کوئی ذی حیات نہیں ہے، ایسا کوئی زندہ جانور نہیں ہے، ایسا کوئی انسان، پرند چرند اور حیوان نہیں ہے۔ ”مَا مِنْ ذَا بِيَةِ إِلَّا هُوَ اخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا“ (ہود: آیت 56) جسے ہم نے اس کے ماتھے سے نہیں تھام رکھا ہے۔ خواتین و حضرات! پہلے تو پتا نہیں تھا کہ ماتھے میں کیا ہوتا ہے۔ آج پتا لگا کہ ماتھے یا Frontal Lobe میں تو بہت پاور ہوتی ہے۔ یہ تو Deciding factor ہے۔ یہ تو ارادے باندھنے اور پروگرام بنانے والا ہے۔ یہ تو بڑا Concealed Lobe جو ماتھے کے پیچھے ہے اور اس پر خدائے کریم کنٹرول exercise کرتا ہے۔ یہ رییموٹ کنٹرول اس کا ارادہ قوی کرتا ہے۔ اس کا ارادہ توڑ دیتا ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ جو لوگ Psychosis Novices بیمار ہیں، اسی Frontal Lobe کی وجہ سے ہیں۔ اور پرانے زمانے میں ان کی سختی، ارادہ اور تواتر خیال توڑنے کے لئے لوگ انہیں الٹا لٹکا کر مرچوں کی دھونی دیتے تھے۔ آج بجلی کے شاک دیتے ہیں اسی لئے ایک ہی علاج ہے تاکہ اس پہ بقا غالب آئے۔ جس بقا غالب آئے اور اس خیال سے ہٹ جائے جس کو شب و روز متواتر سوچتا ہے۔ تمام جنون کا باعث متواتر اس طرح سوچنا ہے کہ ان تسلسل خیالات پر آپ کے Frontal Lobe کا قابو نہ رہے۔

خواتین و حضرات! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمی معیارات بہت بلند تھے۔ اگر ان کے علم کی گہرائی اور گیرائی کا ذرا سا اندازہ ہو سکے تو پتا لگتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں کئی علوم کا افتتاح کیا جو بعد میں انیسویں صدی یا بیسویں صدی میں آ کے

ترقی پائے۔ ایک بار ابن صیاد کی ماں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ اس کا بچہ جنات کی زد میں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس گئے انہوں نے دیکھا کہ وہ کچھ بڑا بڑا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی باتیں سننے کی لیے ذرا اس کی اوٹ میں چلے گئے تو اچانک اس کی ماں نے بچے کو یاد کرایا کہ دیکھ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن صیاد کی ماں سے فرمایا اگر تو اسے خبردار نہ کرتی تو میں اس کی باتیں سن کر اس کے مرض کا پتہ لگا لیتا۔

خواتین و حضرات! یہ تحلیل نفسی psycho analysis کی ابتدا ہے جس سے کسی مریض کے حالات اور اس کی باتیں سن کر اس کے مرض کا پتہ لگایا جاتا تھا۔ یہی بعد میں نفسیات بن گئی اور ایک system کی ابتدا کا باعث بنی جہاں مریض اپنے مسیحا کو جا کر اپنی پوری داستاں سناتا ہے اور اس کو ایک Pathetic Outlet ملتا ہے جس سے وہ اپنے معالج کو اپنے ذہن اور مافی الضمیر سے آگاہ کرتا ہے اور پھر اس کا معالج اس پر judgement دیتا ہے۔ اس کو کیا مرض لاحق تھا اور کیا نہیں تھا۔ اس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آئندہ زندگی کی تمام مرضوں کے متعلق، قیامت تک کی ہر خبر اور علم کی شناخت کو ادھورا نہیں چھوڑا ہے۔ میں آپ کو یہاں ایک خوبصورت حدیث ضرور سنانا چاہوں گا۔ جس میں غیر معمولی علمیت ہے۔ فرمایا کہ جب دوزخ میں لوگ ڈالے جائیں گے اور وہ ”ہل من مزید“ (ق: آیت 30) پکارے گی اور اس کا پیٹ نہیں بھرے گا تو پھر خدا اس پر اپنا پاؤں رکھے گا اور دوزخ کہے گی کہ اے بارالہی میں عاجز ہو گئی ہوں۔ میرا پیٹ بھر گیا اور دوزخ کی بھوک مٹ جائے گی مگر جنت سیر نہ ہو گی۔ جنت میں بہت جگہ بچے گی۔ لوگ داخل کر دیئے جائیں گے پھر بھی جنت میں جگہ بچے گی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ نئی مخلوق پیدا کرے گا، نئے لوگ پیدا کرے گا، نئے سرے سے انہیں آزمائے گا پھر جنت میں داخل کرے گا۔

خواتین و حضرات! سوچنے کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح فرمایا کہ انہیں نہایت مختصر بات دے کر بھیجا گیا ہے مگر اس کے معنی بہت وسیع اور جامع ہیں۔ اگر اس

statement کو ہم قرآن کی statement سے جوڑ دیں تو ایک جہانِ معنی کھل جاتا ہے۔

اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلہن (الطلاق: آیت 12)
کہ اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائیں۔

یتنزل الامر بینہن

ان تمام زمینوں میں ہمارا امر چلتا ہے۔

لتعلموا ان اللہ علی کل شیء قدير (الطلاق: آیت 12)
تا کہ تم جان لو کہ اللہ کتنی قدرت والا ہے۔

خواتین و حضرات! سات کائناتیں، سات زمینیں پھر ان سات زمینوں میں بلکہ جب ایک زمین ختم ہو جاتی ہے تو خدا کا کام ختم نہیں ہوتا۔ جنت تو بہت بڑی ہے۔ از حد وسیع و عریض ہے۔ ساتوں کائناتوں کی طوالت سے بھی جنت بڑی ہے۔ جنت تو اتنی بڑی ہے کہ اگر اس میں جملہ کائنات بھی سما جائے تو اس کا ایک عرض پورا کرتا ہے۔ ”وجنة عرضها السموات والارض“ (آل عمران: آیت 133) یعنی جنت کی چوڑائی زمین و آسمان کی طوالتوں کے برابر ہے۔ اتنی بسیط کائنات کی ایک مختصر زمین کے کتنے بھی کروڑوں اور اربوں لوگ ہوں تو وہ اس جنت کی وسعتوں کو پر نہیں کر سکتے ہیں۔ پھر دیکھئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ جنت کو کون explain کرتا ہے حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت میں ایک گھر سے دوسرے گھر کا فاصلہ زمین و آسمان کے درمیان فاصلے کے برابر ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ جنت میں ایک گھر سے دوسرے گھر کا کم سے کم فاصلہ پانچ سو برس نوری ماں کا ہے۔ اور وہاں لوگ براق پر جائیں گے۔

خواتین و حضرات! ایک بات تو ظاہر ہے کہ ہم انسان وجود پرست، ہیں اور اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہیں۔ اور اپنے اذہان پر ناز کرتے ہیں۔ ہم تقاخر کا اظہار کرتے ہیں کہ مخلوقات زمین پر ہم اعلیٰ و ارفع ہیں اور ہمارے سوا کوئی بھی محبوبِ خدا نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ہی ہمارے علاوہ اس زمین پر انسانی بستیاں بس سکتی ہیں۔ حالانکہ اللہ کے اعلان کے مطابق اس کائنات بسیط میں ایسی ہی

سات بستیاں ہیں لیکن اہل science کے لیے یہ option کھلے نہیں تھے۔ اہل science انکار کرتے تھے۔ Single Universal order کو تسلیم کرتے تھے۔ مگر اللہ سچا ہے۔

خواتین و حضرات! سائنس میں اور کتاب اللہ میں ایک فرق ہے۔ کتاب اللہ ایک فیصلہ کن امر کا اجرا کرتی ہے اور سائنس hard way سے اسے سیکھنے کو کوشش کرتی ہے۔ جب sciences اس مقام تحقیق تک پہنچ جائیں جو کتاب اللہ میں درج ہے تو پھر اس میں مزید تغیر ممکن نہیں ہوتا۔ فرض کیجیے اللہ نے کہا ”وجعلنا من الماء کل شیء حی“ (الانبیاء: آیت 30) ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا۔ یہ thesis پہلے موجود نہیں تھا۔ اہل یونان اور اہل روم اسے کچھ اور سمجھتے تھے اور دوسرے لوگ کچھ اور بعد ازاں جب Spontaneous growth کا سلسلہ آیا، خود بخود تخلیق ہونے کے نظریات پیدا ہوئے حتیٰ کہ انیسویں، بیسویں اور اکیسویں صدی تک یہ فیصلہ کن عمل طے ہو گیا اس پہ مزید research نہیں ہو سکتی۔ یہ فائنل ہو گیا کہ all life is created out of water۔ اب یہ بات اللہ کے کلام کے درجے تک پہنچ گئی ”وجعلنا من الماء کل شیء حی“ (الانبیاء: آیت 30) یعنی اللہ کی بات تک سائنس پہنچ گئی۔ اب اس particular factor میں ترقی نہیں۔ اب یہ ممکن نہیں کہ کوئی سائنسدان اٹھ کر کہے کہ زندگی پانی سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ یہ مرحلہ پورا ہوا مگر ابھی تو قرآنی تحقیق کے بے شمار مراحل پورے نہیں ہوئے۔ ابھی تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے درجات متعین نہیں ہو سکے۔ تمام سائنسز زمین و آسمان میں ارتقائے حیات کا سوچتی رہیں، تسخیر کائنات کا سوچتی رہی اور اللہ کے ہاں تسخیر کائنات کا یہ اصول ٹھہرا کہ تم ارض و سموات سے نہیں نکل سکتے، اگر جرأت ہے تو یہ کر کے دکھاؤ۔ اللہ ”ان استطعتم ان تنقلوا من اقطار السموت والارض فانقلوا، لا تنقلون الا بسطان“ (الرحمن: آیت 33)

خواتین و حضرات! سلطان کیا ہے۔ اگر یہی دعا جو میں نے سب سے پہلے پڑھی کہ

رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ (الاسراء آیت 80)

اے اللہ سچ میں داخل کر جیسے سچوں کو داخل کرتا ہے اور سچ میں سے نکال جیسے تو سچوں کو نکالتا ہے۔

وَأَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا. (الاسراء آیت 80) مجھے اپنے وجود سے دلیل

غالب بتا۔ اگر سلطان نصیر دلیل غالب ہے اور قدر و منزلت علوم میں سب سے بڑی منزل ہے۔

خداوند کریم کے قول کے مطابق تم سلطان نصیر کے بغیر ارض و سماوات سے آگے نہیں نکل سکتے اور

آج تمام سائنسی ارتقائی قوتیں اس بات پر مصر ہیں کہ مرتخ سے آگے بڑھنے، دوسرے سیاروں پہ

بستیاں بسانے اور کائنات کو فتح کرنے کے لیے Billion of years درکار ہیں۔ مگر

خواتین و حضرات ایک بہت بڑا مسئلہ درپیش ہے کہ کشش ثقل جس پہ انسان کا انحصار تھا، تیز

رفتاری میں باطل ہو جاتی ہے۔ بالائے کائنات general relativity اور special relativity

ضافت کے نظریات hold نہیں کرتے quantum درست ہے uncertainty آگئی۔

uncertainty درست ہے۔ dimensions تبدیل ہونے شروع ہو گئے۔

dimensions کا کچھ نہ کچھ حل نکلنے کے بعد ایک خوفناک تبدیلی سامنے آئی ہے کہ کائنات

سکڑنے کے مراحل میں نہیں ہے۔ اب یہ thesis غلط ہو گیا ہے کہ یہ پھیلتی ہوئی کائنات

دوبارہ سکڑے گی۔ سکڑتی تو تب اگر slow ہوتی۔ اگر سیارگان کی رفتار مرکز سے نکلتے ہوئے کم

ہوتی تو پھر تو سکڑنے کا امکان تھا مگر یہ خوفناک حقیقت واضح ہوئی کہ سیارے مرکز سے نکلنے کے

بعد آدھے راستے میں سست ہونے کے بجائے اور تیز ہو گئے۔ ”اللہ نور سموات و ا

لارض“ (النور : آیت 35) لگتا تو ایسا ہی ہے جیسے اللہ نے کہا کہ یہ پھیلاؤ بڑھتے بڑھتے اتنا

تیز رفتار ہو جائے گا کہ تمام مادے پھر Energy میں ڈھل جائیں گے Energy پھر نور

کی شعاعوں میں ڈھل جائے گی اور زمین و آسمان میں صرف اللہ کا نور رہ جائے گا۔ ”اللہ نور

سموات و الارض“ (النور : آیت 35) اسی نور کی آرزو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کرتے ہیں اور کس کس چیز میں کرتے ہیں۔ ”اللهم اجعل فی قلبی نوراً و فی

بصری نوراً و فی سمعی نوراً و عن یمینی نوراً و عن یساری نوراً و

فوقی نوراً و تحتی نوراً و امامی ثوراً و خلفی نوراً و اجعل لی نوراً“ (بخاری) اے پروردگار عالم میرے دل میں نور عطا فرما۔ میری سماعت میں نور عطا فرما۔ میری بصارت میں نور عطا فرما۔ میرے دائیں نور عطا فرما، میرے بائیں نور عطا فرما۔ خداوند کریم سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر چیز میں نور طلب کر رہے ہیں۔ یہ نور ایک اعلیٰ ترین ہستی سے ایک **commitment** کے سوا اور کیا ہے کہ وہ عقل جو انسان کو اعلیٰ ترین عزت اور مناصب تک پہنچاتی ہے اور انبیاء الصلوٰۃ والسلام جب اتنی بڑی گہرائی سے نکلتے ہیں تو سارے معاشرے کو وہ قوانین دیتے ہیں جو رہتی دنیا تک قائم رہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی معاشرے میں کس حد تک جا کر اپنی مثال نہ چھوڑی۔ آج دنیا جانوروں سے بڑے سلوک کے دعوے فرماتی ہے۔ اگر پیچھے جائیں تو قرآن سے پہلے کے تمام معاشروں میں جانوروں سے کہاں اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔ آپ کو کس جگہ کی مثال دوں جہاں انسان بے دریغ قتل ہو رہے ہیں اور جانوروں کی طرح ذبح کیے جا رہے ہوں، ”یذبحون ابنائکم ویستحیون نساءکم“ (البقرہ: آیت 50) جہاں ایک سزا دی جا رہی ہو کہ لڑکے قتل ہوں اور لڑکیاں زندہ رکھی جائیں۔ جہاں ایک معاشرہ اپنے **survival** کے لئے دوسرے معاشرے کو قتل کر رہا ہے۔ وہاں جانوروں سے حسن سلوک کی کیا بات ہو سکتی ہے۔ مگر دیکھیے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال۔ کیا آج یورپ کے لوگ ہمیں بتائیں گے کہ انہوں نے جانوروں سے محبت شروع کی یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے کہ جب ایک صحابی ہرنی کے بچے لے کر آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے یہ بچے پکڑ لئے مجھے یقین تھا کہ ممتا اس کے پیچھے پیچھے آئے گی پھر یہ ہرنی اس کے پیچھے آئی اور میں نے اسے بھی پکڑ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تجھے ممتا کا کوئی خیال نہیں آیا، تجھے بچوں کا کوئی خیال نہیں آیا، جان کو آزاد کر۔ جب ایک اونٹ بھوکا ترسا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ کر کھڑا ہوا، فرمایا یہ اپنے مالک کا گلہ کر رہا ہے وہ کہتا ہے جوانی میں اس نے مجھ سے بڑا فائدہ اٹھایا مگر اس بڑھاپے میں مجھے اس نے مرنے کے لئے چھوڑ دیا یہ وہی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہ انہی کے اس

عظیم طالب علم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر دجلہ و فرات کے کنارے ایک کتابھی بھوکا مرے گا تو اس کی جواب دہی عمر کرے گا۔ یہ قانون بہت پہلے سے ہمارے پاس موجود ہے۔ بہت پہلے سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حق پر اس کا پورا شعور جاری کر دیا مگر ہم جناب رسالت مآب کی زلف و لب و رخسار کی تعریف بھی کریں ہم نے کبھی ان کے Conduct کو Identify کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ان کے Conduct کو کبھی copy کرنے کی کوشش نہیں کی اور یہی ایک وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت ایک عالم اپنے تعلیم کی اعلیٰ ترین مقصد کی نشاندہی کی اور یہ مسلسل ارشاد فرمایا کہ اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کو یکتا و تنہا ”لا شریک لہ“ مانا جائے اور اس میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے پھر تمہارا حق اللہ پہ بنتا ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہمارا اللہ پہ کیا حق بنتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ اگر تم خدائے واحد و یکتا کی تعریف فرماؤ تو اللہ کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو عذاب نہ دے۔ بڑا سادہ اور آسان فارمولا اللہ کے رسول نے قیامت تک کے لئے پیش کر دیا کہ اگر ہم اللہ کا حق ادا کریں تو پھر اللہ ہمارا حق ادا کرے گا، اگر ہم اسے خدائے واحد سمجھیں، لا شریک لہو سمجھیں اور اس کی ذات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں تو اللہ ہمارا حق بھی ادا کرے گا کہ ہمیں عذاب نہ دے۔ اللہ نے فرمایا ”ما یفعل اللہ بعد ابکم“ ہمیں کیا پڑی کہ ہم تمہیں عذاب دیں۔ ”ان ذمکرتم و امتنم اگر تم ہماری یاد دالے ہو، ہمارے ایمان والے ہو۔ ”وکان اللہ شاکرا علیما“ (السراء: آیت 147) تو اللہ شکر قبول کرتا ہے، وہ علم والا ہے، اس کا نبی علم والا ہے، رسالت علم کی ہے، وہ اعلیٰ ترین ذہانت ہے۔ آپ میں سے ایک عام مسلمان کا Intellectual Level خدائے واحد کی توحید سے اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ لوگ جو کتنے بھی ذہین کیوں نہ ہوں مگر جن کی رسائی عقل اور صرف دنیا کی اشیاء تک ہے۔ جن کا ^{مط} نظر صرف دنیا اور اس دنیا کی اشیاء تک ہے Status تک ہے، Marriages تک ہے، وجاہت دنیا تک ہے وہ بھلا اس لامکاں کو کیسے پہنچیں گے جو ان تمام خواہشات سے نکل کر خدائے واحد کی آرزو کرتا ہے۔

One of the basic cause of the downfall of the Muslim

intellectualism is the lack of the top priority.

جب سے ہم اللہ اور اس کے رسول کی بتائی ہوئی اس ذہنی Top Priority سے ہٹے ہیں تو ہمارے ذہن کی ترجیح اول کھو گئی ہے اور ہم دنیا کی ترجیحات کے برابر آگئے ہیں۔ مشرق و مغرب کی ترجیحات یہ کیسے ہو گئیں پھر اگر دنیا کی ترجیحات معیارِ عقل ہے تو خواتین و حضرات وہ زیادہ محنت والے تھے، ہم سے زیادہ بہتر ہیں۔ پھر تو وہ زیادہ ہم سے محنت کرنے والے زیادہ ایمان دار تھے، زیادہ جستجو والے تھے، زیادہ حقائق طلب تھے، وہ ہم سے بازی لے گئے۔ جو اب وہی کا نظام تھا جو ذہانتوں کو جلا بخشتا ہے، جو عقلوں کو ان کے بلند مدارج عطا کرتا ہے اور وہ ترجیح اول کا انتخاب تھا۔ ہمارا افتخار تو ان پہ وہ تھا جو ہمارے رسول نے ہماری علمیت کے اعلیٰ ترین معیار کو رکھا تھا اور وہ ایک کو ان کے بلند مدارج عطا کرتا ہے اور وہ ترجیح اول کا انتخاب تھا۔ خدا کو ترجیح اول سمجھنے والے یہ زمین و آسمان کے ان درجات علم و عقل سے آگے بڑھتے ہیں۔ اور اللہ کے اس قول تک پہنچتے ہیں کہ ”نرفع درجات من نشاء وفوق كل ذي علم عليم“ (یوسف: آیت 76)

خواتین و حضرات! بعض اوقات لوگ پوچھتے ہیں رسول اللہ کا علم کتنا تھا۔ یہ سوال normally گروہی فقروں میں آتا ہے۔ کوئی حضور کے بارے میں بے پایا علم و فراست کی خبر دیتا ہے اور کوئی ان کو مجبور محض سمجھتا ہے اور اس capacity کو صرف انکار کر دیتا ہے۔ سب سے پہلے بات تو یہ ہے کہ الوہیت کے الہام کی capacity ہی غیر معمولی ہے۔ خواتین و حضرات ہر بندے میں الوہیت کے الہام کی Capacity ہے۔ ہر بندے میں وحی کے اجرا کی Capacity ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک پیغمبر کا ذہنی Status اور ذہنی مقام غیر معمولی ہوتا ہے۔ اس کا دل اور اس کا ذہن اس قابل ہوتا ہے کہ ایک بڑی Special Frequency پر کائناتی Message قبول کر سکے۔ اس لئے اس کو بحیثیت پیغمبر چنا جاتا ہے۔ ایک نارمل ESP والا بندہ یا ایک نارمل Telekinesis کا مالک یا ایک نارمل لامہء تبت جو Levitation Spiritual کر دیتا ہے۔ وہ پیغمبر نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس میں ارتکاز کی بے پناہ صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں مگر اس کا علمی ادراک اور اس کے تصوف کی Capacity اتنی نہیں

بڑھتی کہ وہ خدائی Message قبول کر سکے۔ اس کے باوجود تبت کا لامہ Levitation کی صلاحیتیں اختیار کرنے اور اپنے روحی وجود کو بدنی وجود سے اخراج کے لئے پچیس برس اگاتا ہے، تیار کرتا ہے اور بہت ارتکاز کرتا ہے، برف زاروں میں بیٹھتا ہے، ترائیوں میں نشست کرتا ہے، تنہائیوں میں بیٹھتا ہے مگر اس میں وہ Message اخذ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی جسے ہم وحی الہی کہتے ہیں۔ اسی طرح telekinesis اور Telepathy ہے۔ Obviously نظر آتا ہے کہ ایک پیغمبر Message کو قبول کرنے کے لئے انتہائی خصوصی Sensitivity کا حامل ہوتا ہے جو کسی نارمل شخص کو ESP سے کہیں زیادہ بلکہ ہزار گنا بڑھ کر خصوصی صلاحیت کا احساس رکھتا ہے۔ آپ کو کوئی ایسا شخص کسی نہ کسی غیر معمولی واقعہ کی خبر دے دیتا ہے۔ کوئی مجذوب جو صلاحیت عقل سے عاری ہو اور جس کے Brain Cells، pressure میں زیادہ کھل جائیں اور وہ اس قابل ہو جائے کہ آپ کو مستقبل کی کوئی خبر دے دے، آپ کے ماضی کا کوئی نقطہ اجاگر کر سکے اور بغیر علم کے آپ کو غائب کی اطلاع دے سکے۔ کیونکہ غیب آپ کے علم میں نہیں۔ غیب سے relative ہر صفت ہر شخص میں دوسرے سے مختلف ہے۔ بہت ساری باتیں جو ایک شخص کے لئے غیب ہیں، دوسرے کے لئے نہیں ہوتیں۔ بہت ساری باتیں جو ایک وقت میں غیب ہیں دوسرے وقت میں وہ غیب نہیں ہوتیں۔ درحقیقت غیب متبدل، متغیر اور زمانی مکانی ہے۔ غیب کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص پانچ ہزار کتابیں پڑھتا ہے اور صاحب علم ہے، ایک شخص چھ ہزار کتابیں پڑھتا ہے اور صاحب علم ہے۔ جب دونوں آپس میں مطالعہ match کریں گے تو پانچ ہزار کتابوں کے دونوں عالم شہادت میں ہوں گے۔ مگر جب چھٹیوں ہزاروں کتاب شروع ہوگی تو پانچ ہزار والا غیب نہیں چلے گا۔ اب information کی بنیاد پر غیب ایک بندے کی ابتدا کا Academic ذریعہ ہے۔ ایک کی Source یونیورسٹی۔ ایک اس سے آگے بڑھ کر Specialis. a institution سے اپنا

Source of Knowledge and inspiration

حاصل کرتا ہے۔ آگے بڑھتے ہوئے خواتین و حضرات اک شخص کو دعویٰ شناخت جنات ہے۔ وہ

کہتا ہے میں کاہن ہوں۔ پرانے عرب میں مقدمہ ابن خلدون میں ابن خلدون نے نہ لکھا کہ جسے عرب میں کاہن بننا ہوتا تھا وہ تمام صلاحیتوں کو تیز کرنے کے لیے بادام کے ڈرم بنا کر مکے بھر کے، کاہن اس میں بیٹھ جاتا تھا اور کھاتا بھی بادام تھا اور اس طرح اس کا brain اثنا تیز ہو جاتا تھا کہ چالیس دنوں کے بعد شاید موت کے خوف سے یا بالکل سوکھ کر وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا تھا مگر اس میں اتنی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی کہ وہ جنات سے باتیں کر سکتے تھے۔ غیر معمولی اسباب کے source جب ختم ہو جائیں، کتاب ختم ہو جائے، آثارِ دنیا ختم ہو جائیں، اسبابِ علم ختم ہو جائیں تو ہمیں وہ لوگ عجیب لگتے ہیں جن کے علم کی بنیاد بظاہر کسی Source سے وابستہ نہ ہو فرض کرو کہ ایک شخص آپ کو بتاتا ہے کہ سٹیشن پہ نہ جانا دھماکہ ہوگا آپ کو غیب کا نہیں پتا لہذا You dont trust him۔ آپ اس سے پوچھتے ہیں کہ source کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ اسے جنات نے بتایا ہے۔

خواتین و حضرات! اگر وہ یہ جنات کا حوالہ نہ دے، تو آپ یقیناً مغالطے میں پڑ جائیں گے کیونکہ اس کا source of information نہیں ہے اور ارحم الراحمین نے کوئی ایسی بڑی صلاحیت develop کی ہے۔ جس سے وہ غیب جانتا ہے۔ آپ کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ آپ اس قدرت کے قائل نہ ہوں۔ source کے تعین کے بعد ہم صاحب جنات سے آگے بڑھتے ہیں۔ اولیاء تک جاتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ آپ کا source of information کیا ہے۔ کہاں تک نگاہ جاتی ہے کہاں تک زمانہ دیکھتے ہو۔ مجھے میرے ایک دوست نے بڑا دلچسپ واقعہ سنایا۔ اس وقت جناب لال شاہ جو بڑے confirmed مجذوب تھے وہ زندہ تھے۔ چونکہ یہ واقعہ مجھے چار دوستوں نے سنایا تھا۔ اس لئے میں نے اعتبا کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ایک دن انہوں نے سوچا کہ آج لال شاہ سے ضرور ملنے جائیں گے لہذا جب وہ جانے لگے تو انہوں نے مسالے دارانڈے اور پراٹھے بنوا کے ساتھ رکھ لئے۔ اس پروگرام میں ان کے ساتھ دو مولوی بھی تھے جو شاید ایک rigid school سے تعلق رکھتے تھے اور دوران گفتگو یہ کہتے بھی جاتے تھے کہ وہ پیری فقیری کو نہیں مانتے ہیں۔ وہ

دونوں ان کے ساتھ تھے لیکن ان کا مزاج ذرا مختلف تھا۔ جب وہ پہاڑ چڑھ رہے تھے تو دوپہر کا وقت تھا ان دوستوں میں سے مولوی صاحبان نے کہا کہ دیکھو بھائی ہم لال شاہ کے پاس جا رہے ہیں ہمیں وہاں خوار ہونا پڑے گا۔ سنا ہے بابا سر پہ ڈنڈے مارتا ہے اور دشنام طرازی بھی کرتا ہے لہذا آؤ پہلے کھانا کھالیں۔ شاید واپسی پر یہ کھانا ہی نصیب نہ ہو لہذا ان مولوی صاحبان کی منشاء کے مطابق چاروں نے وہیں پہنچا اور پراٹھے کھائے۔ یہ بات مجھے چار دوستوں میں سے تین لوگوں نے بتائی کہ جب وہ اس جگہ تک پہنچے تو بابا ایک دم سونٹا لیکر ان پہ لپکا اور خاص طور پر مولوی صاحب سے کہا کہ اچھا انڈے اور پراٹھے نیچے کھا آئے ہو اور میرے پاس خالی ہاتھ آئے ہو یہ بات سن کر انہوں نے دوڑ لگا دی اور بھاگنا شروع کر دیا اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس قسم کے بے شمار واقعات ہماری زندگی میں مخصوص افراد سے وابستہ ہو جاتے ہیں کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایک بندے کی غیر معمولی صلاحیت کی وجہ سے اسے غیب کا عرفان یا ادراک ہو جاتا ہے۔ خواتین و حضرات! اگر یہ تمام sources ہی انسان کو اتنا غیر معمولی ادراک اور عرفان دے سکیں تو **virtually** ان کی **explanation** اور ان کا **source** متعین کرنا کسی صاحب عقل و فہم کے لیے ممکن نہیں ہے تو اس شخص کی کیا بات ہوگی۔ جس کے علم اور شعور کا واحد **source** اللہ ہے۔ اب اس سے کیا سوال کروں۔ مجھے بتائیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کا کیا **source** ہے۔ دنیاوی طور پر آدمی ہیں۔ ان کا ہر کوئی استاد نہیں ہے۔ انہوں نے کسی درس گاہ کی دہلیز عبور نہیں کی۔ انہوں نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ اختیار نہیں کیا۔ بھولے سے بھی کوئی کتاب ہاتھ میں نہیں لی۔ پردے کا یہ عالم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعر پڑھا۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے شعر غلط پڑھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر پڑھا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق نے عرض نے کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے شعر غلط پڑھا اور رب کعبہ کی قسم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو شعروں کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہیں آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ شاعر ہیں اور نہ شاعر مزاج ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

لئے شاعری ایک معمولی نوعیت کی چیز ہے۔ یہ عام انسان کے لئے ایک اعزاز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے بڑے اعلیٰ ترین علم کی اعلیٰ ترین فضیلت کے لیے پیدا کیا ہے۔ خواتین و حضرات! پھر وہی سادہ سا سوال کہ آپ اس شخص کی علمیت کو کیا جانچیں گے جس کا واحد ذریعہ ادراک اللہ ہے۔ کوئی انسان ایسا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمیت پہ شبہ کر سکے اور کوئی انسان ایسا ہے جو ان کے حضورِ غیب و شہود کی داستان بول سکے کیونکہ رسول اللہ کا غیب بھی اللہ ہے اور شہود بھی اللہ ہے۔ اب اس مقام پر اس زمانے میں ہمارے جیسے لوگوں کا بار بار question کرنا اللہ کے رسول کے لیے ایک الزام ہے۔ ذرا آئیے کم فہمی کے کرشمے دیکھئے۔ جب نقاد کم علم ہوگا دو چیزوں کا تعین کرنا پڑتا ہے۔ خواتین و حضرات کم علم صاحب علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہ اصول علم ہے کہ ایسا شخص جس کا علم نہایت محدود ہو، اس شخص کا احاطہ نہیں کر سکتا جس کا شعور علمیہ اور تعلیم اس سے زیادہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک شاگرد اپنے استاد کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ ایک میٹرک مالپ علم اپنے ایک MA پاس استاد کے علم کا احاطہ اس لیے نہیں کر سکتا کہ اس کی informations محدود ہیں اور اس کے علم کی سطح نہایت پست اور معمولی ہے۔ اب وہ لوگ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمیت پر نکتہ گیر ہیں وہ کیونکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ اگر ان کو بتایا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا پتا تھا اور کیا نہیں پتا تھا۔ کیا خدا نے ان کو بتلادیا ہے کہ ان کے رسول کا اتنا علم تھا اور اتنا نہیں تھا۔ کیا ان کے title میں locality ہے۔ کیا خدا نے اپنے رسول کے علم میں local effects رکھے ہیں؟ عیسیٰ کے بارے میں تو کہہ دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ مسیحی کے بارے میں کہہ دیا تھا کہ یہ اپنے گروہ کے پیغمبر تھے۔ نوح کے بارے میں کہہ دیا تھا کہ یہ اپنی قوم کے پیغمبر تھے۔ لوط کے بارے میں کہہ دیا تھا کہ یہ عاد و ثمود کے پیغمبر تھے۔ what about محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ ان کے بارے میں کیا کہا کہ یہ آدم سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اسی پیغمبر کے صدقات چل رہے تھے۔ یہود کا اپنا پیغمبر موجود تھا۔ موسیٰ موجود تھے۔ عیسیٰ موجود تھے۔ اسحاق موجود تھے۔ ابراہیم موجود تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ اے قوم یہود

تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے پہلے بھی اسی کے وسیلے سے مجھ سے دعائیں مانگتے تھے اور میں قبول کرتا تھا۔ کیا ان کے اپنے پیغمبر موجود نہیں تھے؟ کیا وہ موسیٰ کے حوالے سے نہیں مانگتے تھے؟ کیا وہ عیسیٰ کے حوالے سے دعائیں مانگ سکتے تھے؟ کیا بنو ابراہیم، بنو عدنان، معد بن عدنان اپنے اباؤ و اجداد کے حوالے سے دعائیں مانگ سکتے تھے؟ پھر قرآن کیوں یہ بات کہتا ہے کہ اے بنو اسرائیل تم اتنے جاہل، اجڈ اور جھوٹے ہو کہ تم آخر الزماں نبی کے آنے سے پہلے انہی کے وسیلے اور توسط سے میرے حضور دعائیں مانگا کرتے تھے اور میں قبول کرتا تھا۔ اب جبکہ یہ نفس نفس تمہارے درمیان موجود ہے تو تم اس کا انکار کر رہے ہو۔ خواتین و حضرات! جیسے کسی شہنشاہ عالی وقار کے آنے سے پہلے بارگاہیں لگائی جاتی ہیں۔ راستے ترتیب دیے جاتے ہیں۔ بانات بچھائی جاتی ہیں۔ تمام پیغمبروں نے آدم سے خاتم تک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذہانت اور علمیت کی شہادت دی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی شہادت دی۔ تو ریت سے برنباس کی انجیل غائب ہو گئی۔ انا جیل سے حواریوں کے باقی مقدمات اور بیانات تو قائم رہے، مرقس قائم رہا، متی قائم رہا، یوحنا قائم رہا مگر برنباس کی پوری پوری روایتیں ختم ہو گئیں۔ اس لئے ختم ہو گئیں کہ برنباس کہتا ہے کہ جناب عیسیٰ نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے بعد آئیں گے اور میں ان کے جوتے کے تسمے باندھنے والا ہوں گا۔ کی تمام روایات اس لئے کھو گئی ہیں کہ عیسائیوں کو قابل قبول ہی نہ تھا کہ برنباس کی تمام کتابی روایت جو اول و آخر ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی مرتبت کے ذکر سے معمور رہے اور اس کے بارے میں christians نے الزام لگایا ہے کہ کسی مسلمان نے یہ لکھ کر ہماری انا جیل میں داخل کی ہے۔

خواتین و حضرات! برنباس کی انجیل کے بارے میں یہ اعتراض کیا گیا کہ پوپ پال کے دو سو سال بعد کسی مسلمان نے لکھ کر ہماری انا جیل میں داخل کر دیں۔

خواتین و حضرات! اگر یہ اعتراض درست ہو تو باقی انا جیل کا پایہ استحقاق کیا ہوگا۔ اگر انا جیل میں اس طرح داخل ہوتا اور اس طرح نکالا جاسکتا اور وہ black & white کا تہا تو اس کو اس

کے پادریء اعظم نے کہا اب ہمیں انا جیل کی دستاویز تیار کرنی چاہیے جب black نے وہ دستاویز تیار کرنے کے لئے جب مطالعہ شروع کیا تو اس کو پتا چلا کہ جو انا جیل کے تیرہ versions ہیں وہ سب کے سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ خواتین و حضرات! اس کا reaction یہ ہوا کہ کیا ہو سکتا تھا کہ breadlaw عیسائیت چھوڑ گیا اور وہ secularism کا اصلی بانی ہوا ہے۔ اور اس نے ایک جملہ لکھا:-

if you want to be a secularist then you have to be a complete atheist.

کہ اگر تمہیں secularist بننا ہے تو سب سے پہلے مکمل انکارِ خدا کرنا ہوگا۔ اس کے پاس جو کتاب موجود تھی کم از کم وہ اس کو شبہ میں ڈال گئی کہ اگر تمام انا جیل اسی طرح لکھی ہوئی ہیں، ان کی علمیت اسی طرح کی ہے کہ جو جب چاہے گھڑ دے اور statement داخل کر دے۔ تو پھر تو christianity کا کوئی پایہ استحقاق نہیں ہے۔ ”يَحْرَفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ“ (النساء: آیت 46) تم نے جانتے بوجھتے اس کتاب میں تحریف کی اور اس کے معنی بدل دیئے اور اس کا text بدل دیا۔ مگر ہم تمہیں اپنی کتاب سے یہ کام نہیں کرنے دیں گے۔ اللہ نے کہا کہ ہم تمہیں اپنی کتاب سے یہ فضول حرکت نہیں کرنے دیں گے۔

خواتین و حضرات؟ ابھی سوال جاری رکھے ہوئے ہے کہ ایک سیانے آدمی نے Discover کر لیا کہ آج کے بعد حجت پوری ہو جائے گی۔ اگر حجت پوری ہو گئی تو اس امت کو عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ حضرت سیدنا امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھٹنوں کے بل گرے جلال مصطفیٰ کو دیکھا، جلال علمیت پیغمبر کو دیکھا۔ گھٹنوں کے بل گرے عرض کی اے اللہ کے رسول ہم اسلام سے راضی، ہم قرآن پر متفق، ہم آپ کی رسالت پہ بالکل راضی، یا رسول اللہ اس غصے کی آگ کو دھیمہ فرمائیے ورنہ اس امت پہ بڑا عذاب آئے گا۔ جب یہ انکساری دیکھی، یہ محبت کا عالم دیکھا، اصحاب کی آہ و زاری دیکھی تو علمیت کا آفتاب دھیمہ پڑا لوگوں نے نظر اٹھائی تو رسول اللہ نے فرمایا اس دیوار کے قریب مجھے جنت اور دوزخ دکھائی گئی اور ایک کتاب میں

قیامت تک آنے والے لوگوں کی وہ فہرستیں دکھائی گئیں۔ خواتین و حضرات! یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ یہ راہ گذرے کی حدیث نہیں ہے۔ یہ مسلم کی حدیث ہے۔ یہ متفق علیہ حدیث ہے۔ بڑے عجیب و غریب آدم ایسے گذرے ہیں کہ جو اپنی مرضی کا کام ہو درست ہے اور جو اپنی مرضی کے مطابق نہ ملے حدیث ہی کمزور ہے۔ خواتین و حضرات! اکثر یہ دیکھا گیا کہ متفق علیہ احادیث کے ہوتے ہوئے مسئلہ حل ہونا چاہیے اگر آپ کہو کہ حدیث کا ذکر کیا تو فرمایا میں تو اصولاً اس کی وضاحت تو کوئی بھی نہیں کر سکتا اور اگر یہ شادی شدہ لوگوں کو واقعات پیش آتے تو اپنی عورتوں کو بالکل علیحدہ بند کمروں میں بکری کی میٹنیاں گننے پر لگا دیتے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضاحت نہ فرماتے اور وہ قوانین زندگی یا ازدواجی عائلی زندگی کے اصول نہ دیتے اور اس میں آیت کی وضاحت نہ فرماتے تو کیا کسی کو کیا پتا لگتا کہ قرآن کس اصول میں بات کرتا ہے اور رسول و ضاحت علمیہ فرماتے ہیں۔ اگر وہ نہ فرماتے تو یقین جانئے کہ قرآن کسی بھی فہم و ادراک سے بالا ہوتا۔ اسی لئے اللہ کے رسول کی علمیت کے بغیر قرآن کی وضاحت اللہ کو کسی قیمت پر قابل قبول نہ تھی۔ اب میں آپ سے ایک اور حدیث کا خصوصی ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ کہ دیکھئے کہ عالموں نے کتنی حماقت کی اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجتہادی غلطی فرمایا۔ اب غور کیجئے کیا وہ علمیت تھی یا اجتہادی غلطی کہ کھجور کے موسم میں جب ایک گروہ پوچھنے آیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری کھجور کی فصل ہے ہم اسے پیوند لگاتے ہیں فرمایا ہمیں تو پیوند پسند نہیں۔ لہذا انھوں نے پیوند نہیں لگایا۔ فصل خراب ہوئی گلہ شکوہ لے کے آئے کہ یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فصل تو اچھی نہیں ہوئی آپ نے کہا تھا اور suggest کیا تھا اور ہم نے ویسا ہی کیا لیکن فصل اچھی نہیں ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تو انسان ہوں۔ یقین جانئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی۔ یہ ایک ایسا خفی تعلیمی درجہ ہے کہ جو بہت بڑے استاد کو ہی یہ فن آسکتا ہے کہ لوگوں کو کس کس طریقہ سے سبق دیا جاتا ہے۔

خواتین و حضرات! یہ مسئلہ تجربہ تھا اور وہ تجربہ جو صدیوں سے انسانوں کے معمول میں رہا۔ وہ تجربہ اور دوسرے تجربات جنہوں نے انسانی علم کو بڑھایا۔ پھر ان تجربات میں سے ایک

تجربہ افزائش خوراک کے لئے ان کو پیوند لگانا ہے اور عرصہ دراز سے وہ طریقہ مستعمل تھا، معتبر تھا اور پھر وہ شخص کیوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے فوائد پوچھنے آئے۔ کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا فرمایا۔ جبکہ اتنا علم تو خود بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے اور انہیں بھی پیوند کے فوائد کا پتا تھا۔ پھر کیوں فرمایا کہ میں پیوند پسند نہیں کرتا۔

خواتین و حضرات! بات صرف سادہ سی تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی تجربے کی اہمیت کو واضح کیا کہ تم لوگ باوجود جاننے اور مسلسل objective معروضی تجربات رکھنے کے باوجود کسی پیر فقیر کے پاس کیوں جاتے ہو اور دعا کرواتے ہو۔ رسول اللہ نے آپ کا کسی فقیر کے پاس جا کر اس سے دعا کروانے والی اس اوٹ پٹانگ حرکت کا سدباب کرنا تھا۔ تجربہ اور شہادت یہ وہ چیزیں ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعا کو اس میں شامل کر کے بتایا کہ objective attitude کو کبھی ignore نہ کرو، معروضی علم کو کبھی نظر انداز نہ کرو اور بحیثیت استاد خود بھی اس کو دیکھا اور اس چیز کو پرکھا اور اپنے لوگوں تک یہ نتائج پہنچائے اور یہ کہ اے مسلمانوں دعا ٹھیک ہے فائدہ ضرور حاصل ہوگا مگر کبھی بھی وہی بات جو اللہ نے قرآن میں کہی کہ لڑنا چاہتے ہو تو گھوڑا اور تلوار تیز رکھو۔ اسباب جو دنیا کے ہیں تمہارے پاس کم ہیں تو کوئی بات نہیں میں مدد کرنے والا ہوں مگر جتنا بھی ہو ان کو تیار رکھو۔ ان کی تیاری میں کسی قسم کی کمی نہ ہو اور وہ تمام معروضی objective جو ہیں وہ تم بھی achieve کر سکتے ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ انگریز اگر اتنی محنت کرے اتنا زیادہ laboratory work کرے۔ پندرہ سال fleming بیٹھا ہے۔ بارہ سال نیوٹن بیٹھا ہے پچیس سال ہزش ہرش بیٹھا ہے اور تم چاہو کہ تم چھ مہینوں میں صرف دعا کروا کے electricity کے laws دریافت کر لو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہوگا۔ یہ بہت بڑا سبق تھا جو علمیت کے میدان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری انسانیت کو دیا کہ objective اور معروضی علم کو کبھی نظر انداز نہ کرو۔

خواتین و حضرات! یہ chapter اتنے طویل ہیں۔ میں آپ کی مدد کے لئے تھوڑا سا add کروں گا۔ یوں تو کبھی موقع ملتا رہے تو حدیث تو ایک دن میں پوری نہیں ہوتی۔ نہ تعلیم

حدیث ایک دن میں پوری ہو سکتی ہے نہ ہی صفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احاطہ، آپ رحمت العالمین ہیں۔ ہم تو ایک عرصہ حیات میں ہیں۔ ایک مختصر سے وقت میں اتنی بڑی تعریف، اور ایک مختصر سے لہجے میں ایک کم تعلیم یافتہ زبان میں اتنے بڑے کام کو نمٹانے کے لئے بڑا وقت چاہیے۔ بڑی عمر چاہیے۔ رحمتہ العالمین کے حقائق بیان کرنے کے لئے عالمین کی عمر تو چاہیے اور وہ ممکن نہیں۔ پتا نہیں ہر زمانے میں وہ کیسے ہوں گے۔ ہفت کائنات میں وہ کیسے ہوں گے۔ ہفت زمینوں میں وہ کیسے ہوں گے اور جب ان کا ہم گئے گزروں کی قبروں پر دورہ گزرتا ہے۔ اور لاکھوں کروڑوں لوگ جب مرتے ہیں اور سب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ مبارک دکھائی جاتی ہے۔

وہ کیا اصول ہوں گے اور جب فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ مبارک کے مقابل پوچھتے ہوں گے کہ اس مرد کے بارے میں کیا کہتے ہو جن کی شبیہ تمہارے سامنے ہے۔ مزارِ مبارک کے اندر سے uncertainty پوری ہو رہی ہو اور وہ جو سائنسدانوں نے کہا کہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ایک ایٹم جو یہاں موجود ہے وہ باہر بھی موجود ہے۔ اس سے آگے بھی موجود ہے۔ کائنات کی وسعتوں میں وہ جا بجا نظر آتا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہی ایک ایٹم کوئی دوسرا نہیں ہے اور یہ عجیب و غریب بات ہے کہ مقام الوہیت ہو یا مقام رسالت ہو ان کا فہم و ادراک ان کی بہتری، ان کو سمجھنے کی آسانی۔ بد قسمتی سے اپنے علماء سے نہیں ملتی، اپنے سوچنے والوں سے نہیں ملتی۔ دیکھئے تو شہرہء آفاق سائنسدانوں کو اگر چہ وہ ایمان والے نہیں مگر وہ تصدیق حقائق اپنے لوگوں سے ملنے کے بجائے غیروں سے ملتی ہے اور خدا نے ان کو حکمت میں بھی نوازا، کسی کو کبھی علم سے نوازا کسی کو حکمت سے نوازا اور یہ سلسلہ تعلیم چلتے چلتے بالآخر اس فیصلہ کس بات پر منتج ہوتا ہے کہ اگر انسان خدا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتا، اس کی علمیت کا ادراک کرتا جو خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا اور اس علمیت کو follow کرتا جو رسول اللہ نے انسانوں کو دی۔ اگر حضرت انسان اس نکتے کا ادراک حاصل کر لیتا تو پھر ہرگز اسے یہ مشکل نہ آن پڑتی کہ اس کائنات کو ایک شخص نے کیونکر دلیل غالب سے قطع فرمایا۔

حضرت انسان کی سب سے بڑی منزل اس منزل کو پورا کرنے سے پہلے راکٹ پھینکے جا رہے ہیں۔ تسخیر ماہتاب کی جا رہی ہے۔ مرتخ وزہرہ کا خیال ہے۔ زحل تک پہنچیں پھر millions and trillions years-light کی galaxies تک جانے کا خیال آئے گا۔

آب و گیاہ کے نئے source ڈھونڈے جائیں گے۔ nuclear اور fuel کے نئے source ڈھونڈے جائیں گے۔ fusion اور defusion کے ڈھونڈے جائیں گے۔ مگر ایک شخص اس سے بہت پہلے جب کوئی سائنسی اصطلاح نہ تھی، کوئی سائنسی information نہ تھی، کوئی سائنسی آلہ نہ تھا، ان ساتوں کائنات سے بالا جنت ارضی و سماوی سے گزرتا ہوا حضور یزداں میں پہنچا۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور یہ شب معراج کو واقعہ پیش آیا۔

خواتین و حضرات! غائرانہ نظر بھی ڈال دی جائے تو سارے آسمانوں زمین سے گزرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمیت کا پایہ استحقاق کیا ہوگا۔ کائنات میں اگر آخری تک چلا جائے۔ اگر علم ہی جواز ہے اور غیب ہی کسی کی کم علمی کا جواز بنتا ہے۔ کسی چیز کا نہ آنا ہی کم علمی ہے، نہ جانا ہی کم علمی ہے تو تمام علوم بھی جمع کر لئے جائیں۔ تمام علامہ وقت بھی جمع کر لئے جائیں، تمام دانشور اور حکیم جمع کر لئے جائیں تو ابھی تک ایک بات تو یقینی ہے کہ علمیت کے اس معیار میں تصور ملاقات یزداں کسی میں قائم نہیں اور صرف ایک شخص ان تمام معیارات کو عبور کرتے ہوئے علمیت کے اس مقام کا دعویٰ رکھتا ہے کہ تمام کائناتوں کا غیب صرف اللہ ہے اور ایک شخص حضور یزداں vision of God کا دعویٰ رکھتا ہے اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جن کے بارے میں مقام سدہ پر جبرئیل جیسے نورانی فرشتے نے کہا کہ اگر وہ یہاں سے ایک بال کے برابر بھی آگے بڑھے تو اس کے پر جل جائیں گے۔ لیکن دوسری طرف رسول کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے آسمانوں کے سفر دوران میں ملائکہ کے صریح نامہ کو بھی سنا ہے۔ اور میں پھر ایسے مقام پر پہنچا۔ جس کے لئے عرب کے لوگ ”فکان قباب قوسین او ادنی“ (النجم: آیت 9) کا محاورہ فاصلے کے لئے نہیں بولتے۔ بلکہ انتہائی

قرب کا جب بیان کرنا مقصود ہو تو ”فکان قاب قوسین او ادنیٰ“ کا محاورہ بولتے ہیں یعنی اتنے قریب تھے جتنی دو بھویں۔ میری بھوؤں کے درمیان تو فاصلہ ہے لیکن کچھ لوگوں کی بھویں تو ملی ہوئی بھی ہوتی ہیں یعنی ایسے جیسے اللہ اور رسول باہم ملے ہوئے تھے۔ اکٹھے تھے، ایسے مگر اس سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے اور یہ رسول اللہ کی علیت کا مقام ہے کہ اتنی قربتوں کے باوجود priority کا تصور برداشت نہیں کرتے۔ خلاق عالم کا درجہ اپنا ہے اور مخلوق میں افضلیت کا درجہ اپنا ہے۔ پیغمبروں نے اپنے مقام سے گزرنا ہوتا ہے۔ موسیٰ کلام خداوند کی برکات حاصل کر گئے۔ اللہ سے کلام کی برکات حاصل کر گئے۔ عیسیٰ کو روح اللہ سے مدد دی اور ”وایدناہ بروح القدس“ (البقرہ: آیت 87) مگر ایک شخص جو چاہیے تھا کہ مقام علم میں شہادت مکمل نہیں ہوتی۔ خوف میں بھی شہادت مکمل نہیں ہوتی۔ میں آپ کو بیان کر رہا ہوں مگر کیا شیر آیا، شیر آیا سے شہادت پوری نہیں ہوتی۔

شیر کو دیکھنا نہ ہو تو شیر کا خوف دلانا کیسا خوف یعنی بغیر vision کے شہادت پوری نہیں ہوتی۔ محبت پوری نہیں ہوتی بغیر vision کے شہادت پوری نہیں ہوتی کیونکہ پیغمبر عالی مقام کو علیت کے ایسے مقام پر پہنچانا تھا۔ اسے شاہد اور نذیر کہلوانا تھا۔ یہ دونوں لفظ بغیر vision کے پورے نہ ہوتے۔ اس لئے اگر کوئی کائنات کا سب سے بڑا غیب ہے تو اللہ ہے۔ اگر اس کائنات غیب پر کسی نے نظر شہادت دی ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ ہیں۔

وما علینا الا لبلاغ

سوالات و جوابات

کیا رسول قبر میں تشریف لاتے ہیں؟

سوال: کیا قبر میں مومن کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ نظر آئے گی؟

جواب: ہاں سوال تو آپ کا دلچسپ ہے۔ میں بھی تو سوچتا رہتا ہوں کہ photosynthetic

process ہوگا یا دروازہ قبر کشادہ کر دیا جائے گا۔ زمان و مکان کے فاصلے ختم ہو جائیں گے face to face۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی مرتبت کو in person دکھایا جائے گا خواتین و حضرات! اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ہمارے اندازے غلط نکلتے ہیں۔ اگر ایک شخص مجھے یہ کہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کروں کہ آپ اللہ کے حضور اس کی مغفرت کی دعا کریں تو قبول نہیں ہوگی اور اگر یہی دعا روضہ رسول پہ جا کر کریں تو قبول ہوگی میرے نزدیک یہ ایک funny سی بات ہے۔ اس لئے میں آپ کو ضرور ایک بات بتانا چاہتا ہوں کہ جب ہم عقلاً طور پر غور کرتے ہیں تو بعض باتیں بڑی ناقص نکلتی ہیں۔ میرے پاس ایک خاتون آئیں اور انہوں نے کہا کہ روضہ رسول پہ جا کے دعا مانگنا جائز ہے۔ مگر یہاں مانگنا جائز نہیں تو میں نے اس سے کہا کہ یہاں کیوں جائز نہیں۔ کوئی reason ہوگی میں نے اس سے کہا کہ لگتا یہ ہے کہ جیسے مجھے فاصلہ لگ رہا ہے گو جرخان سے مدینہ تک کا تمہیں بھی لگ رہا ہوگا اور ہمارے ہاں جو چیز حائل ہے۔ جہاں میرے اور میرے رسول کے درمیان جو چیز حائل ہے وہ کچھ سڑکیں۔ کچھ دیواریں، دو چار نہریں۔ اگر روح کی definition میں بھی یہ فاصلے آتے ہیں اور زمان و مکان اسی طرح حائل ہوتے ہیں جیسے ہماری زندگی میں حائل ہوتے ہیں تو پھر تو تمہاری بات قابل تسلیم ہے اور اگر روح کا مطلب یہی ہے نہ مرنے کے بعد ہماری روح زمان و مکان کی گرفت سے نکل جائے اور کسی ایسے عالم میں چلی جائے جہاں اس قسم کے barriers جو ہیں ناقص بن جائیں اور یہی عالم برزخ اور عالم ارواح میں سنا۔ اسی طرح جب مطیع جنات اپنے وجود سے خارج ہوتے ہیں تو انکی travelling اور رفتار بہت fast اور ان کے لئے فاصلے بے معنی ہو جاتے ہیں۔ درحقیقت مرنے کے بعد یہ فاصلے کسی روح کی راہ میں حائل نہیں ہوتے۔ کوئی دیوار ان کے رستے میں حائل نہیں ہوتی اس لئے، میرا نہیں خیال کہ قبروں میں کوئی زمینی فاصلہ کوئی گرد، کوئی اینٹ، کوئی پتھر، کوئی روڑہ اور کوئی دریا اس vision میں حائل ہوتا ہو، جب خاص طور پر یہ حدیث موجود ہو کہ سکرات کے وقت ہی سے قرآن کہتا ہے، کہ آج اس کی آنکھ کیا تیز ہے کہ جو باتیں اس کو بتائی جاتی تھیں جس پر اس کو اعتبار

نہیں تھا آج خود اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کو دیکھتا ہے تو اگر سکرات کے وقت ہی سے آنکھیں اتنی تیز ہو جاتی ہیں تو پھر اسکے اپنے وجود کے حوالے سے بھی اس کی آنکھوں کے سارے حجاب اٹھ جاتے ہوں اور نہایت آسانی سے اپنے مقامات منازل کو دیکھ لیتا ہو۔ عین ممکن ہے کہ مرنے والوں کی نگاہوں سے سارے حجاب اٹھا کر ان کی نظر کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار مبارک تک پہنچا دیا جاتا ہو اور وہ بلا واسطہ ان کو دیکھ لیتا ہو۔

دین کا سرچشمہ _____ قرآن یا محمدؐ؟

سوال: دین کا ماخذ قرآن پاک ہے یا ذات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: ماخذ دین قول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کیونکہ جب اللہ نے ہمیں قرآن دیا تو ہمیں پتا نہیں تھا کہ یہ قرآن ہے۔ جب اللہ نے اپنی کتاب اتاری تو ہمیں بالکل پتا نہیں تھا کہ یہ کتاب اللہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے دو قول نکلے، انہوں نے ان دونوں کو جدا کیا اور کہا یہ میرا قول ہے اور یہ اللہ کی کتاب ہے۔ جب ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی ماخذ نہیں تو کتاب اللہ کے لئے قول رسول پہ بھروسا کرنا پڑتا ہے ورنہ ہمیں کتاب اللہ کی کوئی اور تصدیق نصیب نہیں ہوتی سوائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول مبارک کے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اور یہ میری حدیث ہے۔ ایک لحاظ سے اللہ نے اسی قول کی صداقت کو قائم کرنے کے لئے چالیس برس تک آقا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف اس لئے صادق اور امین کہلوا یا کہ کوئی شخص بھی ان کی کہی ہوئی بات پر شبہ نہ کرے اور اس کو ہر اعتبار سے یقین ہو جائے کہ نہ یہ امانت میں خیانت کریں گے اور نہ یہ صداقت میں جھوٹ ملائیں گے۔ جب ان کو قرآن دیا جائے گا تو لوگوں تک یہ قرآن کے پہنچائیں گے حتیٰ کہ یہ حدیث ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن میں کوئی آیتیں چھپاتے تو وہ آیت چھپاتے جس میں انہیں سیدہ زینبؓ سے شادی کا حکم دیا تھا۔ مگر اللہ کے رسول خیانت دار نہیں تھے۔ تو حدیث یہ بتاتی ہے تمام کتاب الہی یہ بتاتی ہے کہ اللہ کا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول حجت ہے صداقت۔

قرآن پر اور صداقت قول مبارک پر۔

کیا اللہ کے لئے گرامر اور ہے؟

سوال: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا لقب ہے شیر خدا جب انہیں اس لقب سے پکارا جاتا ہے تو اس سے ان کا رتبہ بڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے۔ آپ اور باقی دوسرے لوگ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ واحدہ لا شریک ہے تو اس کے لئے جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا جاتا تھا۔ واحد کا کیوں نہیں؟

جواب: میرے نوجوان دوست یہ تو بڑی سادہ سی بات ہے کہ جب single کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا جائے تو اس وقت سنگل کی عزت مراد ہوتی ہے، اس سے اس کی وحدت اجتماع میں نہیں ڈھل جاتی بلکہ اس سے اس کی عزت اور اسکی عظمت مراد ہوتی ہے۔ مصیبت یہ ہے نا، میرا خیال ہے کہ آپ کو لکھنؤ سکول کی ادبیت کا علم ہے اور نہ ہی دلی سکول کی ادبیت کا پتا ہے۔ زبان اپنے انداز میں عزت و تکریم کے جو الفاظ چنتی ہے اس میں کسی فرد کی بہت بڑی عزت اس وقت قائم ہوتی ہے، جب اس میں اجتماعی لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اب دیکھئے سرکار فرماتے ہیں، یہ صرف خدا کے ساتھ تخصیص نہیں ہے بلکہ تمام بڑے لوگوں کو جب ہم عزت دینا چاہتے ہیں تو ادب کے تقاضوں کے مطابق ہم ان کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

سزا، جزا، جنت اور دوزخ کا حقیقی تصور!

سوال: سزا اور جزا کا تصور کیا ہے اور اس کے پیچھے جنت اور دوزخ کا تصور کیا ہے؟

جواب: حضرات گرامی ایک بڑی عجیب سی بات آپ کو بتاؤں کہ کہا جاتا ہے کہ خدا زمین پہ بہت ساری نا انصافیاں دیکھتا ہے۔ حلال و حرام دیکھتا ہے۔ بہت سارے قتل و غارت دیکھتا ہے اور مداخلت نہیں کرتا۔ اب مسئلہ یہ ہے جو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کمرہ امتحان میں ممتحن

کسی قسم کی مداخلت کا حق رکھتا ہے۔ جب اس پورے عرصہ زندگی میں تمام انسانوں کو مختلف situations میں رکھ کر آزمایا جانا مقصود ہو تو پھر اللہ زمین میں کیوں مداخلت کرے۔ زمین میں جزا دسزا کیوں سمجھی جائے۔ زمین میں اگر ایک شخص ظالم کی حیثیت سے آزمایا جا رہا ہے تو وہی شخص شاید مظلوم کی حیثیت سے بھی آزمایا جا رہا ہے۔ آپ اپنے سامنے غور کر کے دیکھئے۔ ایک شخص ایک وقت میں عزت و تکریم سے آزمایا گیا تو اسی شخص کو دوسری دفعہ غربت سے آزمایا گیا۔ نواز شریف آپ کے سامنے ہے۔ بے نظیر آپ کے سامنے ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو اور عصر جدید کے حکمران آپ کے سامنے ہیں۔

مجھے پتا ہے کہ آپ سارے دل میں اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب یہ عزت و تکریم بھی غربت اور مسکینی میں ڈھل جائے گا۔ آپ کو پتا ہے کہ یہ قانون اس لئے ہے کہ اصول وہی ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ ہر شخص گردش زمانہ کے انجام سے گزرتا ہے۔ ”تلك الايام نداولها بين الناس“ (آل عمران: آیت 140) ہم لوگوں کی زندگی کے دن ایک جیسے نہیں ہوتے اور خدا اس عرصہ امتحان میں مداخلت نہیں کرتا ہے۔ مگر اس سے کوئی بھی right of interference چھین نہیں سکتا۔ اگر کوئی بے انصافی ہو رہی ہے تو ہوا کرے۔ اس کے پس منظر میں وہ زمینی حقائق ضرور شامل ہوں گے جو کسی شخص کو اس نا انصافی اور آزمائش تک لاتے ہیں یہ ایک مخصوص ماحول اور معاشرہ ہوتا ہے جہاں کچھ قوانین سے انحراف انسانوں کو ایک بھیا تک خوف سے دوچار کر دیتا ہے۔ دیکھئے ہر ظالم، سرکش، متکبر، ہڈا، ہامان اور فرعون یہ کہتا ہے کہ اب تاریخ اپنے آپ کو نہیں دہرائے گی۔ ماضی میں ایسا ہوتا تھا لیکن لمحہ موجود میں ایسا نہیں ہوگا۔ اگر اس کے پاس عدل اور دانش ہو اور وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح سوچے تو اس کو معلوم ہوگا کہ تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ بش و ٹونی بلیئر کہتے ہیں کہ وہ اس بار تاریخ کا پہیہ روک لیں گے اس سے پہلے پندرہ ہزار سو ساٹھیاں تباہ ہو چکی ہیں۔ اس سے پہلے موئن جو دڑو (Mohenjodaro) فنا ہو چکا ہے۔ ہڑپہ فنا ہو چکا ہے۔ ایتھنز فنا ہو چکا۔ میسو پوٹیمیا فنا ہو چکا۔ _____ فنا ہو چکا۔ عادیثہ و تباہ ہو چکے، قوم مشرق و مغرب تباہ ہو چکی ہے، مگر بش

اور بلعیر کہتا ہے کہ وہ نہیں ہوں گے۔ ہم بالکل نہیں ہوں گے۔ تاریخ سے کون سبق سیکھتا ہے۔ تاریخ تو اپنے آپ کو دہرائے جاتی ہے۔ میرے محترم دوست خیر و شر اور حلال و حرام یہ تمام آزمائشیں ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ کہتا ہے کہ خیر و شر دونوں فتنہ ہیں۔ دونوں آزمائشیں ہیں۔ اقبالؒ نے کہا:

گفتہ کہ خیراوندہ شناسی ہمیں شراست

اگر تو شر میں خیر نہیں جانتا تو یہ بڑا اچھا ہے۔ اگر تم خیر میں شر سے آگاہ نہیں ہو تو یہ بھی شر ہے۔ دیکھئے حضورؐ گرامی مرتبت نے کیا خوبصورت بات فرمائی ہے کہ موت کی آرزو نہ کیا کرو۔ اگر کوئی شخص نیک کام کر رہا ہے تو شاید اس کی زندگی اس لئے طویل ہو رہی ہے کہ اس کے مراتب اور کار خیر میں اضافہ ہو اور اگر کوئی شخص گناہ کر رہا ہے تو اصولاً رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہنا چاہیے تھا کہ وہ اتنے گناہ کر لے کہ اس پر حجت نجات قائم ہی نہ ہو اور وہ اپنے مرتبہ اسفل تک پہنچے۔ مگر یہ نہیں فرمایا۔ کمال علم ہے کہ فرمایا شاید کہیں اسے توبہ کی توفیق مل جائے۔

حقیقت علم اور خدا شناسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرات محترم! آج کا عنوان حقیقت علم اور خدا شناسی یہ اتنا بڑا موضوع ہے کہ اس پر اگر گھنٹوں نہیں دنوں اور برسوں بھی گفتگو ہوتی رہے تو شاید کم مگر میں آپ سے یقیناً ایک بات جو کہنے آیا ہوں کہ علم کی تشنگی ایک ایسے سراب کی طرح ہے میرے دل میں اٹھی کہ سب کچھ پڑھنے لکھنے کے باوجود اپنی زندگی کے دو بنیادی سوال حل نہ ہو سکے اور میں نے اور لوگوں کی طرح قرآن اور حدیث کو ابتدائی عہد میں نہیں پڑھا بلکہ جب یہ تشنگی اتنی بڑھ گئی اور امن و سکون اور چین غارت ہو گئے اور جب کسی پل قرار نہ رہا تو مجھے ایک خیال آیا کہ آخر وہ کون سے بنیادی سوال ہیں۔ جن سے انسان کا ذہن مسلسل جدوجہد کرتا ہے۔ ایک بات مجھے کبھی اس وقت تک سمجھ نہ آئی تھی کہ میں عذاب قبر سے کیوں ڈروں۔ میں ملائکہ سے کیوں خوفزدہ ہوں۔ میں حساب کتاب کے ان تمام خیالات کو کہاں سے اور کس طرح Justify کروں۔ تو میرے ذہن میں صرف ایک خیال جو بڑا خیال آیا تھا وہ یہ تھا اور وہ ایک علمی حقیقت کے طور پر ابھرا کہ کیا مجھے یہ فیصلہ نہ کرنا ہوگا کہ میں زندگی میں آزاد ہوں کہ غلام ہوں۔

حضرات محترم! ابتدائے فکر میں قریباً قریباً تمام علمی ڈیٹا کا احاطہ کرنے کے بعد یہ سوال بڑی شدت اور بڑی بے چینی سے اٹھا کہ میں آزاد ہوں کہ میں غلام ہوں۔ حضرات محترم اس سوال کا حل ایک دوسرے بڑے سوال میں موجود تھا کہ اگر خدا ہے تو میں آزاد نہیں ہوں۔ اور

اگر خدا نہیں ہے تو میں آزاد ہوں۔ جب مسئلہ آگے بڑھا اور نوعیت یہ آگئی کہ مجھے میری آزادی، میرے اختیار کا سب سے بڑا حریف تصورِ خدا لگا۔ مجھے ایسے محسوس ہوا کہ ذہنی اور علمی سطح پر مجھے ہر مرتبہ ایک ایسی ہستی سے واسطہ پڑتا ہے کہ جو مشورت نہیں کرتا جو میری بات نہیں مانتا بلکہ اپنے مستقل قوانین کی صورت میں وہ خود بھی موجود ہے اس کا ایک لائحہ عمل بھی موجود ہے ایک کتاب علم حکمت بھی موجود ہے۔ ایک ایسی کتاب جس کا یہ دعویٰ ہے کہ ہر لفظ میرا لفظ ہے۔ اللہ کا یہ کلیم ہے کہ ایک ایک لفظ ایک ایک آیت کو میں نے بڑے غور و فکر سے سمیٹا ہے۔ لکھا ہے۔ اور قیامت تک میرا لکھا ہوا یہ ہر لفظ غیر متغیر ہے اور میری سنت غیر متغیر ہے۔ میرا خیال غیر متغیر، حضرات گرامی! علم کیا چیز پیدا کرتا ہوگا اور علم کی حیثیت خدا کے نزدیک کیا ہوتی ہوگی اور کیا اعمال ظاہرہ جو ہم اپنی زندگیوں میں ایک ایکڈیمک سٹائل سے جس میں نماز شامل ہے، روزہ شامل ہے، زکوٰۃ و صدقات شامل ہیں۔ کیا مقصود پروردگار اعمال ظاہرہ سے اعمال ظاہرہ ہی ہیں یا ان سے بھی کوئی آگے بڑھتی ہوئی اپروچ نکلتی ہے۔ تو قرآن کے آغاز کے مطالعہ سے مجھے ایک فکری دھچکا تھا کہ پروردگار نے انسان کی زندگی علم سے شروع کی ہے اور انسانی زندگی کا ترفع، عروج، عزت اور وقار اس نے علم کے ایک اور محاکمے میں رکھا ہے کہ جب زمین میں چلتے پھرتے اس جنگلی اور وحشی انسان کو جو 80 لاکھ ارب 80 لاکھ سال سے زمین پر موجود تھا۔ جسے ہم ہومو ہومو ایکس اور ہومو اریکتس کہتے ہیں۔ جو ایک جنگلی اور وحشی جس کے پاس ایک کلہاڑا تھا اور جو شکار کے سوا کوئی شے نہیں جانتا تھا۔ جس کا Survival اتنا عظیم تھا کہ خداوند کریم کی آیت گرامی کے مطابق اس کو حرام و حلال کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ ”أُخْضِرَتِ الْأَنْفُسَ الشُّجْحَ“ (النساء: آیت 128) کہ ہم نے ہر جان کو بجل جان پہ جمع کیا ہے اور وہ انسان جو اتنے طویل بائیولوجیکل سفر کے بعد بھی اپنی جبلی زندگی کے حصار میں گرفتار تھا اس انسان کو اچانک ملا اعلیٰ کے اس خالق و مالک نے خلیفۃ اللہ فی الارض بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک نیچرل سی بات ہے حضرات گرامی جو آپ لوگ قرآن حکیم پڑھتے ہوئے کہ ملائکہ نے ایک اعتراض کیا اور اعتراض یہ کیا کہ پروردگار تو اس شخص کو خلیفۃ اللہ فی الارض بنانا چاہتا ہے کہ جو زمین میں ہمہ تن فساد میں قتل و غارت میں مشغول ہے، کیا یہ انسان اس قابل ہے، کیا

یہ ہم سے بہتر ہے، ہم جو ہمہ وقت تیری عبادت میں مستغرق ہیں۔ ہم جو ہر وقت تیرا نام لیتے رہتے ہیں، تیری تسبیح کرتے رہتے ہیں یہ انسان جسے زمین پر بھیجا جا رہا ہے یہ تو ابھی تک اپنی پراگریس کے مرحلے تک نہیں پہنچا اور اس میں ہم کسی آدمی کے شعور کو اجاگر ہوتا ہوا نہیں دیکھتے، کیا تو اس انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض بناتا ہے۔ ”قال انی اعلم مالا تعلمون“ (البقرہ: آیت 30) تم نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔ اس کے معاملات کیا ہیں، اس کے خیالات کیا ہیں، اس کی کوالٹی کیا ہے، اس کو میں اچھی طرح جانتا ہوں اور حضرات گرامی پھر ایک معمولی سائینٹ دیا ایک معمولی نوعیت کا امتحان دیدیا اور وہ امتحان یہ تھا۔ ”وعلم آدم الاسماء کلھا“ (البقرہ: 31) ہم نے آدم کو اسماء کی تعلیم دی۔ ایلفا بٹ سکھائے، تختی لکھوائی (آیت) اور خالی آدم کو نہیں لکھائی (آیت) پھر وہی تختی وہی ایلفا بٹ وہی کتاب ابجد ملائکہ کو بھی دی اور کہا کہ اگر تمہیں اپنی ذہانت اور خطابت، اگر اپنی علمیت اور شعور کا کوئی دعویٰ ہے تو میں تمہیں ایک مقررہ مدت دے دیتا ہوں۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب ابتدائی انسان Symbol سے حرف کی طرف آ رہا تھا۔ اور اشارہ اور کنایہ کو لینگوئج دے رہا تھا۔ اور ملائکہ کے اس اعتراض کے جواب میں حضرت خدا نے دونوں کو ایک ہی ٹیسٹ دیا اور کہا کہ کچھ عرصہ لے لو، کچھ صدیاں لے لو۔ ایک میلینیم لے لو اور اس کے بعد میرے پاس دو پارہ پلٹ کے آؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا کیا۔ وہاں ملائکہ کو دیر نہیں لگی واپس آتے ہوئے خواتین و حضرات، ملائکہ کو کچھ اپنی بے بسی کا احساس ہو گیا۔ انہوں نے اللہ کے حضور جو جواب دیا وہ بڑا قابل غور ہے۔ اور اسی میں شاید انسان کی فضیلت ہے۔ ”قالوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم“ (البقرہ: آیت 32) کہ ”اے مالک کریم تو پاک ہے اور پاک ہمیشہ اس وقت بولتے ہیں جب اپنی خطا کا احساس ذرا زیادہ ہو جائے تو ملائکہ نے کہا اے پروردگار ہم سے خطا ہوئی۔ ہم نے غلط اندازہ لگایا، ہمیں تو صرف اس بات کا علم ہے جو تو ہمیں دے دیتا ہے، جو تو ہمیں Feed کرتا ہے۔ خواتین و حضرات! یہ بات قابل غور ہے کہ ملائکہ صرف ایک Feed ڈیٹا پر چلتے ہیں۔ ان کی اپنی تحصیل، ان کا اپنا شعور، انکی اپنی Nutations نہیں ہیں۔ اس کے برعکس

جب اللہ نے انسان سے پوچھا ”قال یا آدم انبئہم باسمائہم“ (بقرہ: آیت 33) تو نے اس ایلفاٹ کیساتھ کیا کیا ان اسماء کے ساتھ کیا کیا۔ ”فلما انبئہم باسمائہم“ (بقرہ: آیت 33) تو آدم نے فر فر سنانے شروع کر دیے۔ By that time زمانے میں اس نے ہر چیز کا نام رکھ لیا تھا۔ اس کے خصائص مختص کر دیے تھے۔ اس نے اپنے اس فکری محاکے سے کام لے کر ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ کر دیا تھا۔ Intellect ایک بائیفریکٹری ایلیمنٹ کی طرح اس کے پاس تھی۔ Element ایک ایسے وجدان کی طرح تھی جو اشیا میں تخصیص کرتی ہے، جو شے کو شے سے جدا کرتی ہے۔ عقل زمانے کی طرح ہے اور زمانہ کا ٹی ہوئی تلوار ہے۔ علم چیزوں کے فرق کا سب سے بڑا پیمانہ اور میزان ہے اور آدم نے اس فرق کو اتنا نمایاں کر دیا کہ ملائکہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ جو اس کی اسمبلیشن ہے، جو اس کی پاور آف اسمبلیشن ہے، جو پاور آف ڈیمارکیشن ہے، جو یہ ماضی سے اپنے تجربات لے کے چلتا ہے، جنہیں یہ حال میں استعمال کرتا ہے، اور جو یہ مستقبل میں اشارات چھوڑ دیتا ہے۔ اس قسم کا کوئی ذہن ہمارے پاس نہیں ہے۔ خواتین و حضرات! اس علم برتری کے بعد اس محاکے کے بعد اللہ نے تمام ملائکہ کو اپنے تمام مقتدر ملائکہ کو تمام اعلیٰ ترین مخلوقات کو حکم دیا۔ ”واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم“ جیسے اس نے پہلے کہا تھا ان کو یہ کہا کہ اب تم اس آدم کو سجدہ کرو۔ ”فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ“ سوائے ابلیس کے تمام نے سجدہ کیا۔ خواتین و حضرات! یہ سجدہ صرف انسان کی علمی فوقیت کی بنیاد پہ تھا۔ یہ سجدہ تعظیم علمی مراتب کا اعتراف تھا۔ یہ انسان کے اس علمی سفر کا آغاز تھا اور یہ علمی سفر انسان نے دنیا ہی میں نہیں شروع کیا تھا۔ بات اس سے بھی ذرا پرانی ہے۔ خدا یوم میثاق کا ذکر کرتا ہے۔ خدا اپنی شناخت کا ذکر کرتا ہے۔ اپنی پہچان کا ذکر کرتا ہے اور جبراً اس پہچان کے اختیار کو ناپسند کرتا ہے اللہ ہر حال میں کسی بھی طریقے، کسی بھی قرینے سے اپنی مخلوق کی عبادت پہ حق رکھتا تھا مگر خدا کے ہاں ایک خواہش پیدا ہوئی۔ ایک عجیب و غریب خواہش ایک جینوین مفکر کی خواہش، خواتین و حضرات کہتے ہیں کہ تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس، دونوں ٹھیک نہیں ہیں۔ اگر جاننے والا، سخن شناس خاموش رہے اور اگر جاہل تعریف کرے تو دونوں ہی کسی اچھی شے کی صفات کو ختم کر دیتی

ہیں۔ خواتین و حضرات! یہی حال اللہ کا ہے۔ اللہ اس جبر کی اس عبادت سے کچھ اکتا سا گیا اور اس نے یہ چاہا کہ میں پہچانا جاؤں مگر خواتین و حضرات پہچان کے لئے تو عقل چاہیے۔ کوئی ایسی مخلوق بھی تو چاہیے جو اسے از خود پہچان لے جو اپنے تعقل سے کام لے کے پہچان لے، فرمایا اللہ نے کہ ”کننت کنزاً مخفياً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق“ میں چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں بہت بڑی ذات، میں کبریائی کا مالک تھا مگر مجھے کوئی جانتا نہیں تھا۔ اور جو کچھ میں پیدا کر رہا تھا ان کو تو میں خود کہ رہا تھا کہ میری عبادت کرو میں تمہارا رب ہوں اور ان کا اعتراف میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا تو پھر میرے دل میں اپنی شناخت اور پہچان کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ ”فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق“ میں نے مخلوق کو اپنے تعارف کے لئے پیدا کیا۔ یہ خود شناسی کی عظیم ترین خواہش کا نتیجہ تھا کہ مخلوقات پیدا ہوئیں مگر مخلوقات میں جبریت نے خود شناسی کی توہین کر دی اور پروردگار عالم اب یہ سوچنے لگ گئے کہ میں کوئی ایسی علمی قدر پیدا کروں کہ مجھے یہ احساس ہو کہ مجھے جس نے چاہا اس نے اپنے اختیار سے چاہا۔ مجھے جس نے چاہا اپنے شعور سے چاہا تو فرمایا ”انا عرضنا الامانة على السموات والارض و الجبال فابين ان يحملن ها و اشفقنا منها حملها الانسان“ (الاحزاب: آیت 72) کہ میں نے پھر امانت عقل و شعور پیش کی۔ آسمانوں پر زمینوں پر پہاڑوں پر، آسمانوں کی مخلوقات پر، زمینوں کی مخلوق پر اور میں نے کہا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اس امانت عقل و شعور کا حق ادا کرے گا۔ سارے ڈر گئے۔ سودا بڑا مشکل تھا ایک طرف جہنم۔ ٹوٹل پریڈیشن، ایلیمینیشن اور مدتوں کی بربادی سامنے نظر آئی تھی۔ کسی نے ہاتھ نہ رکھا (آیت) انسان نے آگے بڑھ کر کہا اتنی تو کوئی بات نہیں ہے۔ میں اس شعور کی حفاظت کر سکتا ہوں۔ اللہ مجھ سے یہی چاہتا ہے نا کہ میں اسے پہچانوں تو میں تو اس کے سامنے ہوں۔ مجھ سے یہ شعور چھینا تو جا نہیں سکتا۔ یہ بہت معمولی سا کام ہے جو میں نے اپنے عقل و فہم سے انجام دینا ہے۔ ”انہ کان ظلوماً جھولاً“ (الاحزاب: آیت 72) خدا نے اس پہ ایک جمنٹ دی کہ ظالم اور جاہل۔

خواتین و حضرات نہ ظالم کا مطلب ظالم ہے۔ نہ جاہل کا مطلب جاہل ہے۔ اگر

اصطلاحاً دیکھا جائے تو ظالم وہ ہے کہ جسے اچھی طرح پتا ہو کہ ایک کام ناقص اور ظلم کا ہے اور پھر بھی سرانجام دے اور جاہل وہ ہے جسے اچھی طرح علم ہو کہ عقل کیا کہتی ہے اور پھر بھی اس کیخلاف کام سرانجام دے تو انسان کو اچھی طرح پتا تھا اس نے عجلت میں ایک فیصلہ کیا۔ وہ اپنے آپ کو اوور اسٹیمیٹ کر گیا اور اپنی جاب کو انڈر اسٹیمیٹ کر گیا اور خداوند کریم کی اس آیت کا بڑا سادہ سا مطلب یہی ہے کہ انسان نے مجھے اور جس شناخت کے کام کو انڈر اسٹیمیٹ کر لیا اور اپنے آپ کو تفاخرات میں ایسا الجھایا کہ اپنے آپ کو اوور اسٹیمیٹ کر گیا۔ چھ ارب انسانوں میں سے آج بھی بہت کم لوگ ایسے نظر آتے ہیں کہ جو عقل و شعور کی آگہی کا اصل مقصد جانتے ہیں اور جو خداوند کریم کی شناخت کو اپنی Intellectual Curiosity کی ٹاپ Piriorty سمجھتے ہیں بلکہ آج بھی ہم دنیا کے سارے کام نبٹا کر ہم وہ کام نمٹاتے ہیں جو اللہ ہمارے لئے سرانجام دے رہا ہے اور وہ اتنی بڑی Misgiving ہے، اتنی بڑی Intellectual mistake ہے کہ خدا ہمیں اول سانس دیتا ہے، خدا ہمیں آخری سانس دیتا ہے۔ خدا ہمیں رزق دیتا ہے۔ خدا ہمیں بیوی بچے دیتا ہے، خدا بیویوں کو Husband دیتا ہے، خدا ان کو اولادوں سے مالا مال کرتا ہے، خدا انسان کو موت تک مصروف کار رکھتا ہے، اور ہمارے تمام لوگوں کا Literal faith یہی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے۔ لیکن ہم بضد ہیں کہ یہ سارے کام ہم کرتے ہیں اور جو کام ہم نے کرنا ہوتا ہے، وہ ہم نہیں کر رہے ہوتے۔

Today the basic fault in the Muslim philosophy is that we give lesser importance to the top priority and top importance to the lesser priority.

یہ اتنا بڑا اخلجان واقع ہو گیا ہے کہ آج کے زمانے میں اس پوری مذہبی عمارت کا مکین کھو گیا ہے اور اس پورے مذہبی دیار میں اللہ ایک اجنبی کی طرح ہے اور ہم میں سے کوئی شخص یہ شعور نہیں رکھتا کہ تمام مذاہب اللہ کے لئے تھے اور تمام عقل جو مذہب کا بنیادی رکن تھی وہ اندھا دھند اعتقاد میں

بدل گئی ہے۔ اور مذہب اور یہ واحد مذہب ہے دنیا کا جو نہ صرف Intellectual capacity کو دعوت دیتا ہے بلکہ یہ Intellectual capacity کو ہمہ وقت غور و فکر پہ آمادہ کرتا ہے اور اعلیٰ ترین مابعد الطبیعیاتی خیالات کیلئے ان کا رجوع پیدا کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے نزدیک بدترین انسان وہ ہیں کہ اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (الانفال: 8-22) کہ بدترین لوگ وہ ہیں جو اندھوں اور بہروں اور گونگوں کی طرح میری آیت کا مطالعہ کرتے ہیں جو غور و فکر کی صلاحیت کو کسی قیمت پہ میرے لئے استعمال کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور پھر بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں اور خدا کو یاد کرتے ہیں۔ خواتین و حضرات! قرآن حکیم میں مسلسل ایک طعنہ اللہ تعالیٰ مسلسل اہل کفر کو دیتا ہے کہ اگر تم سوچنے سمجھنے والے ہوتے اگر تم تھوڑا سا غور و فکر کرتے تو اندھا دھند تقلید نہ کرتے آباؤ اجداد کی اور تم غور کرتے سوچتے تو ضرور اپنے اللہ کو پہچان لیتے۔ اگر آج کا حال دیکھا جائے آپ Intellectually خدا کو نا انصاف تو نہیں مانیں گے۔ اگر ایک طعنہ اہل کفر کو دے سکتا ہے اللہ کہ تم عقل و شعور استعمال کئے بغیر آباؤ اجداد کی تقلید کر رہے ہو تو ہم میں اور اہل کفر میں فرق صرف اتنا ہے کہ ان کا دیوتا ہبل تھا۔ لات اور عزاتھے اور ہمارا دیوتا جس کا نام اللہ ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں خدا کے قرب کی کبھی سعادت نصیب ہوئی، نہ خدا کی محبت کا کبھی شعور حاصل ہوا۔ ہماری Priorities میں اللہ کبھی Exist نہیں کرتا، کہیں ایک فعال اور مقتدر حیثیت میں ہمارے کردار کا تشخص نہیں کرتا۔ کہیں اپنی خواہش کے خلاف اللہ کی حمایت کرتے نظر نہیں آتے۔ کہیں اپنے آسیب زدہ تصورات میں ہم خدا کو ایک حل کی طرح اختیار نہیں کرتے۔ خواتین و حضرات کیا یورپی Intellect اور ڈیٹا انفارمیشن اتنی بڑی تھی۔ کیا ادھر سے آتے ہوئے حقائق اتنے بڑے تھے۔ مجھے ایک صاحب، ہیڈ آف ڈی ڈی پارٹمنٹ، آسٹن یونیورسٹی نے طنزاً کہا کہ

How do you know the God, i have also spent my 14 years in search of God, but never found him.

تو میں نے کہا کہ پروفیسر صاحب

It is simply the search. God is not a by product of your mathematical researches.

He can't be found as a lesser interest.

یہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ راہ چلتے ہوئے نصیب ہو جائے۔ جب تک آپ اللہ کو اپنی Top priority نہیں بناتے۔ جب تک آپ اللہ کو وہ مقام نہیں دیتے جو اس کا ہے اور ذہن و عقل و شعور میں کوئی خالق اپنی مخلوقات سے کم ترجیح پہ کیسے راضی ہو سکتا ہے۔

How can a Prime Minister sit on a peon's chair.

خواتین و حضرات! خدا کی محبت علم کا شعور ہے، علم کی منزل ہے۔ مذہب طریقہ کار ہے۔ مذہب ایک محفوظ فضا ہے تمام مذاہب ایک ایسے رستے کا تعین کرتے ہیں، جہاں ایک معاشرہ ایک Safe limits میں آ کر اپنے اندر علمی خواہشات کو پیدا کرتا ہے۔ آج کے اس زمانے کو دیکھئے کہ اعمال والے مسلمان ایسی کثرت سے ہیں اور اس کے باوجود معاشرے کا شخص نہیں بدل رہا۔ اس کے باوجود کہ ہمارے پاس دس دس، بیس بیس لاکھ academies مسلمان ہیں جو تمام تر ہمت اور محنت کے ساتھ دن اور رات عملی مباحثوں میں مصروف ہیں۔ اس کے باوجود وہ ایک شخص نہیں مل رہا، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ فراست مومن سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

خواتین و حضرات! معاملات تو پہلے بھی خراب ہوتے تھے۔ مسلمانوں پہ زوال کئی مرتبہ آیا۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ آج کا زوال نیا نہیں ہے۔ عباسیوں پہ بحران آئے، امویوں پہ آئے۔ چین کی حکومت پہ آئے Through out history۔ کروسیڈز لڑی گئیں۔ کبھی ایک گیا کبھی فتح ہوا۔ کبھی یروشلم گیا کبھی فتح ہوا۔ مگر خواتین و حضرات! ایک بات یقینی تھی کہ جب بھی عالم اسلام کسی بڑے بحران میں آیا کوئی شیخ عبدالقادر جیلانی پیدا ہو گیا۔ کوئی علی بن عثمان جویری پیدا ہو گیا۔ کوئی معین الدین چشتی اجمیری پیدا ہو گیا۔ علم اور عمل کے ایک مستقل اتحاد سے وہ لوگ جنہوں نے قرآن حکیم کی اس آیت کا اصلی مطلب پہچان لیا۔ کہ "الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ

قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ " (آل عمران: آیت 191) کہ "خدا کے اہلی بندے تو وہ ہیں جو کھڑے، بیٹھے، کروٹوں کے بل، اسے یاد کرتے ہیں " وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ " (آل عمران: آیت 191) اور زمین و آسمان کی تخلیقات پہ غور کرتے ہیں۔ خواتین و حضرات! غور و فکر کی صلاحیتیں تو غیر لے گیا اور تسبیح کرنے والے، بے شعوری میں، اپنے اس تسبیح کے شعور کو نہ جانتے ہوئے، اس کی منزل کو نہ سمجھتے ہوئے، اپنے معاملات میں ایسے الجھ گئے ہیں کہ آج زندگی کے ہر مرحلے میں ہم مغرب کے کاسہ لیس ہیں۔ خداوند کریم نے انسان کی تخلیق کے چار پیٹرن گنوائے ہیں۔ وہ بائیلاجیکل انسان کہ جس نے ایک سنگل جین سے سنگل سیل سے سفر شروع کیا۔ اور Intellectual منزل تک اللہ تعالیٰ نے اس کے کام گنوائے ہیں۔ "هَلْ اَتَىٰ عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنَ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكَوْرًا O" (الدھر: آیت 1) بلاشبہ زمانے میں انسان پہ طویل عرصہ ایسا گزرا کہ وہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا۔ وہ قابل ذکر شے کیا ہو سکتی ہے۔ کوئی ایسا تھا، کوئی سا کٹر تھا۔

Nobody knows its beginning of first

human cell.

پھر خدا نے کہا۔ "اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ" (سورۃ الدھر: آیت 2) پھر میں نے اسی نطفے کو مخلوط کر دیا۔ پہلے جو سنگل سیل تھا۔ اب ڈبل سیلولر Existence ہو گئی۔ اب اس میں میل اور فی میل ہو گئے۔ پہلے صرف نیو کلیس ڈیو اینڈ ہوتا تھا اب علیحدہ علیحدہ تشخص ہونا شروع ہو گیا۔ فی میل اور میل کا and then ابھی وہ ابتدائی منزل حیات میں ایسے تھا کہ وہ اس قابل نہیں تھا کہ اسے Existence کی شکل دی جائے۔ "لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكَوْرًا" (سورۃ الدھر: آیت 2) خدا نے کہا اب میں نے مخلوقات کو علیحدہ کرنا شروع کیا اور ایک مخلوق کو خاص کر اس کے Further مقاصد کے لئے چنا "فَجَعَلْنَاهُ سَمْعًا بَصِيْرًا" (سورۃ الدھر: آیت 2) میں نے اس کو سماعت دی، اس کو بصارت دی۔ میں نے اس کو زندگی کے بہترین مقاصد عطا کیے مگر اب بھی میں نے اس کو اتنی شناخت کا حکم نہیں دیا، نہ اپنی شناخت کا اس پہ بوجھ

ڈالا۔ ہم یہ دیکھتے ہیں خواتین و حضرات! کہ انسان کی ابتدائی پراگرس برین و انزاتنی محدود ہے کہ کبھی چیمپنزی سے علیحدہ ہوتا ہوا انسان 35 سی سی کیوبک سینٹی میٹر دماغ کا مالک ہے اور آج کا پیدا ہوتا ہوا بچہ بھی 950 سی سی کا مالک ہے اور جوں جوں یہ پراگرس ہوتی رہی۔ جوں جوں برین کو انٹی بڑھتی رہی۔ خدا اس پہ اپنے احکامات Exercise کرتا رہا۔ تجربات اللہ کی طرف سے انسان کو سوغات ملے ہیں۔ خواتین و حضرات! بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ خدا نے، اللہ نے ایک ہی وقت میں یہ ساری چیزیں تخلیق کیوں نہ کر لیں۔ پورے کا پورا انسان بغیر کسی کوشش کے کیوں نہ بنا دیا۔ پوری کی پوری دنیا کُن سے ایک لمحہ میں کیوں وجود میں نہ آگئی۔ خواتین و حضرات ایسا نہیں ہوا، اللہ ہی کی پلاننگ سے آپ کام کرتے ہیں۔ انسانی شعور نے خدائی شعور کی نقل کی ہے۔ اس کی مثال پکڑی ہے۔ جیسے اللہ نے پہلے اس کائنات کا ماسٹر پلان بنایا، جس کو لوح محفوظ کا نام دیا اور پھر اس ماسٹر پلان کو جاری کرنے کا حکم کن فیکون سے دیا۔ وہی کام ہم آج بھی کرتے ہیں۔ کوئی چیز بغیر پلاننگ کے ہمارے ہاں بھی تنزل کا شکار ہو جاتی ہے۔ اور اللہ نے جب پورے کے پورے انسان کو ڈویلپ کر کے بنا لیا۔ تو اس کے کام کا تعین کیا اور فرمایا میں نے تمہیں عقل و شعور صرف اس لئے بخشا ہے کہ ”اما شا کرا و اما کفورا“ (الدھر: آیت 3) چاہو تو مجھے مانو چاہو تو میرا انکار کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل کا صرف اور صرف ایک مقصد بتایا ہے کہ چاہو تو مجھے مانو چاہو تو میرا انکار کر دو، خواتین و حضرات! ہمیں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ ہم اس انسانی عقل و شعور کو جس کا بنیادی مقصد خدا شناسی ہے، ہم اس کو کس کام میں استعمال کرتے ہیں۔ آپ دنیا کے کسی بھی بڑے انسان کے پاس، کسی بڑے مکتبہ فکر کے پاس چلے جائیں تو اسلام کے سوا تمام مکتب فکر جو ہیں علم کا ایک بنیادی مقصد بتاتے ہیں اور وہ خود شناسی ہے۔

The entire movement of better knowledge is to know
one's own-self.

سوائے اسلام کے جو علم کا مقصد خدا شناسی بتاتا ہے۔ سوائے اسلام کے کوئی اور مکتب خیال و فکر مکتب، عمل ایسا نہیں ہے جو علم کا واحد مقصد صرف اور صرف خدا شناسی قرار دیتا ہے۔ اور خواتین و

حضرات! خدا شناسی کے لئے جن لوگوں نے جدوجہد کی ہے جن لوگوں کے عقل و شعور نے اس طرف کوشش کی ہے۔ آئیے ذرا ان کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے کیا کہا ہے۔ حضرت عیسیٰ سے پوچھا گیا کہ خدا کو کیسے پہچانا جاسکتا ہے۔ فرمایا **Know thyself, know thy God.** کہ اپنے آپ کو پہچانو تم اپنے رب کو پہچان جاؤ گے حدیث قدسی ہے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ حضور گرامی مرتبت نے فرمایا "اللہ جس پہ بہت کرم کرنا چاہتا ہے۔ جس پہ بہت احسان کرنا چاہتا ہے، اس کی آنکھ اس کے اوپر کھول دیتا ہے۔ خواتین و حضرات! اگر ان تینوں **Statements** میں آپ دیکھیں گے تو ان میں عملیت کا پہلو نظر نہیں آتا۔ یہ تمام **Statements** ہمیں غور و فکر اور کسی اندرونی شعور کی طرف مائل کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ہمیں یہ بار بار سننا پڑتا ہے کہ

Know thyself and you shall know thy God.

Frankly telling you کہ ویسٹ نے **Know thyself** میں بہت پراگرس کی ہے اور علوم نفسیہ میں انکی مہارت، سائیکالوجی، پیراسائیکالوجی

And all those institutions which they have established to improve a basic self into a better self. یہ ان کا کریڈٹ ہے۔ اس سے پہلے ہمارے تمام صوفیاء کرام جو **Self** کی تالچ میں اپنے آپ کو اور دوسروں کو بھی شعور ذات اور شعور خداوند عطا کیا کرتے تھے۔ ان کی تالچ میں ایک فرق ہے کہ وہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی اور صرف اہل لوگوں کو دی جاتی اور یہ آج کی ماڈرن سائیکالوجی کے بارے میں

I would say, Psychology if applied to others is a Science and if applied to one's ownself is mysticism.

مگر مصیبت کی بات یہ ہے کہ تمام سائیکالوجی تمام علوم نفس حاضرہ مل کر بھی خدا کی شناخت نہیں

دیتے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی عمومی علوم نفسیات کے پاس یہ ٹارگٹ نہیں ہے۔ حضرات گرامی! خدا کا انکار کرنے والے بہت لوگ ہیں اور ان میں سے پانچ بڑے سکول ہیں۔ ان میں سے مارکیس ہیں۔ سمینٹکس ہیں Logical Positivist ہیں۔ اور یہ تمام لوگ بڑے بڑے پھرائتھروپالوجسٹ ہیں۔ یہ بڑے بڑے دلائل کی بناء پر خدا کو رد کرتے ہیں ہے خواتین و حضرات! ان سب میں نقص ہے۔

All those people who deny the existence
of God.

ان میں ایک بنیادی فالٹ ہے چاہے وہ رسل ہو، چاہے وہ وٹ کانٹائن ہو۔ چاہے وہ ہیگل ہو۔ کانٹ ہو یا برگساں ہو۔ ایک بنیادی فرق ان تمام فلاسفہ مغرب میں موجود ہے کہ۔ None of them try to search the God. خواتین و حضرات! بڑی اہم بات میں آپ سے کر رہا ہوں کہ وہ تمام لوگ جنہوں نے خدا کا انکار کیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک شخص نے بھی خدا کی تلاش نہیں کی ہے۔ جیسے خدا کہتا ہے کہ یہ اندھیرے میں باٹ پھینکتے ہیں۔

For example کارل مارکس کو آخر ایک سٹم غلط نظر آیا اور اگر یورپین فلاسفی اسکے نزدیک بدترین نتائج پیدا کر رہی تھی اور اگر اس کو یہ سمجھ آیا کہ مذہب کے پاس انسان کے بنیادی مسائل کا کوئی حل نہیں ہے۔

(ایکریپٹڈ، تھارولی، مس لیڈ، مس گائیڈڈ Religion) جو خدا خود بارہا اپنی کتاب میں کہ چکا ہے کہ ان لوگوں نے میرے مذہب کو خراب کیا۔ میرے رستے کو انھوں نے بت پرستی اور شرک سے نجس اور آلودہ کیا۔ بھلا اس خدا کا بطلان اس Corrupt اور Weak فلاسفی سے کیسے ہو سکتا ہے۔ مارکس نے تو کبھی خدا کو تلاش نہیں کیا۔ Not as single one in his
whoe life. اگر کاش کہ وہ ایسا کرتا۔ جیسے اقبال کہتا ہے۔

صاحب سرمایہ از نسل خلیل
یعنی آں پیغمبر بے جبرئیل

اگر کاش کہ وہ ایسا کرتا کہ وہ خدا کو دس پندرہ برس تلاش کرنا اور پھر ہمارے پاس آتا اور کہتا کہ میں نے اسے بہت ڈھونڈا ہے۔ بڑے اخلاص سے ڈھونڈا ہے۔

I didnot find God anywhere and i am sorry
to say i don't believe it.

ایسا نہیں ہوا، رسل نے کبھی خدا کی تلاش نہیں کی۔ وہ بھی اپنی ایک مروجہ کرچھینٹی پہ اعتراض کرتا رہا اور بہت ساری ان سائنٹیفک Statement کی وجہ سے اس نے میرا اعلان کیا کہ

Christianity is total in contradiction with
the scientific results of the modern times.

اس لئے یہ غیر شعوری مذہب ہے۔ غیر عقلی مذہب ہے۔ تو کسی نے اس کو کہا کہ قرآن نہیں پڑھتے ہو۔ قرآن بھی پڑھ کے دیکھ لو۔ اس نے کہا

Why should I, all gospel truth is alike.

میں نے کسی بڑے فلاسفر کو اتنی بڑی احمقانہ بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا he pre-supposed رسل نے ایک بات pre-supposed کر لی کہ قرآن اور بائبل ایک جیسے ہیں۔ آپ میں سے جنہوں نے بائبل اور قرآن کو پڑھا ہے، وہ جانتے ہیں کہ بائبل اور قرآن میں زمین و آسمان کا بعد ہے تورات اور انجیل میں سے کوئی کتاب ایسی نہ تھی جس پہ خداوند کریم نے اپنے دعویٰ کی بنیاد رکھی ہو۔

خواتین حضرات! اس کی وجہ تھی کہ جب تک پیغمبر آتے رہے، جب تک پیغمبروں کا سلسلہ جاری رہا، کتابوں میں amendment ہوتی رہی اور معاشرہ ترقی کرتا رہا، انسانی شعور مختلف مدارج سے گزر کر جب ایک مرتبہ اعتدال تک پہنچا تو کتاب مکمل ہوئی message پورا ہو گیا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے تک جب انسان کا تمدنی شعور مکمل ہو گیا اس سے پہلے کئی کرچھین لوگ آتے تھے جیسے jews تھے۔ تو وہ Basically جبلی اقدار کی خاطر پورے مذاہب کو loss کرتے تھے اور اللہ نے بڑا شدید اعتراض کیا کہ تم تو اپنی ایک غرض

کی خاطر اپنی آیات بدل دیتے ہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہوئے کہ تم کتاب کو صرف اپنے آقاؤں کیلئے تحریف کر دیتے ہو، اپنے مقاصد کیلئے تحریف کر دیتے ہو۔ جب خدا انہیں کہتا کہ یوم سبت کو مچھلی نہ پکڑو، اور انکے مقاصد یہ ہیں کہ مچھلی پکڑنی ہے، تو وہ تاویل گھڑتے ہیں جس پر خدا کہتا ہے کہ ہم نے ان کو آزمانے کی خاطر یہ ان سے مذاق کیا۔ اللہ کی حس مذاق بڑی اچھی ہے کہ ہفتے والے دن ہی مچھلیاں اوپر آئیں باقی دن وہ نیچے رہتی تھیں اور خدا نے کہا کہ یہ اللہ سے مذاق کرتے ہیں پھر اللہ بھی ان سے ایسے ہی مذاق کرتا ہے۔ تو ہفتے والے دن سبت والے دن، ممانعت والے دن مچھلیاں اوپر آتی تھیں اب اہل یہود یہ دیکھتے تھے کہ مچھلی پکڑنے کا چانس تو ختم ہو گیا ہے

so they tried to concoct many ways out of it.

انہوں نے چھوٹی چھوٹی نالیاں بنا لیں تالاب میں اور پھر اپنے گھروں میں حوض بنائے اور پھر ان میں سے مچھلیاں جو تیر کے انکے حوض میں آتی تھیں وہ پکڑ کے کھاتے تھے اور کہتے تھے ہم نے تالاب میں سے تو مچھلی پکڑی ہی نہیں ہے۔ تو تمام تاویلات کی بنیاد انکے جبلی شعور پر تھی حالانکہ خدا نے انہیں مچھلی پکڑنے سے منع کیا تھا کوئی تالاب کی تخصیص نہیں تھی مگر انہوں نے یہ عذر نکالا، خدا نے انہیں کہا کہ جب تم بیت المقدس میں داخل ہو تو تم ”وادخلوا الباب سجداً و قولوا حطة نغفر لكم خطيكم“ (البقرة: آیت 58) تو گھٹنوں کے بل ریگتے جانا، استغفار کرتے جانا، توبہ کرتے جانا تو انہوں نے صرف ایک نقطہ ڈال دیا بیچ میں حطة کو حنطة کہہ دیا کہ سرین کے بل گھسیٹتے ہوئے جانا۔

And thus they tried to mock God.

پھر وہ اللہ کا اس طرح مذاق کرتے اور آیات الہیہ میں تبدیلی کر دیتے تھے اور اپنی Sharpness کو اپنے مقاصد اور خواہشات کی تکمیل کے لئے استعمال کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے شعور اور عقل کو اپنے پست مقصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرتے تھے۔

عقل جب اپنے معیار سے گرتی ہے تو صرف نقالی رہ جاتی ہے۔ خواتین و حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کا زمانہ ایسا ہے، معاف کیجیے گا، خواتین سے کچھ

معذرت کیساتھ کہ خواتین اور بچے زیادہ اس کے پیچھے ہوں گے کیونکہ انسانی معاشرہ کہیں رک کے سوچتا نہیں ہے اور آپ عقل کو کسی اور طرح سے پہچانیں، ہم عقل کو اس کے معیار طلب سے پہچانتے ہیں، ایک انتہائی ذہین آدمی ایک اعلیٰ درجے کا نقاد، ایک بہت بڑا محقق اور ادیب چاہے کسی بھی رتبہ عالیہ پہ کیوں نہ ہو اگر خواتین و حضرات اس کی زندگی کا مقصد صرف شہرت ہے، صرف مال ہے، تو آپ جانتے ہیں کیا ہو رہا ہے۔ اس کی تمام عقلی توجیہات، اس کے تمام ذہنی اشارات، اس کی تمام صلاحیتیں صرف ذاتی وجاہت اور عملی فوائد پر مرکوز کر رہی ہیں۔ عملی اور اس عقل کو کبھی خدا دیکھنا نصیب نہیں ہوتا یہ تو اپنے مقاصد عالیہ کو بڑھ ہی نہیں رہی، تو بندہ عقل سے پہچانا جاتا ہے اور عقل اپنی تجسس علمیہ سے پہچانی جاتی ہے کہ عقل کس چیز کو چاہتی ہے، وجدان کس چیز کو طلب کرتا ہے اور اگر عقل کو خدا کی آرزو نہیں، اس کی تلاش نہیں، اس کی محبت کی طلب نہیں تو یہ تمام عقل کو (نوکرادۂ خاشین) یہ اسی بھٹکے ہوئے بندروں کی طرح صرف نقال عقل رہ جاتی ہے اچھے لفظ بولتے یا سیدھے لفظ بولتے، اجڈ اور گنوار ہو کیسے،

if the money is the only desire in your mind , if the status is the only desire in your mind.

تو تمام صلاحیتیں مرکوز کریں گے، تمام صلاحیتیں اسی ایک مقصد کو جائیں گی اور انسان کی حیثیت کا اندازہ اسکی علم و عقل و معرفت کا اندازہ اس کے اس منظر سے ہوگا، اور سوائے اسلام کے اور سوائے اللہ کے کوئی اپنے آپ کو جستجو علم و عرفان قرار نہیں دے سکتا۔ تو خواتین و حضرات! اس وقت تمام اسلام revolution کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ انقلاب اسلامیہ کے آپ کتنے نعرے سنتے ہیں، ایسے لگتا ہے کہ جو Schizophrenic تھوڑا سا religion پڑھ جاتا ہے وہ اٹھ کے ایک اسلامی انقلاب کی مصیبت لانے کے چکر میں! اور ان میں سے کسی ایک شخص کو پتا نہیں کہ انقلاب انسانوں کی ہمت سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی سے آتا ہے۔ کیا اس اللہ کو آپ انقلاب لا کے دیں گے جو تین سو برس کی فراعنہ مصر کی حکومت کو انقلاب سے نہیں ایک شخص سے الٹا دیتا ہے۔ تین سو برس کی انتہائی مستحکم فراعنہ مصر کی حکومت کو یہودی انقلاب نے نہیں بدلا، نہ اس کو کسی جنگ و

جدل نے بدلائنہ ان کو کسی اندرونی دشمن نے، ایک شخص نے صرف ایک شخص نے اور وہ بھی ایک ایسا شخص جو ان کے دربار جاتے ہوئے بھی ڈرتا۔ وہ موسیٰ جو بار بار اللہ کو کہہ رہے ہیں کہ پروردگار میں تو نہیں جاتا فرعون کے دربار میں، میں نے ان کا نقصان کیا ہوا ہے، میں نے ان کا بندہ قتل کیا ہوا ہے یہ قصاص میں مجھے قتل کر دیں گے۔ اور اللہ کو کہنا پڑتا ہے کہ لا تخف "اے موسیٰ مت ڈر میں جو تیرے ساتھ ہوں۔ تو خواتین و حضرات کسی کے ساتھ اللہ ہوگا تو انقلاب آئے گا، کیا اللہ کے بغیر آپ انقلاب لائیں گے، کیا یہ تمام جماعتیں یہ تمام بزرگ ایک منٹ کے لیے یہ نہیں سوچتے کہ پہلے ہم یہ تو ڈر من کر لیں کہ خدا ہم میں سے کس کے ساتھ ہے، ایک بڑا مشہور قول ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس انقلاب کو نہیں روک سکتی جس کا وقت آ گیا ہو اور وقت کا فیصلہ تو پھر اللہ کرے گا۔ اور اگر ناقص اور کمزور بندے جو خدا کی اطاعت میں چلتے ہیں اور اس کے ساتھ کوئی ذاتی تعلق رکھتے ہیں اور اس کی محبت کا دم بھرتے ہیں جو اپنی کمزوریوں کے ساتھ یہ بین الاجتماعی امت جو آپ کے پندرہ کروڑ مقدسین کی بات نہیں کر رہا اور مقدس کی کون بات کر سکتا ہے، اللہ تو مقدسین پہ بڑا ہی سخت ہے "فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ" مت اپنے آپ کو پاک باز کہہ "مت اپنے آپ کو پاک باز کہو۔" "هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى" (انجم: آیت 32) میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کتنے متقی ہو۔

خواتین و حضرات مشہور ہے کہ جب کسی کو طعنہ دینا ہو اور اس کو اصلیت دکھانی ہو تو نارملی اسے کہتے ہیں کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں تو پیچھے سے کیا تھا تو اب کیا ہے، تو مجھے کیا اپنی بڑائی اور تکبر ات بتاتا ہے تو خداوند کریم نے انسان پر تقویٰ پر طنز کیا جو انجام اسے دکھائے وہ بڑے عجیب و غریب تھے۔ وہ اس کو نسل کا طعنہ نہیں دے رہا وہ اس کو تکبر ات کا طعنہ نہیں دے رہا، بلکہ خدا یہ اسے کہہ رہا ہے "هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى" "میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کتنے متقی ہو۔" میں تو تمہیں اس دن سے جانتا ہوں، جب میں نے تمہیں زمین کے دامن میں رکھا، اور لپچڑ انسان تو بھول گیا، وہ تو یہ کہتا ہے تمہیں بھی نہیں پتا "هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئاً مَّذْكُوراً" (الدھر: آیت 1) کیا تمہیں پتا نہیں کہ اے انسان تو زمانے میں ایسے رہا

کہ ٹوکوئی قابل ذکر شے نہ تھا اب تو بہت بڑا متقی بنتا ہے، تجھے پتا نہیں کہ تو کس غلاظت سے ”صَلِّصَالٍ كَالْفَخَّارِ“ (رحمن: آیت 14)، گندے کچھڑ، خواتین و حضرات یہ آپ جانا چاہتے ہیں کہ جب پانی زمین کا خشک ہوا، زمین کچھڑ بن گئی، پتھر دھوپ کی کرنوں سے اوپر کا کچھڑ سیاہ ہو گیا اس کے نیچے جو پلپلا سا گندہ کچھڑ تھا اس میں انسان کی زندگی کے پہلے پہل کی نمود ہوئی وہاں خدا ٹھیک ہی تو کہتا ہے کہ کیا تمہیں پتا نہیں ہے میں تجھے اس وقت سے جانتا ہوں پھر کتنے لاکھ سال اسی لاکھ سال پہلے انسان جب پر اتم اتج سے جدا ہوا، قافلہ زندگی کو پہنچا ہے تو اس کی آنکھیں، دیدے گول تھے، جیسے کسی الو یا طوطے کے اور اس کا سر لمبوتر اساتھا اور اس کے ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے تھے اور آج اگر آپ اس کی تصویر دیکھ لیں جو امیجری تصویر اس انسان کی بنتی ہے تو آپ خوف سے پاگل تو ہو سکتے ہیں اسے انسان نہیں مان سکتے یہ جتنے بھی آپ نے دیکھے ہوں گے کہ ویسٹرن موویز کے وہ ہارے بلز ٹائپ تصویرت ہیں یہ دراصل اس بنیادی انسان کا نقشہ ہے جس سے ڈویلپ ہو کر آج آپ اس خوبصورت اور اعلیٰ ترین فکر کو پہنچے ہیں کہ جس کے بارے میں اللہ نے کہا کہ میں نے اس انسان کو بہترین اعتدال اور توازن سے بنایا، مگر اس اعتدال اور توازن کو پہنچتے ہوئے ایک ارب بیس لاکھ سال گزرے اور خواتین و حضرات پھر دوسری بار کہتا ہے ایک تو میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں، جب میں نے تمہیں بحیثیت ایک ورنٹا بریٹ اور کارڈیٹ اور ایک میملو کے رکھا اور پھر وہ کہتا ہے میں تمہیں اس وقت سے بھی جانتا ہوں جب میں نے تمہیں ماؤں کے پیٹ میں رکھا۔ حضرات گرامی! وہ کہنا یہ چاہتا ہے میں آج تک زندگی میں فیاض اس کو نہیں سمجھا کہ جو مال بانٹتا ہے۔ خواتین و حضرات میں نخی اور فیاض اس کو سمجھتا ہوں جو لوگوں میں عزت بانٹتا ہے۔ ”فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعاً ۝“ (النساء: آیت 139) اللہ تعالیٰ کے پاس تمام عزتیں ہیں۔ اور وہ بڑا احمق ہے جو عزت کو اپنی متاع سمجھتا ہے جو اس بات پہ تفاخر کرتا ہے، فیاض تو وہ ہے کہ جسے خدا عزت عطا کرے اور وہ ان لوگوں کو عزت بانٹے جن کے پاس عزت نہیں ہے، ان غریبوں کو ان ناقص لوگوں کو، ان کمزوروں کو اپنی طرف سے خدا کی عطا کردہ وہ عزت بانٹے۔ اصل میں نخی تو وہ ہے اور ایک نکتہ عالیہ یہی ہے کہ ادھار کی چیزوں پہ انسان کو کوئی ناز

نہیں ہونا چاہیے، اپنے پروٹوکول کو اپنا نہیں سمجھنا چاہیے، خدا شناسی میں سب سے بڑی چیز جو ہماری زندگی میں حائل ہوتی ہے، وہ misplaced جمعیت ہے، تمام عقل کا ایک غلط اسٹیٹ لگا لینا، اگر آپ یہ کہیں کہ یہ زندگی میری ہے اس کو میں نے بسر کرنا ہے، میں نے کمانا ہے، میں نے کھانا ہے، میں نے بچے پالنے ہیں، میں نے بیوی پالنی ہے

you are very very wrong. its not your job.

آپ کا یہ job نہیں ہے جسے غلطی سے آپ assume کر بیٹھے ہیں۔ آپ کا job وہی ہے جو اول انسان کو دیا گیا اور آخری لمحہ زندگی یعنی مرحلہ قبر تک جائیگا جہاں آپ پہنچیں گے اور میں تو قبر کو ہمیشہ gateway to the louder galaxies کہتا ہوں میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ کا مقدر زمین پہ ہوتا ہی نہیں ہے۔ transition میں تو کوئی مقدر نہیں ہوتا وہ یہی عقل ہے جو زمین میں کھانے پینے کو مقدر قرار دیتی ہے۔ ایک ہلکی سی ٹیمپرنگ ہے۔ یہ زمین تو ایک چھوٹا سا کیمپ ہے اس میں آپ کی تربیت، اس میں آپ کا آنا، اس میں آپ کی ٹیسٹنگ ایک ٹرانزیشنل، تھوڑے سے وقت کے لیے ہے۔ اس وقت میں آپ کی ٹیسٹنگ یہ ہے کہ جو شعوری صلاحیت آپ کو عطا کی گئی جو غور و فکر کی صلاحیت آپ کو عطا کی گئی کیا آپ نے اس کا مقصد جانا پہچانا، کیا آپ اس مقصد تک پہنچ گئے، اپنے غور و فکر سے کہ آپ کیا کرنے آئے تھے اور کیا کر چلے، قبر کے دھانے پہ اس گیٹ وے پہ ایک سوال ہوگا۔ "من رہک" (مسلم، رقم الحدیث) کہ آئیے تشریف لائیے،

you are welcome

آگے بڑھنے کا پاسپورٹ ساتھ لائے ہو یہ تو بتاؤ اس ساری زندگی میں آپ کا رب کون تھا، ہم نے تو جس کام کے لیے بھیجا تھا وہ تو ایک ہلکے پھلکے سوال کے لیے آپ کو زندگی دی تھی، زمین دی تھی، گھر دیا تھا، بیوی بچے دیے تھے۔ خواتین و حضرات! یہ ساری سہولتیں ہیں، اس لیے عطا کی گئیں کہ اگر آپ قبر کے دھانے اس سوال کے جواب میں اللہ سے یہ کہو کہ اے اللہ مجھے تو نے فرصت کب دی میں تو مصروف تھا روٹی کمانے کے لیے، میں تو مصروف تھا بچے پالنے، میں تو

مصروف تھا ماں باپ کی خدمت میں مجھے آپ نے کب فرصت دی کہ میں آپ کے اس سوال کا جواب ڈھونڈتا تو رب کعبہ کی قسم ہے کہ آپ کی دلیل سچی ہوئی، اگر آپ خدا کو یہ کہتے قبر کے دھانے جب وہ آپ سے یہ پوچھے کہ من ربک کہ آپ کا رب کون ہے اور اگر آپ جواب میں اسے کہیں، میرے سات بہن بھائی تھے، میرے ماں باپ تھے، میں نے خدمت کرنا تھی، میں نے بڑا کام کرنا تھا، میں نے امتحانات دینے تھے، میں تو مشکل میں الجھا رہا میرے پاس تو اتنا نام نہیں تھا کہ میں آپ کے اس سوال کا جواب ڈھونڈتا تو خدا کی قسم ہے کہ آپ سچ کہتے ہیں، مگر خدا یہ کہتا ہے کہ تم جھوٹ کہتے ہو یہ تو پروٹوکول ہے اگر ان میں سے کوئی کام تمہارا ہوتا تو تمہیں جب میں نے کسی گھر پیدا کیا تھا، تمہیں پتا تھا کہ تمہاری ماں کون ہوگی، تمہارا باپ کون ہوگا، تمہیں پتا تھا کہ پانچ سال تک کیسے پلو گے، دس سال تک کیسے پلو گے، پندرہ سال تک، اگر تمہیں چوائس دے دیا جاتا، اگر چوائس تمہیں وہاں مل جاتا کہ اپنی مرضی پر گھر ڈھونڈو تو کسی غریب مسکین کا گھر بھی کوئی بچہ ڈھونڈتا، کوئی ابتلا کا گھر ڈھونڈتا، کوئی فاقے کا گھر ڈھونڈتا اور امریکہ کا بچہ پاکستان کا ملک ڈھونڈتا پھر، ایسا تو کبھی نہ ہوتا، ایسا کبھی بھی نہ ہوتا پروٹوکول میں کوئی دستگاہ نہیں ہے، یہ arrangements ہیں انشاء اللہ تعالیٰ العزیز

next time, we will get together.

ہمارا سالانہ سیشن گوجر خان میں آرہا ہے وہ جبر و قدر کے موضوع پر ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ

we will invite you all

اس میں اس پر تفصیلاً روشنی پڑے گی تو خواتین و حضرات اب میرا خیال ہے مغرب کا وقت بہت قریب ہے، اذان ہو رہی ہے تو میں بس مختصراً آپ سے یہ کہہ دوں کہ

To me and to my mind, the only top priority of intellectual curiosity is God and nothing else.

اللہ کے سوا سوچ کی کوئی ترجیح اول نہیں ہے جب آپ ترجیح اول سے نمٹ لیتے ہیں تو یہی عقل آپ کو زندگی کے کام نمٹانے میں بھی کام آتی ہے اور آپ اپنی فراست سے جہاں خدا پہچانتے ہیں

وہاں زندگی کے معاملات بھی سنوار لیتے ہیں۔

وماعلینا الا البلاغ

سوالات و جوابات

جہاد اور توکل میں فرق اور ارتقاء کی صورتیں!

سوال: کیا ارتقاء کا عمل اب رک چکا ہے، اور حضرت آدمؑ جب تشریف لائے اس دنیا میں تو اس وقت اس کی کیا اشکال تھیں؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ جو جہادی کام ہے وہ اسی توکل پر چھوڑ دیا جائے کہ اللہ کی طرف سے کوئی آواز آئے گی اور جہاد فلسطین اور کشمیر مکمل ہو جائیگا۔

جواب: جناب محترم میں نے صرف placing of priorities کی بات کی ہے کسی کو reject نہیں کیا، نہ تو کسی عمل کو reject کیا اور ظاہر ہے ہمارے نزدیک طریقت جو ہے شریعت کی نیت ہوتی ہے، اعمال کو ترتیب دینا، ان کو اپنی اپنی جگہ دینا، اور جیسے باب ایمان میں جناب سیدنا بخاری نے حدیث نقل کی کہ "انما الاعمال بالنیات" اور حضور گرامی مرتبت نے یہ فرمایا کہ جب کسی کام کے بارے میں جاننا ہو کہ وہ کیسا ہے تو اس کام کے کرنے سے پہلے اس کام کی نیت کر لیا کرو، باقی پہلے حصے کی طرف کہ ارتقاء کا عمل نہ کبھی رک سکتا ہے نہ رکے گا، مگر ارتقاء کا معیار جو ہے وہ داخلی بھی ہے اور خارجی بھی ہے، اور ارتقاء کا معیار قرآنی ہے۔ میں یہاں آپ کو ایک عجیب و غریب بات بتاؤں کہ خارجی معیار کا ارتقاء تو تمام دنیا میں ہر زمانے میں ہوتا رہا، اور اللہ کی یہ آیت گواہ ہے اور تاریخ اس پہ گواہ ہے اور میسوپوٹیمیا کی اور لیسو پوٹنز کی انچی اکیمیٹز کی تمام تاریخ گواہ ہے، موبہنجد اڑو کی، کہ تو میں اس وقت تباہ کی گئیں جب وہ اپنی معیشت کی انتہا پہ تھیں، تو میں اس وقت تباہ نہیں کی گئیں جب وہ غربت و افلاس میں تھیں تنزل میں تھیں بلکہ جب بابل اور نینوا کے معلق باغات تھے تباہ کی گئیں، جب اہرام مصر اپنی انتہا پہ پہنچے تباہ کی گئیں تو وہ اس لیے تباہ کی گئیں کہ ہمیشہ معیشت اور معاشی ترقی کی جو انتہا ہے وہ انہیں مورال

ابتدال سے آشنا کر گئیں اور جناب والا! ایک عجیب و غریب آپ کو حقیقت بتاؤں جو شاید آپ کو پہلے عجیب لگے اور پھر آپ اس کے لیے تاریخی حقائق ڈھونڈیں گے کہ آج تک کسی انسانی معاشرے نے کوئی مورال قانون تخلیق نہیں کیا، اول و آخر یہ انتہائی عجیب بات ہے جو میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ آج تک کسی انسانی معاشرے نے کوئی مورال قانون تخلیق نہیں کیا بلکہ جو سب سے پہلا ہمارے پاس انسانی معاشرہ ملتا ہے وہ پریسٹ سوسائٹی کا ہے اور پریسٹ سوسائٹی میں پریسٹ ہمیشہ اپنی مورل گائیڈنس کو کسی بالائی قوت سے یہی اس کا مبداء فیض رہا اور معاشروں میں تمام تر خارجی عوامل ایلیمنٹس انجکشن سے مورل create ہوتا رہا، اب اسے ہم لوگ ایلیمنٹس انجکشن کہیں گے مگر صاحب قرآن یہ کہتا ہے کہ میں نے ہی ہر قوم کی ابتداء اور انجام میں اس کو گائیڈ بھیجے اور تمام لاء جو انسان نے تخلیق کیا ہے وہ سہولت کا قانون ہے جتنا بھی انسانی معاشروں نے قانون تخلیق کیے یا قانون سازی کی وہ سہولت تھی laws of facility تاکہ معاشرتی، معاشی friction کو کم کیا جاسکے۔ ان قوانین کا مطلب نہ اخلاق پیدا کرنا تھا، نہ اس کو فروغ دینا تھا بلکہ معیشت کی اور معاشرت کی frictions کو کم کرنا تھا جیسے آپ کا سٹیفٹیکٹ لاز ہیں یا جیسے آپ کے مالی معاونت کو سپورٹ کرنے والے لاز ہیں یہ تمام قوانین جو انسان نے تخلیق کیے اپنی اعلیٰ ترین اجتماعیت کی حالت میں انسان نے پھر بھی کوئی مورل لاء تخلیق نہیں کیا۔ اگر آپ غور کریں تو اس وقت تمام زمانے میں ایک بنیادی question جو جا رہا ہے ہم چھوٹے چھوٹے questions کو نظر انداز کر دیں تو سب سے بڑا question جو پورے انسانی معاشرے میں جاری ہے و choice versus morality ہے کہ ایک طرف تمام تعلیم، تمام نظریات مغربی اور جدید، انسان کو چوائس آفر کر رہے ہیں کھلے ڈھلے مقاصد اس کو دے رہے ہیں، اس کے ذاتی مقاصد اس کو خصوصی شعور عطا کر رہے ہیں اور دوسری طرف ہر نو جوان بچے کے ذہن میں ایک question پیدا ہو رہا ہے کہ

why should we obey the moral law,

Who is God,

کیوں کہ مورل لاء flexible نہیں ہے۔ مورل لاء rigid ہے، moral law خدا کا دیا ہوا ہے، over the centuries محیط ہے اور اگر آج کا امریکی معاشرہ یا برطانوی معاشرہ، یا یورپی یا آپ کا جدید معاشرہ جب چوائس کی ایجوکیشن لے گا تو سب سے پہلے آپ کا بچہ question کرے گا کہ اگر میں زنا نہ کروں، شراب نہ پیوں، چوری نہ کروں تو

Who is going to punish me and when you tell him that God is the master mechanic of this system, then they have one more basic question who is God.

اور جب یہ سوال پیدا ہوتا ہے تو آپ کے پاس جواب نہیں ہوتا اس لیے کہ آپ نے اپنی زندگی میں مورل لاء کو مجبوراً، اخلاقاً، عادتاً، رسماً، رواجاً نبھایا ہے مگر آپ نے کسی مورل لاء کو by choice اختیار نہیں کیا ہوتا تو نیچرلی یہ آج کے زمانے کا سب سے بڑا crisis ہے جو ہمارے مشرق و مغرب دونوں طرف محیط ہے اور جب تک ہم فلسفہ خداوند پر غور نہیں کریں گے اور اللہ کی طرف سچا رجعت نہیں کریں گے۔ جو آپ نے بات کی ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو مسلمان ہوا جس نے ابتدائے اسلام کی یا جس نے مسلمان گھرانے میں قدم رکھا اس نے پریکٹیکل issuance پہ ہمیشہ آغاز کیا۔ اس پریکٹیکل issuance میں نماز بھی ہے، روزہ بھی ہے، جہاد بھی ہے، زکوٰۃ بھی ہے۔ کوئی شخص hardly یہ imagine کر سکتا ہے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو مسلمان ہو اور ان institutions کا انکار کرے اور میرے خیال کے مطابق ایسا نہ میں کر سکتا ہوں نہ آپ کر سکتے ہیں مگر مقصد یہ ہے کہ کیا آپ نے ہمیشہ کے لیے اپنی پانچویں کلاس میں ہی رہ جانا ہے یا اس سے بھی زیادہ ترقی کرنا ہے۔ ایک اعلیٰ ترین مابعد الطبیعیاتی اور ماورائی religion کو ہم چند ایک پریکٹیکل اقدامات میں محدود نہیں کر سکتے۔ دیکھیں جب یہ دونوں سسٹم اکٹھے چل رہے تھے نیاں اور عمل کا اس وقت ایک سادہ سا صحابی اٹھتا تھا وہ صحابی جو شاید اتنے پست درجہ تعلیم کا مالک تھا کہ حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں عورت کا دانستہ غلام ہوا، جب میں نے اپنے آپ کو ایک عورت کی غلامی میں دیا، ایک

وقت کی روٹی کے لیے، جب بلالؓ یمن کے گورنر بنائے گئے اور ان کو بھیجا جا رہا تھا۔ رستے میں ان سے کسی نے کہا بلالؓ آج لباس تو تبدیل کر لیتے۔ تو بلالؓ نے جواب دیا تم ہمیں آگہی سکھاتے ہو۔ میں اس وقت کو جانتا ہوں جب میں ایک عورت کا از خود غلام ہوا، ایک وقت کی روٹی کے لیے۔ پھر مجھے خدا نے وہ تقویٰ اور وہ ایمان عطا فرمایا کہ وہ عورت مجھ سے اتنی متاثر ہوئی کہ وہ میرے نکاح میں آئی۔ اس نے تمام مال و اسباب مجھے سونپا۔ میں اپنی اوقات اور اپنی آگہی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں تمہارے کہنے پر اپنے عادات و خصائل تبدیل نہیں کر سکتا تو جناب والا اس سے مراد صرف اتنی تھی۔ جیسے میں نے کہا اگر ایک Institution کا سربراہ ہی موجود نہیں ہے۔ تو ہم اس Institution سے اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتے لہذا جب جہاد جزوی اور انفرادی ہوگا تو اس جہاد کو کلی طور پر انڈر سٹینڈ نہیں کر سکتے یوں تو کہنے کو جو بھی ہمارا فوجی اور سپاہی جنگ میں جائیگا اس کی بنیادی تربیت شاید یہ ہوگی کہ آپ نے جہاد کرنا ہے یا کسی کے خلاف ملک کی حفاظت کرنا ہے۔ But Internal intention پر فیصلہ ہوگا کہ شہید کون ہے اور نمازی کون ہے یہ کبھی خارجی کیفیت نہیں ہوتی۔ اور اس لیے میں جو آپ کو آج کی بات بتا رہا تھا۔ میں آپ کو وہ داخلی انٹینشن مضبوط کرنے کیلئے کہہ رہا تھا کہ اگر مذہب ماننا ہی ہے تو اسے خدا کے لئے مانا جائے۔ اگر آپ نے اپنے شعور کو حاصل کرنا ہے اور رسم و رواج کو نبھانا ہے۔ مجھے انگلینڈ سے ایک ینگ آدمی نے Question کیا کہ

What is so strange about the practices of Islam.

ہماری بھی پریکٹسز ہیں آپ کی بھی پریکٹسز ہیں، ہمیں بھی Vesper اور Mass ملتا ہے، بلکہ ہماری عادات آپ سے بہت اچھی ہیں، ہمیں تو خیرات کرنا بڑا مرغوب لگتا ہے۔ ہم اسے پورے انسانی شعور کے ساتھ نبھاتے ہیں۔

What is so special about Islam?

تو میں نے اس سے کہا کہ

There is no difference I swear my honour کہ

عادات و مشاغل کسی بھی قسم کی ہوں۔ ان میں اگر تبت کا ایک لاما پچیس سال سے ہمالیہ کی ترائی میں بیٹھا ہوا ارتکا ز کر رہا ہے۔ تو وہ اپنے مقصد کے حصول میں آپ سے ہزار درجے زیادہ مشقت کر رہا ہے۔ آپ اسے کمتر نہیں گن سکتے، ایک جو پچیس سال سے قبر میں پڑا ہے۔ کوئی مراقبہ قبر کر رہا ہے۔ کوئی سورج بنی، شمع بنی کر رہا ہے تو اس میں اور کسی مسلمان میں فرق ہونا چاہیے۔

The difference is very simple.

میں نے اسے کہا کہ اگر مجھے کسی اور مذہب میں خدا ملتا ہے۔ اگر مجھے بدھ مت میں سے خدا ملتا تو بدھ مت میرے لیے follow کرنا آسان تھا۔ اگر کرحینی سے خدا ملتا

I would prefer it to Islam.

مگر مقصد فیصلہ ہوتا ہے رستے کا تعین یہ ہوتا ہے کہ میں کس چیز کے لئے کیا اختیار کر رہا ہوں۔ مجبوری یہ ہے کہ اللہ نے اپنے آپ کو باقی تمام اپرو چیز پہ بین کر دیا ہے اور فرمایا: اگر تم مجھے چاہتے ہو اور میری طرف آنا چاہتے ہو تو اب اسلام کے سوا کسی رستے پر میں تمہیں نصیب نہیں ہوں گا۔ ”ان الدین عند اللہ الاسلام“ (آل عمران: آیت 19) اب اللہ کے نزدیک یہ Secret رستے جو ہیں تم نہیں اپناؤ گے۔ اب اگر تم نے اللہ کو پانا ہے تو پھر تم صرف اسلام پہ چل کے آؤ گے۔

There is no mysticism in any other religion.

ہر جگہ جہاں بھی آپ مذہبی Spiritualist پائیں گے، وہ دروغ گوئی کے بہت قریب ہیں۔ جب تک آپ قرآن۔ خدا اور اسلام کو منزل نہیں بنا لیتے آپ کبھی بھی اللہ کی آگہی نہیں پاسکتے اور میں اس کے بڑی واضح سی مثال کرحین Religion سے دیتا ہوں کہ کرحین رومن Catholicism میں بہت بڑے Saint ہیں ماشا اللہ تعالیٰ بہت بڑے سینٹ اور وہ سینٹ فرانس آف Excellency کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے مراقبہ تثلیث کیا اور مراقبہ تثلیث میں یہ ہے کہ

Condition of the christ is involved into one own self.

اور کرائسٹ کی کنڈیشن یہ تصور کی گئی کہ انہیں صلیب پہ لٹکایا گیا کوڑے مارے گئے تو سینٹ فرانس چالیس دن مراقبے میں رہے اور بے شمار لوگوں نے گواہی دی کہ جب وہ باہر نکلے تو انکی کمر پہ کوڑوں کے نشان تھے اور ان کے گلے میں اسی طرح کے صلیب کے نشان تھے۔ جیسے حضرت عیسیٰ کے گلے میں بقول

The entire Roman's catholic religion.

مگر اگر ہم اس کو تسلیم کر لیں تو سینٹ فرانس

One of the greatest Saints of all times.

جنہوں نے اتنی زیادہ مراقباتی جدوجہد کی مگر آپ قرآن کو پڑھیں گے تو پھر آپ کو سینڈرڈ بالکل غلط نظر آئیں گے۔ پتا یہ لگے گا کہ سینٹ فرانس کسی استدراج اور کسی شیطانی حادثے کا شکار ہوئے ہیں۔

It is no more God. it is never come from God.

Comes that way to anybody the christ was.

کیوں کہ قرآن حکیم بالکل صاف الفاظ میں کہتا ہے۔ ”وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم“ (النساء: آیت 157) نہ اسے قتل کیا گیا نہ اسے صلیب دی گئی۔ اگر ایک شخص کو صلیب دی ہی نہیں گئی تو مراقبہ صلیب کیا ہوگا تو میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اعمال کی حیثیت اتنی زیادہ نہیں ہوتی کہ ہم ان کو Over emphasize کریں۔ اعمال اپنی جگہ مسلمہ ہیں اور کوئی بھی فرد و احدا مت مسلمہ کا نماز، روزہ، جہاد اور ان چیزوں کی تلقین سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا اور کوئی شخص یہ کریڈٹ نہیں رکھتا کہ جو شریعتیں ایک دفعہ مقرر ہو گئی ہیں ان کو منسوخ کرے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جیسے میں نے عرض کیا معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میں سجدے میں جھکتا ہوں، جب میں خدا کی نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو مجھے جنت میں ملائکہ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ اور حدیث بخاری کہتی ہے کہ دو مسلمان جب ایک اندھیری رات میں گزرے تو ان کے سامنے دو چراغوں کی لویں روشن تھیں جو ان کو مسجد تک پہنچانے لگیں۔ اسید بن حفیر نے

عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قرآن کی تلاوت کر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ بادل جھک آئے اور ان میں ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں تھیں اور وہ اتنے جھک آئے کہ میرا بچہ گھوڑے کے قریب لیٹا ہوا تھا اس دوران میں گھوڑا ہنہانے لگا اور میں ڈرا کہ یہ اسے کہیں روند نہ دے تو میں نے تلاوت بند کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسید! یہ ملائکہ تھے جو تیری تلاوت کے وجدان میں نیچے اتر آئے تھے۔ اگر تو تلاوت جاری رکھتا تو یہ بادلوں سے نکل کر تجھ سے مصافحہ کرتے۔ حضرات گرامی! میں تو اس رنج میں مبتلا ہوں کہ آخر انسان Academics سے آگے کب بڑھے گا۔ نیا ت کے عمل سے وہ کب گزرے گا۔ خود آگہی کے پر اس سے کیسے آگے جائے گا۔ خود شناسی کہاں اور خدا شناسی کہاں۔ کیا اسلام کا مقصد صرف ایک ڈکس ہے۔ یا

Islam is also a way to God. And if it is a way to God.

تو پھر اس میں کیوں لوگوں کے Pyramid اور Citadel بناتے ہیں۔ ایک جماعت میں ایک خدا شناس بھی نہیں ہوتا۔ لاکھوں آدمی ہوتے ہیں اور ہم کسی جماعت کو رد کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ نہ کسی تبلیغی کو رد کرتے ہیں۔ نہ کسی اہلحدیث کو نہ کسی دیوبندی کو نہ بریلوی کو مگر ایک سوال ہمارے ذہن میں ضرور اٹھتا ہے کہ مجھے دیوبند اور بریلوی اس لئے Join نہیں کرنا کہ مجھے دیوبند اور بریلوی کی اینٹوں سے پیار ہے۔ مجھے تو یہ دیکھنا ہے ان میں سے کون سا سکول آف تھاٹ مجھے میرے مطلوب اور مقصود تک پہنچا سکتا ہے اور میرا مطلوب و مقصود صرف اللہ ہے اور اگر اس پورے پیراڈ کو میں یہ نہیں کہتا کہ دس لاکھ آدمی خدا شناس ہیں۔

But I have a question to ask all these religious people.

کہ نیک بختو! اتنے بڑے سکول آف تھاٹ میں ایک تو پیراڈ کی ٹاپ پر کوئی خدا شناس ہو۔ ایک کو تو دیکھ کے میں کہہ سکوں کہ ہاں اس سکول آف تھاٹ میں بڑی برکت ہے۔ اس میں ایک خدا شناس تو موجود ہے یہ کیا بحر ان اور المیہ ہے اس معاشرے کا کہ وہ لوگ جو اللہ کا نام لے کر اتنا پاؤر فل کلچر ڈویلپ کر چکے تھے۔

Unlike all the colonial powers in the west.

آپ اسلام کی Colonial پاور کو ذرا دیکھیں تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ جہاں بھی مسلمان سیاح، اور گروہ گئے ہیں انہوں نے کوئی کالونیز قائم نہیں کیں۔ آپ انڈونیشیا کو دیکھیے

One of the most leading Muslim Countries.

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلایا ہے انہیں انڈونیشیا سامنے رکھنا چاہیے۔ جہاں کوئی فوج نہیں اتری، کوئی سپاہی نہیں اترا، چند لوگ اور ان کا کلچر کتنا مضبوط تھا۔ آئیے میں آپ کو مثال دوں آج کون سا آدمی ہے جو ویسٹ کو جاتا ہے اور وہاں رہنے کو آمادہ نہیں ہوتا۔ کون سی عورت ہے جو آپ ویسٹ سے بیاہ کے لائے ہیں اور وہ ادھر ایسٹ میں ٹھہر گئی ہے۔

What is the difference?

The difference is ,they are so much convinced of their cultural superiority. They might change their religion. They might change their aspect of life. But they would not change their pattern of life, you see.

وہ اپنے کلچر میں اتنے مدھوش ہیں کہ وہ زیادہ دیر تک آپ کے اس کلچرل Denial کو نہیں Accept کرتے۔ وہ جلد از جلد واپس جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ہمارے وہ لوگ بھی جو اتنے چندھیا جاتے ہیں اس کلچر کی Brilliance میں کہ جب وہ یورپ میں جاتے ہیں

They don't easily come back.

مردوں میں پھر ایک تعداد موجود ہے۔

But I have hardly seen the women who have gone out and they still like to come back. it is very difficult.

یہ کلچر خارجی کلچر نہیں ہے۔ یہ اعمال سے پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کلچر اس اسلامی نیت اور اخلاص سے پیدا

ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں اللہ کہتا ہے کہ مومن جب بازار میں بھی چلتا ہے تو اس کے آگے اس کا نور دوڑتا ہے۔

I am only talking about that particular culture.

اور میں اس نیت اور اس عمل کی بات کرتا ہوں جو اعمال کو رونق دے میں اس نیت کی بات کرتا ہوں جو ہمارے اعمال کو ثابت قدمی، رونق اور خوبصورتی دیتی ہے۔ جس سے ہمارا عمل واقعی مسلمانوں کا سا عمل لگتا ہے۔ ورنہ یہ ایک جانورانہ تقلید سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (الانفال: آیت 22)

حضرات گرامی! یہ ایک سوال ہے جو میرے دوست دے گئے ہیں کہ ”اللہ نور السموات والارض“ (النور: آیت 35) یہ پوری آیت Quoted ہے۔ خواتین و حضرات! اس میں خدا نے اپنی مثال دی۔ ابھی اس مثال کو سمجھنے کے لیے ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ یہ ہماری تخلیقی کائنات ہماری بالائی کائنات میں کس پیٹرن میں موجود ہے۔ خداوند کریم نے اس کی مثال ایک ایسے طاق سے دی ہے جس طاق میں ایک چراغ ہے۔ چراغ کے باہر آئینہ ہے اور آئینے کے باہر روشنی ہے۔ اور یہ Exactly انہیں Lines پہ چلتے ہوئے ہم فلاسفہ مشرق کو Nine Intelligences، کہتے ہیں اور نوستی اشراق عطا کیا ہے کہ خداوند کریم اپنے وجود مطلق میں جب ظاہر ہوا تو اس نے سب سے پہلے اپنے آپ کو finest Possible نور میں ڈھالا۔ پھر وہ نور آگے بڑھتا ہوا انبیاء، انسان اور شجر و حجر تک پہنچا۔ اس پس منظر میں کئی روایات مولانا روم نے اپنی شاعری میں نقل کی ہیں۔ مگر آج کے زمانے میں اس کی مثال ذرا Different ہے اس وقت جو کائنات کی نئی وضاحتیں آرہی ہیں کہ یہ ایسا ننگ ٹائپ آرہی ہیں اور یہ وضاحت کی جارہی ہے کہ کائنات نہ بیضوی ہے نہ گول ہے۔ بلکہ کائنات پیچھے ہٹی ہوئی اپنے مرکز کو رجعت کر رہی ہے۔ اور ایک سینٹر سے اس کا اخراج موجود ہے۔ ابھی اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی بہت بڑا شخص ایک آرام کرسی پہ بیٹھ جائے اور سوچنا شروع کر دے اور پھر اب اس کی سوچ ہمہ جہتی ہو اور ہر صورت پھیلنی شروع ہو جائے۔ تو وہ اپنے ارد گرد

ہزاروں جہان تخلیق کر سکتا ہے۔ مگر سینٹر جو اس کا دماغ ہوگا جہاں وہ بیٹھا ہوا ہوگا اور جہاں سے ادھر ادھر جتنا بھی پھیلاؤ ہوگا وہ فرضی اور غیر معقول ہوگا۔ آپ کے تصور کی کوئی Limit نہیں، کوئی جہت نہیں۔ جدھر چاہو، آپ اسے پھیلا لو۔ خدا اور بندے کی سوچ میں صرف یہی فرق ہے کہ جب بندہ سوچتا ہے تو وہ اپنے ان تصورات کو عمل میں نہیں ڈھال سکتا۔ خدا کی سوچ یہ ہے کہ جب وہ سوچتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ وہ ارادہ کرتا ہے بلکہ وہ قدرت رکھتا ہے اور جب وہ کلام کرتا ہے تو چیزیں ویسے ہی وجود میں آجاتی ہیں تو یوں سمجھئے پروردگار ایک مقام کی نشاندہی کرتا ہے کہ جس مقام پر پوری تخلیقات کا سینٹر ہے۔ اور اس سینٹر کی مثال وہ یہ دیتا ہے کہ خدا اپنے کام کاج سے قطعاً تھکتا نہیں ہے۔ یہ ایک بے پناہ ذہنی قوت ہے۔ انتہا درجے کی کہ وہ اپنے تمام معاملات کو جیسے سوچتا ہے ویسے پریکٹیکل ڈھال رہا ہے اور جیسے آئینے کے باہر آکر اصلی روشنی کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح جب خداوند کریم اپنے مظاہر میں اترتا ہے تو اس کی روشنی کم نہیں ہوتی نہ اس کے نور کی کمی ہوتی ہے بلکہ اس کا اور بجٹل سینٹر جتنا مضبوط ہے، اتنا ہی رہتا ہے اور طاق کی مثال اگر آپ غور کیجئے تو خدا نے اپنی مثال اس طرح دی ہے کہ ایک طاق میں وہ کائنات کو پوری طرح پھیلا رہا ہے اور ابھی کچھ اور وقت گزرے گا کیونکہ ابھی سائنسز اس مقامات تک نہیں پہنچیں۔ سائنسز ابھی بہت سارے ایسے مقام تک نہیں پہنچیں جہاں قرآن نے وضاحت کی ہے جیسے قرآن حکیم میں سنگل یونیورس کا کوئی آئیڈیا نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے سیون یونیورسز کا آئیڈیا پیش کیا ہے۔ جیسے سات سے جو آسمان ہیں وہ ایک کائنات نہیں بلکہ سبع کائناتی تصور ہے جو قرآن دیتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن جب آسمان دنیا کی بات کرتا ہے تو قرآن یہ کہتا ہے کہ "میں نے آسمان دنیا کو چراغوں سے سجایا۔ یہ جو ہمارے Lesser Conceptual جو لوگ تھے، وہ پہلے سورج کی ایک Constellation کو آسمان قرار دیتے تھے حالانکہ قرآن بالکل واضح ہے کہ "ولقد زینا السماء الدنيا بمصابیح" (الملک: آیت 5) "ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے سجایا"۔ ایک چراغ سے نہیں سجایا۔ Infact بات یہ ہے کہ یہ چراغ بھی Particular ہے۔ اللہ تعالیٰ چان اور سورج کو کہیں بھی چراغ نہیں کہتا ہے۔ اب اگر دیکھا

جائے تو ہماری اس Galaxial order میں ٹو بلین Suns ہیں۔ اور کم از کم 200 بلین چاند ہیں۔ اب جتنے بھی جس حد تک بھی ہمیں آسمان پر یہ جلنے والے ستارے نظر آتے ہیں یہ خدا کے کہنے کے مطابق ایک آسمان ہے اور جہاں تک ہمارا علم کہتا ہے یہ سنگل یونیورس ہے۔ جو میں نے کاسماس، اللہ اور کائنات پہ لکھا ہے، اس میں میں نے یہ بڑی وضاحت کی ہے کہ خدا کے نزدیک یہ پوری کائنات ستاروں سے بھری کائنات ہے یعنی یہ ایک سنگل کائنات ہے۔ اور اس کی بالائی کائناتیں کئی قسم کی ہیں۔ No body knows اس کے ساتھ ساتھ خداوند کریم نے نہ صرف یہ کہا کہ ہم نے سات آسمان بنائے ہیں بلکہ فرمایا کہ سات دنیا میں بھی Create کی ہیں۔ ”اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ“ (الطلاق: آیت 12) اللہ تو وہ ہے جس نے سات آسمان تخلیق کئے اور ایسی ہی سات دنیا میں۔ اور یہ نہیں ہے کہ وہ دنیا میں خالی ہیں یا ان میں انسان نہیں ہیں یا بندے نہیں ہیں بلکہ فرمایا ”يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ“ ان تمام زمینوں میں ہمارا حکم اترتا ہے۔ ”لتعلموا انّ اللہ علی کل شیء قدير“ (الطلاق : آیت 12) تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ تمہارا رب کتنی قدرت والا ہے تو قرآن کی آیات کا وہ ادراک جو ہمارے پاس ہے، نہایت محدود ہے، اور جب ہمارے علم کی وسعتیں بڑھتی ہیں تو ہماری آگہی ذات اور آگہی کائنات بڑھتی ہے۔ ہمیں خدا کی مثالیں عجیب و غریب نظر نہیں آتیں بلکہ بڑی Pertinent نظر آتی ہیں۔ یہ عجیب سی بات ہے کہ ہمارے پاس جو جنتوں کے تصور ہیں بڑے محدود ہیں مگر قرآن کی ایک آیت ہی جنت کا ایسا تصور تخلیق کرتی ہے کہ جو زمین و آسمان میں کہیں سمایا نہیں جاتا اب اللہ کی جھنٹ کرتے ہوئے دیکھئے اس مثال میں اس نے کہا کہ میری مثال چراغ کی طرح ہے مگر خدا کو خود دیکھیے تو وہ کہتا ہے کہ یہ اتنا بڑا سورج اتنا مہیب اور ہولناک سورج جو ہمارے سر پہ کھڑا ہے۔ جو نو کروڑ میل دور سے ہمیں زندگی عطا کر رہا ہے۔ اس کو خدا کہتا ہے۔ یہ ایک چراغ ہے۔ ”وجعل الشمس سراجاً“ (نوح: آیت 16) ایک جلتا ہوا چراغ۔ اب جو پروردگار ہے وہ اتنا بڑا رب جو سورج کو ایک دیا کہہ رہا ہے، جو اس قسم کے کروڑ ہا ارب ہا سورجوں کو دیے کہہ رہا ہے اس کی اپنی عظمت کا کیا پیمانہ ہوگا اور جو جنت اس نے آپ کے

لیے بنائی ہوگی، اس کا اندازہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ آج ہم جس کائنات کی دہلیز پر کھڑے ہیں، اس کے عین وسط کی نشاندہی کرنے والا دور افتادہ ایک سٹار دریا یافت ہوا ہے جو ہماری دنیا سے پندرہ ٹریلیں لائٹ ایئرز کے فاصلے پر ہے۔ اب پندرہ ٹریلیں لائٹ ایئرز کے فاصلے پر جا کے ہم کائنات کو برابر تقسیم نہیں کر سکتے۔ ہمیں پتا نہیں کہ کائنات کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے اور یہ ایک کائنات ہے اور اس کے بالا کیا ہے۔ اس کے آگے کیا ہے اور ایک ایک سورج کائنات میں اتنا بڑا ہے کہ آپ کے اٹھارہ ہزار سورج اس میں آجاتے ہیں۔ اب یہ میگا ڈیفرنس ہے۔ کوآٹم تھک گئی ہے۔ Relativity تھک گئی ہے۔ اب آ کے کوآٹم اور Relativity کے فلاسفرز نے فیصلہ کیا ہے کہ یار پکی کوئی بات نہیں۔ قطعاً کوئی پکی بات نہیں۔ کوئی پکی بات ہم کر ہی نہیں سکتے وہ کہتے ہیں آپ کوئی آپشن کائنات میں سوچ لو حتیٰ کہ وہ اس حد تک چلے گئے ہیں کہ کائنات میں آپ کوئی تھیس بنا لو، کوئی نہ کوئی نکل آئیگا۔ تو سوچئے وہ یہ کہنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کائنات بالا میں انسانی ذہن کا ہر وہم، ہر وسوسہ، ہر خواب پورا ہو سکتا ہے اور پھر بھی کائنات آپ کو سمجھ میں نہیں آئیگی، تو اس کائنات میں اللہ تعالیٰ جنت کا حدود اور بعد واضح کرتا ہے فرمایا: زندگی اور موت کے بعد مومنین اس جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ ”وَجَنَّةٌ غَرَضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ“ (آل عمران: آیت 33) جس کی چوڑائی اور لمبائی سات زمینوں اور سات آسمانوں سے بھی زیادہ ہے؟ Can you imagine کیا آپ تصور کر سکتے ہیں۔ ہماری جنت کا تصور کیلے کے لگے ہوئے باغوں کا ہے اور خداوند کریم نے یہ چیزیں قرآن میں لکھی ہیں۔ مگر جو ہماری حدود ان کو متعین کرتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ہے کہ جس کے نیچے ایک آدمی سو برس چلتا جائے گا اور وہ ختم نہیں ہوگا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت میں ایک مکان سے دوسرے مکان کا فاصلہ پانچ سو برس کا ہے۔ تو وہ وہاں کیسے جائیں گے۔ فرمایا براق پہ، یعنی ایک مکان سے دوسرے مکان کا فاصلہ 500 لائٹ ایئرز کا ہے۔ تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ جنت

Is the huge most galaxy, inconceivable greater than

Seven earths and the skies.

اور اس Galaxy میں کتنی جگہ ہے۔ یہ بھی تھوڑی سی بات آپ کو بتا دوں کہ کتنی جگہ ہے اس میں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جب جنت میں لوگ داخل کر دیے جائیں گے تو پھر بھی جنت میں جگہ بچ جائے گی اور اللہ پھر نئے لوگ پیدا کرے گا اور نئی پھر آزمائشیں ہوں گی اور پھر نئے لوگ داخل ہونگے

Do you understand what he says?

اس زمین پہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا یہ فلسفہ خیال نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ پہلی دنیا نہیں ہے۔ یہ تو ایک مسلسل تخلیقی پراسس ہے جو سات دنیاؤں کا اور وہ کہاں کہاں واقع ہیں، اللہ اس کو بہتر جانتا ہے اور یہ بھی میں آپ کو یقین سے کہتا ہوں کہ آپ لوگ اپنے مرنے سے پہلے شاید ایک آدھ دنیا کا سگنل دیکھ لو۔ میرا یقین یہ کہتا ہے کہ Sciences اس وقت تک ہیں جب تک قرآن کی یہ دور از کار باتیں پوری نہیں ہو جاتیں۔

Scientist is learning the same thing in hard way,
which God has stated to the people with easier way.

تو فرق صرف اتنا ہے کہ خداوند کریم نے جو باتیں لکھ دی ہیں۔ ابھی تو بہت ساری باتیں ایسی ہیں قرآن کریم کی، ابھی آپ دیکھیے گا گلے پانچ سال میں، قرآن کی ایک اور بات پوری ہو جائیگی۔ جس پر کبھی پرویز صاحب نے بڑا شدید اعتراض کیا تھا کہ جانوروں کی بولی (سلیمان) نہیں سمجھتے تھے اب ایسے آلے نکل آئیں گے جو آپ اپنی جیب میں رکھ کر اپنے جانوروں سے کلام کر سکیں گے۔ ہو سکتا ہے صبح سویرے مرغ کی اذان آپ کو لفظ بہ لفظ سنائی دے۔ وہ کیا کہہ رہا ہے، کیا نہیں کہہ رہا۔ تو ہر بات اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری ہونیوالی ہے، مگر بد قسمتی یہ ہے کہ یہ عصر دجال ہے اور پراگرس ایک Limit تک ہے اور اس کے بعد جیسے اللہ چاہے گا جب قرآن اپنی تمام حالات میں ثابت ہو جائیگا۔

And in the next ten years آپ کی اطلاع کے لیے ہے کہ لوگ جہازی

طریقے سے travel کرنے کے بجائے شعاعی طریقے سے Travel کریں گے۔ اسی طرح جیسے ملکہ بلقیس کا تخت لایا گیا تھا۔ ابھی میٹل کی ایک چھوٹی سی ڈلی انہوں نے ایک جگہ سے دوسری جگہ ٹرانسفر کر لی ہے۔ اب Fusion اور De fusion بھی ہو چکی ہے اور آپ کو پتا ہے مارکونی نے پہلے پہل ریڈیو کی Length جو ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک پہنچائی تھی۔ بعد ازاں اس کا نتیجہ آپ کہ ہاں کن ایجادات میں نکلا۔ تم بہت بہتر جانتے ہو مگر میں عرض یہ کر رہا ہوں کہ خدا اتنی بلند اور اتنی جہت میں پھیلا ہوا ہے کہ یہ کہنا بڑا مشکل ہے۔ اسی لیے خدا نے دوسری جگہ یہ فرمایا کہ تمہارے پاس میری جیسی کوئی شے نہیں، کوئی مثال نہیں ہے۔ یہ مثال میں تمہیں سمجھنے کے لیے دے رہا ہوں۔ یہ میری مثال نہیں ہے۔ لیکن اگر تمہیں بہت اچنبھا ہو۔ تمہیں بہت پریشانی ہو، تمہارے ذہن میں بہت سارے سوال آئیں کہ خدا کیسے کائنات چلاتا ہے۔ خدا کائنات میں کیسے ہوتا ہے۔ خدا کائنات میں کہاں بیٹھتا ہے تو میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ پوری کی پوری کائنات پیچھے ہٹی ہوئی ایک طاق کی طرح ایک نکر میں آ جاتی ہے اور اس نکر میں، میں بیٹھا سوچتا ہوں اور جیسے جیسے میں سوچتا ہوں چیزیں پھیل رہی ہیں جیسے تمہارا دماغ ایک طاق کی طرح ہے۔ اس میں دماغ کا چراغ جلتا ہے اور اس میں آپ خواب و خیال Built کرتے ہو۔ پتا نہیں کہاں سے کہاں چلے جاتے ہو۔ ڈیڈ ریمنگ جسے کہتے ہیں ہول گید رنگ جسے کہتے ہیں اور دیکھیے ہوتا وہی ہے کہ اتنی بڑی سوچیں ہم امریکہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، انگلینڈ بیٹھے ہوئے ہیں باتیں ہو رہی ہیں، رومانس ہو رہے ہیں، شادیاں ہو رہی ہیں، کاروبار چل رہے ہیں مگر جب ہم اکتا جاتے ہیں تو ایک جھٹکے سے کہتے ہیں! بس بھئی۔

That's all

And the moment you get up come into the real sense the whole show is lost. And dreams are lost. اس دن اللہ میاں کہیں گے کل یقیناً ہر چیز فنا ہو جائیگی۔ پھر جب اتنے سارے خواب دیکھ لے گا، اتنے سارے Dream world کو ختم کرے گا اور اس کی ڈریم ورلڈ Real ہے۔ غلط نہیں

ہے۔ اس لئے کہ خدا نے انسان کو پیدا کرتے ہوئے ایک چیز اس سے لے لی، دو چیزیں اپنی دے دیں۔ اللہ قدر تھا۔ انسان کو اللہ نے مرید کر دیا۔ متکلم کر دیا۔ قدرت دیدی، یہ قدرت اس سے لے لی، اگر ہم قدر بھی ہوتے۔ ہم عبد القدر ضرور ہو سکتے ہیں لیکن قدر نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم قدر ہوتے تو ہم اپنی ہر خواہش کو پورا کر سکتے، آپ نے سنا ہے جنت میں کیا ہوتا ہے۔ آپ خواہش کریں گے اور چیز آ جائیگی۔ یعنی آپ کی دماغی قوتیں اتنی بڑھ جائیں گی کہ آپ کو اللہ میاں وہ قدرت دے گا جو اس کی اپنے ساتھ مخصوص ہے اور جنت میں یہی ہوگا کہ جو چاہو گے بناؤ گے۔ اگر مونگے کا محل پسند ہے تو مونگے کا محل موجود ہو جائیگا۔ اشیاء فطرت میں ایک ہیں، اپنی تخصیص میں ایک ہیں، اپنے Origin میں ایک ہیں، اپنی nature میں ایک ہیں اور اسی لیے رسل نے کہا تھا کہ

We only know the relationship of things, we don't know the nature of things.

ہم صرف اشیاء کے تعلق کو جانتے ہیں، اشیاء کی فطرت کو نہیں جانتے اور رسول گرامی مرتبت کی ایک دعا ہے کہ "اے اللہ مجھے اشیاء کی فطرت کا علم دے" دیکھیے اپرو چیز میں کتنا فرق ہے۔
This is what I am always telling. کہ اگر آپ کو خدا سے وابستگی ہوگی تو آپ اللہ سے اشیاء کی فطرت کا علم مانگیں گے تو یقیناً آپ کی وسعت ذہن، آپ کا ابلاغ، آپ کی قدرت ذہن از حد بڑھے گی West is no West, East is no East یہ تو بات اللہ کے بندوں کی ہے، اور اللہ کا بندہ نہ ہونے کی۔

تصوف کی روشنی اور سائیکالوجی کے سائے!

دوسرا سوال: آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ والی بات کی ہے کہ کون و مکان کی کوئی حد تک نہیں ہوتی۔ جب ہم یہ باتیں سائیکالوجی کے سٹوڈنٹ سے کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے جی

It falls in curriculum of para Psychology Is it so? Sir

جواب: بات یہ ہے صاحب کہ سائیکالوجی کی اپنی حدود ہیں۔ سائیکالوجی کی کبھی بھی Intention خدا شناسی نہیں رہی بہر حال اس کی Intention خود شناسی اور خود آگاہی ضرور ہے۔ اور سائیکالوجی کا مقصد یہ ہے کہ بدتر اور کمزور Self کو بہتر اور کارآمد Self میں ڈھال لینا اور اس کے لیے ماڈرن سائیکالوجی جتنے بھی Complexes جتنے بھی فوبیاز جتنے بھی Superstitions سے لڑتی ہے۔

Psychology likes to provide a good scientific reason for all the deeds.

ہو سکتا ہے آپ جسے جن قرار دے رہے ہیں۔ سائیکالوجی اسے ہسٹیریا قرار دے۔ آپ جسے عمل تعویز اور سحر سمجھ رہے ہوں، سائیکالوجی اسے Possession اور Obsession کا عمل قرار دے۔

And there we fully agree with psychology, because God is not God of unreasonable incidents God is a God of Reason.

علم و حکمت اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہے اور خداوند کریم نے انسانی درجات کو آسیب پہ نہیں تخلیق کیا۔ اللہ نے علم پر انسان کے درجے تخلیق کئے ہیں۔ (آیت) "جس کے چاہتا ہوں درجے بلند کرتا ہوں۔ اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے" مگر حضرات گرامی! سائیکالوجی قطعاً آپ کو خدا شناسی کا سبق نہیں دے سکتی اس لئے کہ سائیکالوجی move کرتی ہے۔

From self to the self سائیکالوجی self سے self کو move کرتی ہے۔ سائیکالوجی نفس کی تعلیم ہے، نفس کی ترغیبات کی تعلیم ہے، نفس کی arrangements کی تعلیم ہے مگر جب ultimately کہیں لے کے جائے گی تو آپ کو ایک بہتر نفس تک ہی لے کے جائے گی اور یہاں سے تصوف شروع ہوتا ہے "ولمن خاف مقام ربہ جنتن" (الرحمن: آیت 40) "کہ جو خدا کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس نے اپنے نفس کی مخالفت کی"

Now you see, the difference is understandable
between the two

کہ ایک آدمی ترقی کرتا ہے initiative رکھتا ہے وہ ایک چھوٹے سے افسر سے ترقی کر کے گورنر یا صدر بن جاتا ہے۔ تو سائیکالوجی اس کو کامیاب انسان کہے گی۔ اعلیٰ ترین انسان کہے گی اس کی صلاحیتوں کی تعریف کرے گی۔ ہو سکتا ہے وہ خدا کی سائنسز میں اول درجے کا مردود ہو، اس لئے کہ مکر و فریب سے، غیبت سے، چالبازیوں سے اس نے اپنی زندگی کے اقتدار کو حاصل کیا اور سائیکالوجی اس کو appreciate کرے گی۔

He has used his skill. He has used his determined actions. He has used this and that and ultimately he reached at very high position.

مگر اللہ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ خدا کے نزدیک ان لوگوں کی حیثیت ہے جو اپنی جبلی اقتدار کو عقل و علم کے لئے قربان کرتے ہیں، اور پہلی عقلی استعداد اس وقت پیدا ہوئی جب نسل انسان نے جبلت کے خلاف جہاد کیا اور خواتین و حضرات آج بھی یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف بہترین عقل سے پہچانا جاسکتا ہے اور عقل کے بغیر تلاش کا جو حشر ہوتا ہے، وہ آپ کے معاشرے میں بالکل ظاہر ہے کہ ہر آدمی تعویز دھاگہ اور جادو سحر کی مصیبتوں میں مبتلا ہے۔ and no body realizes کہ جہاں اللہ ہے اور جہاں پروردگار کی یاد موجود ہے اور جہاں خداوند کریم کا آسرا نصیب ہو وہاں کسی قسم کے ظلم و ستم کا شائبہ نہیں ہو سکتا مگر خدا نے کہا ”وَمَنْ يُعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نَقِيضٌ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ“ (الزخرف: آیت 36) کہ جو رحمان کے ذکر سے غافل ہوئے ہم ان پر شیطان کو غلبہ دے دیتے ہیں وہ ان کے قریب ہے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ پیرا سائیکالوجی تصوف کے بہت سارے واقعات کو paranoid illusion سمجھتی ہے۔ delusion\paranoid illusion سمجھتی ہے۔ درحقیقت delusion\paranoid illusion ہو بھی سکتا ہے۔ بشرطیکہ ایک بندہ صوفی

نہ ہو۔ مصیبت یہ ہے کہ چونکہ تصوف کے تمام معیارات عقلی ہیں اور تصور کا اعلیٰ ترین معیار اعتدال ہے کیونکہ بہت سارے لوگ صوفیانہ مزاج کے ہوتے ہیں نہ معتدل ہوتے ہیں اور نہ عاقل ہوتے ہیں۔ اس لئے سائیکالوجی کو انہیں جنونی ڈکلیئر کرنے میں آسانی ہوتی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے جسے آپ مجذوب سمجھ رہے ہیں وہ واقعتاً سائیکالوجیکل جنونی ہو۔ اس لئے آپ سائیکالوجی کو ignore نہیں کر سکتے۔ علوم نفس کی وہ مہارت، وہ محنت وہ استعداد جو انہوں نے اسلامی سٹڈی میں Gain کی ہے اس کی بہر حال تعریف کی جانی چاہیے۔ مگر تصوف اس سے ذرا آگے ہے۔

اللہ کا اسم ہی اسم اعظم ہے۔

سوال (منہوم) آپ نے آیت پڑھی ”وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا“ (البقرة: آیت 31) اسماء سے کیا مراد ہے۔ کیا ان سے مراد اسمائے الہی ہیں؟

جواب) یہ آخری سوال ہے جو میں ڈیل کرونگا اور بھی سوال ہیں اس کے بعد، بہت سارے انسان اس سکتی ہوئی انسانیت میں اپنے مصائب کے لئے رب کو پکار رہے ہیں۔ اب کیسا ہے کہ میں ماں سے زیادہ بندے سے پیار کرتا ہوں تو پھر یہ کیوں حل نہیں ہو رہے ہیں۔ ہر عمل بے روح کیوں ہے۔ جواب تو آپ نے دیدیا کہ ہر عمل بے روح ہے۔ اس لئے بہت سارے لوگ جو اللہ کو پکارتے ہیں، بہت سارے لوگ اسی وقت بہت سارے اسباب کو بھی پکار رہے ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ تو اگر اللہ کو ایسے پکارے کہ تیرے دل میں اللہ کے سوا اور کوئی نہ ہو تو یہ تیرا اسم اعظم ہے۔ In fact میں نے اپنی زندگی میں اس شخص کو کبھی پریشان، درد مند اور رسوا نہیں دیکھا جو مصائب میں صرف اللہ کو پکارتا ہے۔ اصل میں ہمارے پاس اللہ ایک excuse کی طرح ہے۔ ایک ایسا excuse کہ جب تمام اسباب کی خداوندگی کم ہو جائے، جب ہم تمام خدا دیکھ لیں، اسباب سارے دیکھ لیں اور اسکے بعد اگر ہمارے مسائل حل نہ ہوں تو پھر ہم اللہ کو پکارتے ہیں اور یہ پکارنا جبراً ہوتا ہے۔ سنی سنائی بات ہے کہ چلو جی اب ایک اور خدا باقی رہ گیا ہے جسے اللہ کہتے ہیں، چلو اس کو بھی try کر لیتے ہیں۔ آپ اللہ کو پکارتے

ہیں۔ اے اللہ تو یہ کام کر جب وہ نہیں کرتا تو کہتے ہیں اللہ تجھے بھی دیکھ لیا۔

In fact, you see, God has always served people as an excuse. God has not been taken as almighty Allah, As one who can really solve every bit of your problems....

یہ توکل میں کمی اور خدا کے اعتقاد میں کمی کے باعث ہوتا ہے اور آپ کے اندرونی بحران کی وجہ سے ہوتا ہے، ورنہ ایسی کوئی بات نہیں کہ خدا کسی کی نہ سنے۔ وہ ہمیشہ سنتا ہے اور اگر نہیں سنے گا اگر آپ کی بلا بڑی ہے تو میں قسم اٹھا کہ کہتا ہوں کہ آپ کو اتنا صبر ضرور دے دیگا کہ آپ اس بلا کے نکلنے تک محفوظ رہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا آپ کو آزمائش میں تنہا چھوڑ دے مگر چونکہ وہ دلوں کا حال جانتا ہے "واعلم ما تبدون وما كنتم تكتمون" (البقرہ: آیت 33) "میں اچھی طرح جانتا ہوں جو تمہارے دلوں میں ہے اور جو تم چھپاتے ہو" وہ آپ کے دلوں کو جانتا ہے کہ آپ کو اللہ پر کتنا یقین ہے اور ارد گرد کے خداؤں پر کتنا بھروسا ہے۔

کیا خدا شناسی کا علم مخصوص لوگوں کے لئے ہے؟

س : حضرات گرامی ایک بہت طویل سا سوال ہے کہ خدا شناسی کے علم پر آج جو نشست ہوئی آیا یہ علم بہت زیادہ پڑھے لکھے یا سمجھدار لوگوں کے لئے ہے یا پھر اس سے عام طالب علم بھی مستفید ہو سکتا ہے۔ اگر یہ علم عام لوگوں کے لئے مشعل راہ کا کام کر سکتا ہے تو پھر اس سلسلے میں جب کیا آپ کسی یونیورسٹی کے قیام کا ارادہ رکھتے ہیں یا اس علم کو صرف چند سوا افراد تک محدود کرنا چاہتے ہیں۔

ج : حضرات گرامی! یہ بڑا اچھا سوال ہے۔ دراصل مجھ سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ چلو جی آپ نے تھوڑا سا پڑھا لکھا، آپ نے کوشش کی اور آپ خدا تک کسی نہ کسی صورت حال میں دعوتایا مقصداً پہنچ گئے تو وہ لوگ کیا کریں گے جو اتنا علم نہیں رکھتے۔ تو حضرات گرامی میں سمجھتا ہوں آج کا انسان خاصا شاطر ہے۔ اپنے آپ کو ذہین سمجھتا ہے تو جو آدمی اپنے آپ کو ذہین، سمجھدار، پڑھا لکھا، انا پرست

سمجھے اس کو تو چاہیے کہ خدا کو تلاش کرے اور اگر کوئی ایسے سادہ لوح بھی ہیں جو یہ کام نہیں کر سکتے تو پھر ان کے لئے دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ کوئی خدا شناس تلاش کریں۔ تو دنوں صورتوں میں برأت ہے Range of mind is different اور اگر انہیں اپنی capacity of mind کا اتنا بھر پورا احساس نہیں ہے تو پھر وہ ایسے کریں کہ یا خود تلاش کر لیں یا پھر کسی ایسے کو تلاش کر لیں جو پہلے سے حقیقت علم سے واقف ہو۔ باقی جو میری بات ہے frankly telling you جو کچھ بھی تجربات و حوادث کی شکل میں مجھے ملا ہے، وہ لوٹا رہا ہوں جو اللہ نے دیا ہے، زندگی سے جو سیکھا ہے

I think everybody is capable of knowing God.

میرا اپنا خیال یہ ہے ایک سادہ ترین انسان سے لیکر اعلیٰ ترین ذہانت کے انسان تک سارے لوگ اللہ کو جاننے کے قابل ہیں۔ خدا نے ہمارے کمپیوٹرز میں ایک inherent صلاحیت رکھی ہے اور یہ صلاحیت کوئی اور کام کر سکے یا نہ کر سکے مگر خدا کو جاننے کا ضرور فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمام لوگوں سے قبر میں ایک ہی سوال نہ پوچھا جاتا یعنی جب ایک موچی سے، ایک قصائی سے، ایک پروفیسر سے، ایک دانشور سے، ایک مزدور سے ایک ہی بات اللہ پوچھ رہا ہے کہ من ربک تو ایک ان پڑھ آدمی بھی تو کہہ سکتا ہے نا کہ یا اللہ میں نے تو ساری عمر جو تیاں گانٹھی ہیں میں نے تو کتاب پڑھی ہی نہیں میں کہاں سے تجھے جواب دوں تو پھر وہ سچا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ میاں میں پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ مگر خدا کہتا ہے نہیں میرے بندے نے جھوٹ کہا کیونکہ یہ صلاحیت میں نے ہر انسان کو دے رکھی ہے وہ بقدر استطاعت اپنے رب کو پہچان سکتا ہے۔

جلوہ بقدر ظرف نظر دیکھتے رہے

کیا دیکھتے ہم ان کو مگر دیکھتے رہے

حضرات گرامی! ایک حقیقی بات یہ ہے کہ تین آدمیوں سے یہ قلم اٹھا۔ یعنی سوئے ہوئے، مجنون اور مجذوب یہ قلم اٹھا لیا جاتا ہے۔ بچے سے یہ قلم اٹھا لیا جاتا ہے ورنہ اور کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس پہ شناخت پروردگار بقدر ظرف نہ اٹھے۔ یہ inherent کوالٹی ہے ہر انسان

کے کمپیوٹر میں اللہ تعالیٰ نے کم از کم یہ وعدہ شناخت ضرور رکھا ہے۔ لیکن ایک سادہ سی بات ہے کہ ایک شخص نے مجھے کہا کہ پروفیسر صاحب آج میں خدا کو مان گیا ہوں بڑا excited میرے پاس آیا تو میں نے کہا کیسے مان گئے ہو تو اس نے مجھے کہا کہ جی میں گھر سے قسم کھا کر نکلا تھا اللہ میاں اگر مجھے سڑک پر پچاس روپے کا نوٹ مل گیا تو تجھے اللہ سمجھوں گا وگرنہ نہیں سمجھوں گا وہ مجھے کہنے لگا پروفیسر صاحب قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں جو نبی سڑک پر آیا تو پچاس کا نوٹ پڑا تھا میں نے کہا تیرے اللہ کی قیمت پچاس روپے ہے، دیکھ لو۔

But I would say this is a manner of argument in every body.

ہر آدمی نے اللہ کے بارے میں اپنی اپنی argument رکھی ہوئی ہے۔ یہ ہو گیا تو سمجھوں گا اللہ ہے، یہ ہو گیا تو سمجھوں گا اللہ نہیں ہے and then اپنے اعتبارات کو build کرتا ہے مگر main argument جو آپ نے دیکھا، حضرت ابراہیمؑ، نمرود کا محاکمہ ہوا، اور نمرود نے کہا اے ابراہیمؑ تو کہتا ہے خدا زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے "قَالَ اَنَا اَحْيِي وَ اُمِيتُ" (البقرة: آیت 258) "میں بھی زندہ کرتا ہوں میں بھی مارتا ہوں" اور پھر اس نے ایک بندے کو جسے پھانسی کی سزا ہوئی تھی اسے چھوڑ دیا اور ایک دوسرے بندے کو جو اچھا بھلا بیٹھا تھا اسے قتل کر دیا تو اس نے کہا دیکھا ابراہیمؑ "تو ابراہیمؑ نے اسے argument دی اور وہ argument یہ تھی کہ خدا ایک چھوٹے سے دربار کا خدا نہیں ہے۔ ایک مملکت کا خدا نہیں ہے۔ بلکہ خدا ایک پوری کائنات کا خدا ہے اور جب تک تو اپنے غلبے کو بیرون کائنات تک مجھے کر کے نہیں دکھائے گا میں اس argument کو تسلیم نہیں کروں گا اب ابراہیمؑ نے کہا "قَالَ اِبْرَاهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاتِي بِالْمَشْرِقِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ" (البقرة: 258-2) "کہ میرا رب تو مشرق سے سورج چڑھاتا ہے تو مغرب سے چڑھا" کافر مبہوت ہوئے۔ تو ابھی دیکھئے خدا کے ثبوت کے لئے جو معجزات پیغمبروں کی زندگی میں آتے ہیں یہ ہر آدمی کا place of faith ہے ایک شخص نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تجھے پیغمبر نہیں مانوں گا جب تک

چاند دو ٹکڑے نہیں ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے وہ ساعت قریب آگئی
چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور ہزاروں حجتیں جو حضرت موسیٰ پہ ان کی قوم نے رکھیں۔ وہ یہ وضاحت
کرتے ہیں کہ ہر آدمی کا

Standard of justification of truth is different

اور اپنی اپنی قدر کے برابر ہے اسی طرح انکار کے دلائل، ایک بہت بڑے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ
آف فلاسفی جو اللہ کے بڑے سخت خلاف تھے تو میں نے ان سے پوچھا آپ کے پاس کوئی دلیل
ہے جی ہاں ہے۔ میں نے کہا حضور کیا ہے تو کہنے لگے دیکھو، میرا ایک جوان بھائی تھا مجھے اس سے
بے پناہ محبت تھی خدا نے اسے جوانی میں کیوں اٹھالیا، پھر روٹا بھی شروع ہو گیا خدا نا انصاف نہیں
ہو سکتا ہے۔ میرے ساتھ بڑی ضد کی، بڑی نا انصافی کی، ایک اور صاحب ملے انہوں نے کہا
پروفیسر صاحب میں تو ایمان سے چلا گیا، میں زندگی بھر رو رو کے اپنے بھائی کی زندگی کی دعائیں
مانگتا رہا میں حج کو گیا، میں حج کے دوران میں جہاں بھی گیا، ایک ہی دعا مانگی میں نے کہا یا اللہ
میرے بھائی کو بڑی طویل زندگی دے، میں واپس آیا تو وہ مر گیا۔ اس کا میں کیا کروں میرا خدا
سے اعتبار ہی اٹھ گیا ہے۔ میں نے کہا بھائی اگر اللہ پہ اس طرح کا اعتقاد ہے تو دو جمع دو بھی بدل
کے دیکھ لو تم جذباتی ہوئے ہو تو یہ چھ ہو جاتے ہیں تمہارا بچہ مر جائے تو دو جمع دو تین ہو جاتے
ہیں۔ جب ایک چھوٹی *mathematical preposition* تمہارے جذباتی تغیر
اور تبدل سے نہیں بدلتی تو اتنی بڑی کائناتی حقیقت کو تم ماں باپ کے مرنے سے بدل دیتے ہو، تمہارا بچہ
مر جائے گا تو تم خدا پہ اعتبار چھوڑ دو گے *God has no such concept* اس کو
اتنی بڑی کائنات چلانی ہے کہ اس کے پاس ان چھوٹی چھوٹی *sentimental*
approaches کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہ تو پتا نہیں کیسے اسے خیال آیا کہ میں نے انسانوں
سے محبت کرنی ہے، خیال رکھنا ہے، میں نے انسانوں کو گلے لگائے رکھنا ہے اور یہ پکا اپنی کتاب
میں بھی لکھ دیا۔ اپنی کتاب میں دیکھو اللہ میاں کیسے اپنے جبر کو اپنے اوپر مسلط کرتا ہے کہ کتاب میں
لکھ دیا کہ میں نے اپنے اوپر یہ فرض کر لیا ہے میں ہر حال میں انسان پہ رحم کروں گا۔ ایسی عجیب و

غریب سوچ، یہ پروردگار نظر ہی نہیں آتا کیونکہ اتنی بے پناہ قوتوں کے درجات کے باوجود انسانوں کی محبت اور رحمت اپنے اوپر غالب کر لی۔ ”کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ“ اور جب یہ فرض کر لی تو نہ صرف یہ کہ اس رحمت کو abstract رکھا ایک بے کراں رحمت کو abstract رکھا بلکہ اس بے کراں رحمت کو مجسم کر دیا ادھر کہا ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ (الفاتحہ: آیت 1) ادھر کہا ”کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ“ (الانعام: آیت 12) ادھر کہا ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ آپ غور کریں تو کائنات کی وجہ تخلیق نظر آتی ہے کہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے رحمت اپنے اوپر غالب کر لی۔ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اوپر غالب کیا اور کتاب میں یہ لکھ دیا کہ اس میں کوئی لفاظی کوئی Imagination استعمال نہیں کر رہا، میں سیدھی سی قرآنی آیات کا ترجمہ آپ کو پیش کر رہا ہوں اللہ نے فرمایا ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ ایک جگہ فرمایا کہ میں نے مخلوقات کی تخلیق سے پہلے یہ لازم کیا کہ ہر حال میں ان پہ رحمت فرماؤں گا ”کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ“ ایک جگہ فرمایا ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ صرف رب اور رحمت کا فرق رہ جاتا تو بندگی کے سوا آج تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقامات سمجھ نہیں آتے خالق و مخلوق کا فرق تو کہیں نہیں مانا جائے گا مگر خالق و مخلوق کے علاوہ جو واحد وجہ سمجھ آئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق کی کہ جیسے ہر آدمی کی appreciation جو ہے کسی بالغ نظر کو appreciate نہیں کر سکتی۔ میں اگر ایک بڑا اچھا فلاسفر ہوں یا دانش ور ہوں یا شاعر ہوں تو ہر آدمی کی تعریف مجھے خوش نہیں کر سکتی۔ اگر ایک ان پڑھ آدمی آ کے واہ واہ شروع کر دے گا تو میں خاصی شرمندگی محسوس کروں گا اور اگر ایک پڑھا لکھا آدمی خاموش رہے گا تو میں کہوں گا جس کو سمجھ آئی تھی اس نے تو تعریف ہی نہیں کی اور جس کو سمجھ ہی نہیں آئی خواہ مخواہ مجھے الجھائے جا رہا ہے۔ تعریف میں تو دراصل خدا کو بھی سب کی تعریف پسند نہیں آتی جب تعریف کے ranks بھی بنائے گئے تو اسے ایک ہی بندے کی تعریف اپنے لیے پسند آئی اور اس نے اس کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھا۔ احمد کا مطلب ہی یہی ہے کہ تعریف کرنے والا تو حضرات گرامی یہ ایک سوال ہے کہ علم اور معرفت میں کیا فرق ہے؟ کیا معرفت محض

عطائے الہی ہے؟ یا کوشش سے ممکن ہے۔ حضرات گرامی علم کا نتیجہ ہی معرفت ہے۔ اگر آپ کا ذہن تجسس اور سوچ رکھتا ہے جاننے کی، سمجھنے کی اور آپ کا شعور progressive ہے تو علوم سے گزرتے ہوئے اس کی واحد نیچرل منزل اللہ ہے۔ تمام عقلی جدوجہد، شعور اور بلاغت فکر و نظر بالآخر اللہ پہ آکے ختم ہوتی ہے اگر آپ کو علمی جدوجہد سے اللہ نہیں ملا تو آپ کو واپس پلٹ کے یہ دیکھنا ہوگا کہ نقص علمی جدوجہد میں کہاں ہے

then must be same fault in your

understanding and approach.

اور یقین جانے کہ reasonable آدمی جو پچھلے دنوں ایک امریکن ایمپیڈ رتھے انہوں نے انڈیا میں کہیں میرا ذکر سنا تو وہ آتے ہی مجھے کہنے لگے

I am a spiritualist for the last 30 years.

I have come to share my spiritual and celestial experiences with you.

میں نے کہا Welcome تو میں نے کہا جی موضوع کیا ہوگا تو کہنے لگے "spiritual" تو میں نے اسے کہا کہ بیشتر اس کے کہ آپ سے کچھ سیکھوں، میں آپ کو ایک بات بتانا چاہتا ہوں کہ spiritualism means nothing اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں جو کچھ بھی آپ کے پاس ہے اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

because I know you have no knowledge of God.

تو ظاہر ہے انہوں نے کہا جی آپ pre-guess کر رہے ہیں تو میں نے کہا نہیں

I am not pre-guessing

آپ اس path پہ ہی نہیں ہیں تو میں نے ان سے پوچھا تم کیا کرتے رہے ہو۔ اس نے مجھے کہا کہ میں مدتوں سے خدا کی تلاش میں ہوں۔ میں خدا کی تلاش میں دس سال رومن کتھولک رہا۔

I did not find God. so I change my religion

پھر میں Jew ہو گیا۔ میں بنیادی طور پر Jew تھا۔ میں پھر اپنی Judaism کو لوٹ آیا پھر

I stayed there about 10 years . I did not find God.

پھر میں نے Judaism کو چھوڑ دیا پھر میں ہندو ازم کی طرف راغب ہوا اور چونکہ میں انڈیا

میں تھا تو میں نے پانچ سال مسلسل جانچا پر کھا۔ ان سب کا مطالعہ کی

I did not find God. پھر میں بدھ ازم کی طرف گیا لیکن مجھے خدا نہیں ملا۔ میں نے کہا

۱۰۱

خدا نہیں ملا تو spiritualism کیا ہوتا ہے

what do you mean by spiritualism

تو میں نے اس سے question کیا؟

why did you not try Islam. I do not know why,

but i did not try Islam

کہتا ہے I did not know why, but I did not try میں نے کہا نہیں

you have to answer this question.

تمہیں دکان چاہیے تھی کہ سودا چاہیے تھا اور اگر تمہیں سودا چاہیے تھا تو تم اسلام کو کیوں

ignore کر گئے باقی مذاہب کو تم نے بڑا پوچھا، بڑا ادھر ادھر گئے، سارا try کیا تو کہنے لگا کوئی

خاص بات نہیں، میں نے کہا خاص بات تھی کہ اسلام کے خلاف تمہارے دل سے تعصب نہیں

گیا۔ تمہیں خدا کی تلاش نہیں تھی اگر خدا کی تلاش ہوتی اور اگر تمہیں پتا تھا کہ مسلمان بھی یہ دعویٰ

رکھتے ہیں کہ ہم سے خدا ملتا ہے تو تم اسلام بھی try کرتے تو میں نے کہا ذرا پھر دل ٹٹول کے

دیکھو تم ابھی اپنی سائیکالوجی آف سیلف ہی سے نہیں نکلے تم نے آگے کیا بڑھنا ہے۔ اللہ کے پاس

کون سی spiritualism تم تلاش کر رہے ہو

but you know he said, I could agree with you , I

could agree with you do you suggest me some

thing

میں نے کہا ہاں I could suggest you something الحمد للہ خاصا فرق
پڑا اس کو میں جو ابھی آپ سے کہہ رہا ہوں

کہ he sent me a message

I think I have reached some where, in the search of
God.

اور میں چاہتا ہوں یہاں آ کے میرے اور بڑے دوست ہیں، حلقہ احباب ہے

we are arranging a session for you

تو شاید وہی مجھے Invite کرے اصل بات یہ ہے کہ آپ کا اپنا ایک clear مقصد ہونا چاہیے
کہ you really need God یہ آپ کو ہر روز اپنے آپ سے پوچھنا پڑے گا کہ کیا
واقعی آپ کو خدا کی تلاش ہے اور اگر آپ کا دل گواہی دے کہ آپ کو خدا چاہیے تو میں خدا کی قسم اٹھا
کر کہتا ہوں کہ اتنی مشکل دنیا میں اتنی آسان اور قابل اصول شے کوئی نہیں جتنا خدا ہے

The reason is very simple, He has created you for
him.

نہ اس نے آپ کو روٹی کے لئے پیدا کیا، نہ پانی کے لئے، نہ بیوی بچوں کے لئے یہ تو ضمنی مقاصد
ہیں جب مجھے پیدا ہی اس نے اپنے لئے کیا ہے تو وہ مجھے کیسے انکار کر سکتا ہے۔ حضرت بایزید
بسطامی چالیس سال تک مراقبہ ذات میں رہے، چالیس برس کے بعد ہم آہنگی ہوئی کچھ شعور خدا
وند تک پہنچے تو کہنے لگے کہ چالیس برس میں خدا کی تلاش میں رہا جب میں نے اسے پایا تو پتا چلا کہ
وہ مجھ سے پہلے میری تلاش میں تھا اور یہ حقیقت ہے۔ جس کو خدا کی تلاش ہے، جس کو طلب ہے
جو اس رستے کو ڈھونڈ رہا ہے خواہ وہ مشرق میں ہے یا مغرب میں ہے، خواہ وہ Antarctic یا
Arctic میں ہے جب وہ کھلے دل سے، سچے دل سے اللہ کی آرزو کرتا ہے تو وہ ضرور اسے اپنے
تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔ ناموں پہ مت جائیے

you got muslim names and some people have

christian names and some peoples have got hindu names

انسان بنیادی نیچر میں ایک ہے سوائے اس شخص کے جو اپنے آپ کو آدمیت سے مزین کرتا ہے جو اپنی زندگی کے مقصد کا تعین کرتا ہے جو اللہ کی ہمسائیگی کی آرزو کرتا ہے۔ وہ اللہ سے دور نہیں رہ سکتا not at all اور یہی معرفت ہے۔ اللہ کی طرف پہنچنے کے تین رستے ہیں۔ the first is argument جو ذہن آسب کے رستے سے ہٹ جائے۔ چھوٹے چھوٹے چمٹکاروں سے اپنی argumnet کھو بیٹھے جو کسی صفائی کے کرشموں سے اچھائی اور خیر اور شر کا عمل بھول جائے

you must have a very strong argument

یہ جو پیغمبر ہوتے ہیں یہ اللہ کی دلیل ہوتے ہیں یہ حجت اللہ ہوتے ہیں۔ ایک پیغمبر کا معجزہ اس کا اپنا نہیں ہوتا۔ یہ اس کی دلیل ربانی ہوتی ہے۔ وہ ایک ایسے شخص کی طرح ہے جو غیر معقول میں بھی دلیل رکھتا ہے اور معقول میں بھی دلیل رکھتا ہے۔ ایک شخص کو عقلی دلائل سے واسطہ نہیں ہوتا مگر جب وہ کہتا ہے کہ اے پیغمبر اگر بارش برس جائے تو میں تجھے پیغمبر مانوں گا، تیرے خدا کو خدا مانوں گا تو وہ کہنا یہ چاہتا ہے کہ میرے پاس بارش برسنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ میں existing data پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ بارش نہیں ہوگی

and if i go to man of God, and i tell him

بارش تو نہیں ہوگی تو اگر برسا دیں تو اللہ کو مانوں گا تو ہمیشہ ڈیٹا خدا کے تصور سے جدوجہد کرتا ہے اور آج کے دن کی سب سے بڑی بد قسمتی data intoxication ہر زمانے میں نئے نئے نشے ہوتے ہیں آج کا نشہ ہیروئن نہیں ہے data intoxication ہے ہر آدمی کہتا ہے کہ ہمارے پاس reasoning ہے سائنٹیفک reasoning ہے اور سائنسدان کو دیکھئے کہ قرآن ڈر سے نہیں پڑھتا۔ آپ کو پتا ہے ایک بہت بڑے سائنسدان مجھے اسلام آباد میں ملے انہوں نے کہا پروفیسر صاحب قرآن سے سائنس نہیں ثابت، چھوڑیئے آپ قرآن سے نہ کریں۔ اللہ پر بس ایسے یقین درست نہیں میں نے کہا

why are you afraid, why are you afraid of

looking through the pages of Quran.

اگر تمہارا خدا اتنا کمزور ہے کہ تمہارے سائنسی حقائق کی تردید جو ہے قرآنی آیات کو بدل دے گی تو

پھر تمہارا ایسے قرآن اور خدا پر یقین کا کیا مطلب why do you believe in God

then مگر تم قرآن پڑھ کے تو ایک دفعہ کہو نا کہ میرے سائنسی حقائق یہ کہتے ہیں اور تمہارا قرآن

یہ کہتا ہے پھر تو کوئی مزہ آئے میں نے کہا قرآن آج کی بات کرتا ہے، قرآن تو قیامت تک کی ترقی

اور عظمت اور ابتداء و انتہا کی بات کرتا ہے، قرآن تو قیامت کا نقشہ تمہیں دے رہا ہے "الْقَارِعَةُ

مَا الْقَارِعَةُ" قرآن تو قیامت تک کی بات کرتا ہے اللہ تو نسل انسان کے بیلنز اور ٹریلنز ایریز کے

انسانی قافلوں کے انسان کی بات کرتا ہے وہ کہتا ہے تم جہاں تک پہنچو، جب آسمان ٹھنڈا ہو

جائے، جب ستارے بجھ جائیں گے "إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ" جب سورج بجھ جائے گا پھر

"إِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ" ستارے گد لے پڑ جائیں گے (خدا تو اس انجام) یہ وہ پروردگار

عالی مقام انسانی ذہن کی ترقی سے غافل ہوگا۔ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ جس نے دنیا کا انجام لکھ

دیا، اس کو یہ پتا نہیں ہوگا کہ یہ intellectual میرے بارے میں کیا سوچے گا۔ اس کو یہ نہیں

پتا کہ فلسفوں میں existentialism بھی آئے گی۔ اس کو یہ نہیں پتا ہوگا کہ مارک سسزم

آئے گا اور میرا انکار کرے semantics آئیں گے اور مجھ میں کیڑے نکالیں گے۔ وہ انسان

کے ذہنی پراگرس کا خالق ہے۔ وہ انسانی ذہنی کمپیوٹر کا خالق ہے۔ اس کمپیوٹر کی چھوٹی سی

exhibition آپ کو دینا چاہتا ہوں اس کے connections جو ہیں 18 x 36

zero ہیں اور اس کے کنکشن کی پریکٹیکل مثال جو اس ذہن کے برین کنکشن ایسے ہیں ایک

سادے کاغذ پر دو ہر اسادہ کاغذ رکھتے جائیے پندرہ بلین سالوں تک رکھتے جائیے تو ذہن کے کنکشن

پورے ہوتے ہیں Do you think جو اتنے پیچیدہ کمپیوٹر کا خالق ہے، اس کو یہ نہیں پتا کہ

ستاروں تک کندیں پھینکنے والے میرے بارے میں کیا سوچیں گے اور اس نے کیا کہنا

ہے۔ جائیے انجیل اٹھا کے دیکھیے تورات اٹھا کے دیکھیے آج سے اڑھائی ہزار سال قبل حضرت

جبریل امین نے دانیال کو زمین پر تباہی اور ہلاکت کی خبر دی تھی۔ حضرت دانیال نے پوچھا جبریل امین یہ تباہی کب آئے گی۔ جبریل امین نے فرمایا جب انسان اجاڑنے والی مکروہ چیزیں نصب کرے گا اجرام فلکی پہ در اندازی کرے گا۔ اب حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات دیکھئے، فرمایا ہو سکتا ہے کہ اللہ دنیا کی عمر آدھا دن اور بڑھا دے۔ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدھا دن کتنا ہوگا۔ کیا پانچ سو برس اور بڑھائی جا رہی ہے۔ غور کیجئے کہ خدا کے لئے یہ کتنا آسان ہے اس کے اختیار اور اقتدار کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ کہ آدھا دن اور بڑھ جائے پانچ سو برس اور بڑھ جائیں، کم از کم بیس جزیشنز اور بڑھ جائیں ان میں سے کئی ٹریلین انسان اور بڑھ جائیں۔

It makes no difference to God. And look at this tiny

little human beings جو اپنے چھوٹے سے کمپیوٹر کے ڈیٹا کی وجہ سے اتنا دندنا رہا ہے

کہ براہ راست دامن کبریا پہ لکیریں ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا

آج تک فیصلہ نفع و ضرر کرنے سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا

زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

حضرات گرامی اللہ کا انکار وہی کرتا ہے جس نے کبھی اللہ کو جاننے کی کوشش نہیں کی اور اللہ ہر زمانے

میں اپنی دلیل خود مہیا کرتا ہے اور جو دلیل ہوگی اسی کی کاؤنٹرز مانے کی دلیل ہوگی۔ اگر

Babylonians، کیسیڈینز کے زمانے میں اگر علم نجوم بہت زبردست تھا اور جادو اور سحر بڑا

تھا ”يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ“

(البقرة: آیت 102) اور ہاروت و ماروت اگر سحر سکھاتے تھے تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام

بھی موجود تھے اور خدا نے کہا کہ انسان کے negative اور positive علوم دونوں اکٹھے

چلتے ہیں۔ اور قرآن حکیم میں فرمایا کہ ہم مثبت علم کو رکھ چھوڑتے ہیں اور منفی کو غائب کر دیتے ہیں۔

آپ ذرا غور کیجئے۔ آج کے زمانے میں قاعدہ ذہن انسان کو دیکھئے کہ اس زمانے کے مہذب دور میں علم ہیئت کے ہوتے ہوئے astronomy کے ہوتے ہوئے، لوگ آج بھی آسٹرالوجی کے برج گن رہے ہوتے ہیں۔ جو انسانی ذہنی کمزوریوں کے باعث تخلیق ہوتے ہیں، جو منطقی reasoning سے کام لیتے ہیں، ان کو اللہ نے ترک کر کے بہتر علم کی مدد سے معاشرہ انسان کو آگے بڑھایا اور انسان کا یہ عالم ہے کہ اتنا مہذب ہو کر بھی پھر انہی علوم کو پلٹتا ہے۔ ایک question یہ ہے جی کہ علم لدنی کیا شے ہے حضرات گرامی! علم تین یا چار catagories میں ہے۔ ایک کو ہم کہتے ہیں intelligence جو علم کے basic instrument ہیں

Intelligence is the instrument. یہ انسان میں جانور میں سب میں موجود ہوتے ہیں۔ جب اس کو کتابیں دی جائیں ڈیٹا دیا جائے تو یہ intellect بن جاتا ہے، عقل بن جاتی ہے، ذہانت بن جاتی ہے۔ اس پہ آئی کیو کی بنیاد پڑتی ہے، intelligence profession بڑھ جاتی ہیں۔ جب عقل کسی چیز پہ مرکوز ہو جائے اور مسلسل غور خوض کرے جیسے نیوٹن نے کیا، الیکٹریٹیٹی نے کیا تو پھر intuition نکلتی ہیں عقل کا ارتقاع وجدان میں ہے، علوم کے یہ تین درجات تمام انسانوں کے نصیب میں ہیں ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ“ (الاسرا: آیت 70) انسان کو ان تین درجات علم سے کرامت بخشی، مگر جب خدا کے تصور سے علم حاصل کیا جائے۔ اور اللہ کے شوق میں تو اس وقت ایک متجسس روح علم کی چوتھی ریفاٹمنٹ تک پہنچتی ہے جسے الہام کہتے ہیں الہام غیر معمولی شے نہیں ہوتا، الہام کوئی آسمانوں سے اتری ہوئی شے نہیں ہے یہ اسی ذہن کا اعلیٰ ترین ارتقاع ہے۔ intuition سے ایک درجہ آگے الہام ہے۔ جو صرف خدا کی معرفت اور اس کے تعلق سے ذہن کو نصیب ہوتا ہے اور اس کا اصول قرآن حکیم میں درج ہے کہ انسانی ذہن پر دو قسم کے خیالات وارد کئے جاتے ہیں ”وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا“ ہم نے نفس انسان کو درست کیا، برابر کر دیا۔ ”فَالْهَمَّهَا فَجُورَهَا وَتَقْوَاهَا“ (الشمس: آیت 7-8) ہم نے اس پہ فسق و فجور اور تقویٰ کے خیالات الہام کیے پھر جس نے بہتر

کو چنا، خیال خیر کو چنا۔ ”قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّهَا“ (الشمس: آیت 9) وہ ذکاوت پا گیا، نفاست پا گیا، وہ اپنے مقام سے آگے بڑھ گیا ”وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّهَا“ (الشمس: آیت 10) جس نے negative سائنڈ جتی، وہ خسارے میں رہا تو حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے پچاس ہزار بندے بغیر کسی حساب کتاب کے جنت میں داخل کیے جائیں گے تو پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کون لوگ ہیں فرمایا جو فال نہیں لیں گے۔

Those who do,t believe in guesses جو بانٹ نہیں پھینکتے، جو پانسہ ساز

نہیں ہیں جو انتہائی Objective and Practicale ہیں

Those who are sentimental in approach towards God, but very objective in the understanding things around them.

”وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ (آل عمران: آیت 191) حضرات گرامی ایک آخری سوال میرے پاس تین چٹوں کی صورت میں موجود ہے ان میں ایک ہی سوال کیا گیا ہے کہ اسماء کا علم کیا ہے اور اس کو کیسے سمجھا جاسکتا ہے تو حضرات گرامی چونکہ اس علم کی وضاحت پہلے سے کہیں بھی مرتب نہیں ہے اور ایک مختصر سی بات حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے بعد اگر کسی شخص نے اس کی تھوڑی سی exhibition دی ہے تو وہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی ہیں اور اس کے بعد اس دور حاضر میں perhaps اس علم پہ کوشش کی ہوگی مگر وہ اس کی سائنٹفک Objectivity، دریافت نہیں کر سکے، ایسے اصول وضع نہیں کر سکے، جس سے یہ قابل حصول علم بن جائے اور حروف مقطعات کا یہ علم جو ہے ہمیشہ سے عجیب و غریب رہا اور لوگ اس کی آرزو میں مرتے رہے

but they did not find clue to understand the nature of thier 14 Asma

چودہ اسماء جو ہیں ان کی وہ نیچر نہیں سمجھ سکتے تو بہت مدت کے بعد جب میں اپنی ابتدائی تحقیقات

میں مصروف تھا تو میں نے اللہ سے ایک گلہ کیا کہ باقی چیزیں تو چلو waste ہو جائیں ٹھیک ہیں مگر تو نے قرآن کیوں waste کیا تو میرا خیال ہے اللہ کو بات کافی چھپی ہوگی ظاہر ہے تو میں نے اس سے کہا بعض چیزیں تو نے ایسی قرآن میں لکھ دی ہیں جو ہمارے سمجھنے کے لیے ہی نہیں ہیں تو پھر تو تو خود کہتا ہے غور و فکر کرو اور غور و فکر کی ڈیمانڈ کرنے والا اللہ ہمیں ایسی چیزیں دے رہا ہے جن کے بارے میں کچھ موجود ہی نہیں تو میں نے اس سے پوچھا یہ "الم" کیا ہے یہ "حلم" کیا ہے، "عسق" کیا ہے، جیسے بہت سارے مفسروں، فقہاء اور علمائے حاضر نے بھی لکھا ہے کہ یہ عرب کا تکیہ کلام تھا۔ حروف کلام ہیں کسی نے کہا "یسس" کا مطلب سردار ہے، کسی نے کہا "طہ" کا مطلب بھی سردار ہے تو

but frankly telling you, i was not ready to accept

this to me it meant some thing.

اور clue اس کا انسان کے اس ابتدائی معاشرے میں تھا کہ جب سے انسان نے لینگوئج شروع کی تو اس کو لینگوئج پڑھائی گئی "وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا" (البقرة: آیت 31) اور لازم بات یہ ہے کہ انسان نے سب سے پہلے ان چودہ حروف سے ایجوکیشن شروع کی تو پھر تمام علوم انہی سے اخراج شدہ ہیں اور یہ چودہ حروف اپنے اندر Basic کیلگری کا علم رکھتے ہیں

its the knowledge of the basic category

اب question یہ تھا کہ ان کی صفات کیا ہو سکتی ہیں۔ ان کے حلقے کیا ہو سکتے ہیں، ان کے درجات کیا ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ نے شطرنج دیکھی ہو تو آپ کو پتا ہوگا کہ اس میں سولہ اور زیادہ سے زیادہ بتیس مہرے ہوتے ہیں مگر اس کی جب چالیں کاؤنٹ ہوتیں تو وہ ایک بلین سے بھی زیادہ ہیں۔ اسی طرح حروف مقطعات کی جو Basic وضاحتیں ہیں وہ تو simple ہو سکتی ہیں مگر جب یہ interrelated ہوتے ہیں تو پھر یہ تمام علوم کی basic نفسیات بن جاتے ہیں۔

and every thing is very much understandable, if you

have this knowledge.

مثلاً کوئی شخص ہوگا اور وہ

if I know the name. I would know the nature of that man. I know the category, I know the man. where does he stand where he will go, perhaps.

شیخ اکبر کہا کرتے تھے کہ میں ایک شخص پہ نگاہ ڈالتا ہوں اور میثاق سے لے کر برزخ تک اس کے مقامات دیکھ لیتا ہوں یہ شاید بڑا wide claim ہے مگر یہ ہے کہ حروف مقطعات ایک قسم کا خلاصہ کائنات ہیں اور ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ ایک

uncountable source of estimate

ہے۔ یہ سمجھو کہ یہ کسی basic computer کی کلید اور کنجی ہے، کنجی لگتی جاتی ہے ایک پورا chapter و اشکاف ہو جاتا ہے

But i have been demonstrating this knowledge hundered & thousand of people.

مگر میرا مقصد نہ exhibition ہے اور نہ اس کا مقصد یہ ہے کہ میں اس سے کوئی فائدہ اٹھاؤں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کی basic nature کے متعلق جو بات میرے علم میں آتی ہے

It becomes easy for me to guide them to instruct them & to teach them.

ہر انسان کے اپنے پیٹرن کی اصلاح بھی انہی حروف سے ممکن ہے۔ So after a long time میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہمارے سالانہ سیشن کا ایک بہت بڑا موضوع جبر و قدر کا ہے۔ میں اس موقع پر انشاء اللہ حروف مقطعات پہ ایک پورا لیکچر arrange کرونگا اور آپ کو اس کے اصول بتاؤں گا اس کے chapter-wise آپ کو عنوان دوں گا پھر آپ کی مرضی ہے کہ آپ کیا سمجھتے ہیں اور کیا نہیں؟

رسول مقبول کی زندگی کے معنوی گوشے

(خطاب واہ فیکٹری)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ
سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا. (الاسراء آیت 80)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَ سَلَّمَ عَلٰی الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الصافات آیت 180, 181, 182)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

خواتین و حضرات! آپ سے اس ملاقات کے لئے جنرل صاحب کا بھی شکر گزار ہوں اور آپ کا بھی اور ان آنے والے تمام لمحات کا بھی شکر گزار ہوں گا جن میں آپ بڑے صبر اور استقامت سے مجھے سنیں گے۔ خواتین و حضرات! زمان و مکان میں کبھی کوئی ایسی ساعت محترم نہیں اتری تھی کہ اس وقت جب رب العالمین نے رحمت عالم کی تجسیم فرمائی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا نام رکھا۔ انسان ایک طویل جلی قدروں کے دوران سے گزرا۔ ہمارے پاس تاریخ سات اور آٹھ ہزار سال سے پیچھے نہیں جاتی، وہ معاشرے، ماحول اور زندگیاں جو انسان نے اپنے تہذیبی دور کے آغاز میں جاری رکھیں، ان کا اجرا کیا۔ وہ سلطنتیں جو قائم ہوئیں، وہ حکومتیں جن کا سرکار انسان کے دل و دماغ پر جاری ہوا، اگر آپ ان کا اور لمحہ موجود کا مطالعہ کریں تو

انسانی ذہن کی تاریخ کو صرف دو ادوار میں بانٹا جاسکتا ہے۔ ایک وہ دور جب انسان نے پہلے پہل سوچنا شروع کیا *homo sapiens* کہلایا، وہ سوچتا ہوا انسان تھا۔ اس کی ترقی میں تجسس تھا مگر ابھی ایک ارب سال کی جانورانہ خصلتیں اس میں سے گئی نہیں تھیں۔ وہ جانوروں سے علیحدہ تو ہو رہا تھا مگر ابھی جانورانہ خصلتیں اس کے وجود اور اس کے نفس کا حصہ تھیں۔ ابھی تعقل کو وہ عروج حاصل نہیں ہوا تھا، ابھی عقلی روایات مستحکم نہ ہوئی تھیں۔ خاندان بن رہے تھے مگر مذہب اور اخلاق کے اصول مرتب نہیں ہوئے تھے۔ اللہ بھی کوئی جلدی نہیں کر رہا تھا۔

خواتین و حضرات! جب آپ ایک بچے کی زندگی لو دیکھتے ہیں تو آپ ایک انتہائی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور پڑھے لکھے انسان ہونے کے حوالے سے یہ کوشش تو نہیں کرتے ہیں کہ ایک نوزائیدہ، نومولود کے ذہن پر بہت ساری کتابوں کا بوجھ ڈال دیں۔ آپ اس عقل کے بلوغت تک پہنچنے کا انتظار کرتے ہیں۔ جب تک انسان سوچنے کے قابل نہ ہو اور اسے غیر معقول اور معقول میں فرق محسوس نہ ہو، اس کو کوئی فلسفہ خیال نہیں دیا جاسکتا۔ اس کو کوئی قانون نہیں دیا جاسکتا۔ شریعت بھی بالغ کی قدر کرتی ہے اور بلوغت سے ہی شریعت کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت انسان نے اپنا آغاز بھی اپنے ایک جبلی وجود سے کیا اور وہ جبلی وجود جس میں تجسس اور اس کے تعلیمی استغراق نے جاننے، سوچنے، اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کی اور وہ بالآخر بستیوں کی آبادی، سلطنتوں اور نظام ہائے زندگی تک پہنچا۔ کبھی آپ میسوپوٹیمیا کی وہ عظیم سلطنتیں دیکھتے ہیں جو آج قصہ پارینہ ہیں اور کبھی آپ بابل اور نینوا کے معلق باغات کی داستانیں سنتے ہیں کبھی شداد اور فرعون و ہامان کے نام سنتے ہیں اور کبھی کبھی پرنس جمورابی جیسے قانون دان کا بھی نام سن لیتے ہیں۔ یہ تمام انسان سیکھنے اور جاننے کی کوشش کر رہے تھے مگر جبلت ابھی حاوی تھی۔ خواتین و حضرات! قرآن سے پہلے بھی قرآن تھا۔ اللہ کہتا ہے کہ **الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (المائدة: آیت 3)** میں نے دین کو مکمل کیا ہے۔ اس سے پہلے بھی دین تھا جو جتہ جتہ آقا و رسول کی مدد فرما رہا تھا۔ وہ تمام پیغمبران کریم جو پہلے گزرے تھے آدم سے لیکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک شریعت جتہ جتہ، گاہے گاہے، لمحہ لمحہ، نسل در نسل ایک آدھ اصول کی صورت میں منعکس ہو رہی تھی۔ کبھی

قانون قصاص اتر رہا تھا، کبھی Ten Commandants آرہی تھی جو موسیٰ الصلوٰۃ السلام کو عطا کی گئیں۔ قرآن ان پہلی آیات الہیہ کو بھی سمیٹے ہوئے ہے۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن کو پہلی مرتبہ نازل نہیں فرمایا بلکہ آج سے مکمل کیا ہے۔ آج آپ کا دین مکمل کیا ہے۔ پہلے پیسروں کو بھی جتہ جتہ آیات قرآنی دی گئیں۔ پھر انہوں نے اپنے معاشرے میں اسے نافذ کیا۔ بد قسمتی کی بات یہ تھی کہ کسی انسانی معاشرے نے اپنے لئے کسی قسم کا کوئی moral قانون نہیں بنایا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ آج بھی کوئی اخلاقی قانون نہیں بنائے کیونکہ جمہور جبلت کے قریب ہے۔ جمہور عقل سے دور، دانش سے دور جبلتوں کے قریب ہوتی ہے۔ جمہور کا واسطہ زندگی کی ضروریات سے پڑتا ہے۔ جمہور اتنی romantic نہیں ہوتی، philosopher نہیں ہوتی ان کو اپنے موجود کا خیال ہوتا ہے اسی لئے تو اقبال کہتا ہے۔

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو

کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

فکر انسان، اخلاقی اصول اور وہ قوانین جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیئے ہیں بقائے حیات اور بقائے معاشرہ کے لئے تھے جن کے سہارے آپ سلامتی سے چلتے ہوئے دور حاضر تک پہنچے ہیں۔ یہ سائنس کے قانون نہ تھے، یہ زندگی کے قانون تھے۔ معاشرے کے قانون تھے۔ جب معاشرہ ایک دوسرے کو قتل کر رہا تھا، جب انسان انسان کے درپے آزار تھا جب مذاہب نسل انسان کے لئے مستقل عذاب بن رہے تھے کہ ابدی فنا کے پھیلاؤ کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ تو اللہ نے اپنے پیسبر کے ذریعے انہیں سمجھایا، انہیں بتایا اور ایک آیت بخشی **وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَاۤوْلِي الْأَلْبَابِ (البقرة: آیت 179)** اہل عقل غور کرو، قصاص میں زندگی ہے اگر ایک جان کے بدلے تم ایک قبیلہ ضائع کر دو گے، ایک معمولی سے نقصان کے بدلے تم ایک پوری انسانیت کا نقصان کر دو گے، اس لئے اللہ نے قاتل کو سختی سے درس دیا، وہی درس جو اب قانون میں درج ہے کہ جس نے ایک انسان کی زندگی ضائع کی گویا اس نے تمام انسانیت کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کی زندگی بچائی گویا اس نے معاشرے کو save کیا، نسل انسانی کی بقاء کی حفاظت کی۔

خواتین و حضرات! ابھی انسان اتنا mature نہیں ہوا تھا، اتنا بالغ نہیں ہوا تھا باوجود اس کے کہ فلاسفہ یونان گزر چکے تھے۔ ابھی انسان بار بار جہتوں کو واپس جاتا تھا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ پیغمبروں کے قوانین کی خلاف ورزی کی گئی، اللہ کی نعمتوں کی خلاف ورزی کی گئی، اللہ کے قانون کے ان امانت داروں کو قتل کیا گیا اور خدائی قانون کو بعض اوقات اپنی ذاتی خواہشات کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس لئے پروردگار عالم قوم یہود کو ایک الزام دیتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے بہت ظلم کیا کہ جب ہم نے ان کو تلقین و ہدایت و رشد بخشا تو انہوں نے نہ صرف میری آیات کی تحریف کی انہوں نے نے اللہ کی آیات کو ذاتی منفعت کے لئے استعمال کیا **ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ (البقرة: آیت 75)** تم نے ہماری آیات کو جاننے سمجھنے کے باوجود اقتدار، ہوس زر، جذباتی ترفع، اور خواہشات نفس کی خاطر انہیں بیچا، مسخ کیا اور اللہ نے پھر ان عالموں کی مثال دی کہ وہ لوگ جو دین خدا کو اس طرح رسوا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو آیات الہی کو مسخ کرتے ہیں۔ ان کی مثال اس کتے کی طرح ہے کہ جس کی آدھی زبان باہر اور آدھی اندر ہے۔ جیسے اسے ہوا سے سیری نہیں ہوتی ایک دنیا دار عالم کی کبھی سیری نہیں ہوتی وہ ہر وقت اپنی خواہش نفس اور خواہش دنیا کی تکمیل کے لئے دین کے مسائل کو نظر انداز کرتا ہے اور انسانوں کے لئے ایک مصیبت اور فکر کا باعث بن جاتا ہے۔

خواتین و حضرات! قوم یہود پر ایک جملہ بار بار کیا گیا۔ ان کے بہت سے گروہوں کو مسخ کیا گیا **وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ (البقرة: آیت 65)** کہ یہ بھلکے ہوئے بندر ہیں۔ خواتین و حضرات! آج بھی آپ یورپی اور اپنی زندگی کا موازنہ کر لینا جو **individuality**، جو اخلاقی اور ذہنی انفرادیت مشرق کے لوگوں میں پائی جاتی ہے مغرب میں نہیں پائی جاتی **فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ** کہ یہ وہ نقال ہیں جن کی مثال ان بندوں کی طرح ہے یہ ایک دوسرے کی کاپی کرنے والے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی مشرق میں بھی، ہمارے معاشرے میں بھی یہ **copying**، نقل سازی ایک دوسرے کے رجحانات کی پوری طرح نقل کرنا ان کے پیچھے چلنا اور ہوس اور زمانے کی تقلید

کرنا یہ ان میں بھی تھا، یہ آج آپ میں بھی آرہا ہے اور صرف اس وجہ سے آرہا ہے کہ آپ نے اس علم، اس ذہانت اس ترقی کہ جو آپ کے رسول نے آپ کو بخشی تھی اسے مکمل ignore کر دیا۔ خواتین و حضرات! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہمیں ایک عجیب و غریب حقیقت سے شناسائی ہوتی ہے۔ ایک دم انسان عقل مند ہو جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ جبلی انسان جو گھٹنے گھٹنے چل رہا تھا وہ یہود و نصاریٰ سے گزر گیا تھا۔ ان کی جبلی بے اعتدالیوں سے گزر کر اچانک ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ معاشرہ جو وحشت، بربریت، تہرہ اور ہلاکت کی علامت تھا، وہ ظالم اور فاسق لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن میں خطاب کیا ہے وہ ذلیل و کافر ایک دم سے اصحاب رسول میں بدل گئے۔ تہذیب کا یہ انقلاب زمانے میں پہلے کبھی آیا نہ بعد میں آیا۔ یہ ایک فرد کی بات نہیں تھی۔ یہ چند حواریوں کی بات نہیں تھی یہ تو ایک پورا معاشرہ تھا۔ اصحاب شجرہ 500 تھے اصحاب بیعت رضوان 5000 ایک پورا معاشرہ، ایک شہر، ایک مملکت اچانک آپ کو عقل و معرفت سے آشنا نظر آتی ہے۔ دانشور نظر آتی ہے۔ ذہن و فراست کے نئے نئے اصول اپنائے جا رہے ہیں۔ اعلیٰ ترین کردار سازی ہو رہی ہے۔ اب ایسے پتا چلتا کہ جبلت پہ عقل حاوی ہوگئی۔ ایسا لگتا ہے کہ ایک استاد معظم ایک بہت بڑے علام اور ایک بہت بڑے دانشور کی بدولت وہ دور جہالت رخصت ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو اگر تم غور کرو تو مجھے اللہ نے ہدیہ تمہیں بخش دیا۔ کہ میں رحمت ہوں اور اللہ نے اپنی مخلوق پہ رحم کھا کر مجھے ہدیہ تمہیں بخش دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں زلف و رخسار تو بڑے قیمتی ہوں گے، ان کا سراپا تو بہت خوبصورت تھا اور ہے۔ ان کے چشمان مبارک سے تو گفتگو ہی نہیں، پیشانی مبارک کی روشنی تو آسمان کی پہاٹیوں تک پہنچتی تھی۔ مگر خواتین و حضرات یہ وہ استاد معظم ہے۔ جیسا زمین پہ پہلے کوئی نہیں گزرا تھا

extreme patience, high intellectualism

ایسا بلند و بالا اور ذہین تو پہلے گمان تک بھی نہیں کوئی کر سکتا تھا۔ ایک ایک جملے میں کائنات سمٹی ہوئی اور سب سے بڑا علم وہ نہیں ہوتا جو تصور میں رہ جائے۔ خواتین و حضرات یہ بات یاد رکھئے گا علم وہ

نہیں ہوتا جو تصور میں رہ جائے، علم وہ نہیں جو armchair میں بیٹھ کر جس کی gossiping کی جائے۔ علم وہ نہیں ہے جو صرف کتاب کے اوراق کی زینت بن کے رہ جائے۔ بہترین علم کی علامت صرف ایک ہے کہ وہ اپنے عمل کے قریب ترین ہوتا ہے۔ ہم اسی کو عالم کہتے ہیں۔ ہم اسی کو علم کہتے ہیں کہ جس کا نفوذ ہوا اندر سے ہو اور جب وہ خلأق تک پہنچے تو علم اور عمل میں کوئی تضاد نہ رہے جو مخلوق تک پہنچ رہا ہے اور ایسا کامیاب استاد ایسا مکمل عالم زمین و آسمان میں پہلے کوئی نہیں گزرا جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ جیسا علم تھا ویسا عمل تھا۔ ایسی گہری ہم آہنگی، ایسا مکمل ملاپ، ایسا وصال علم و عمل پہلے زمین و آسمان میں کبھی نہیں گزرا اور یہی وہ ہدیہ تھا۔ اور یہی وہ رسول تھے جنہوں نے انسانوں کو اس درجہ آگہی بخشی کہ ان کے دل و دماغ ہی بدل گئے۔ حضرت بلالؓ جو ایک صحابی بھی تھے وہ ایک غلام تھے ان کو زندگی کا کچھ پتا نہیں تھا لیکن جب حضرت بلالؓ کو دمشق کا گورنر بنا کے بھیجا گیا، جب ان کو اقتدار بخشا گیا تو انہوں نے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے تو کسی نے راستے میں پوچھا کہ بلالؓ آج تو اچھے کپڑے پہن لیتے مگر یہ علم کا انکسار دیکھئے ان کی خود شناسی دیکھئے کہ فرمایا کہ تم مجھے آج تبدیل ہونے کا مشورہ دے رہے ہو۔ کیا میں اس وقت کو نہیں جانتا ہوں جب میں ایک عورت کا از خود غلام ہوا تھا وہ مجھے صرف ایک وقت کی روٹی دے دیا کرے اور پھر اللہ نے ہمیں ہدایت بخشی اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت نے وہ وقت عطا کیا کہ ہمیں یہ فائدہ ہوا کہ میں اسی عورت کا گھر والا ہوا۔ میرا اس کے مال پر تصرف ہوا اب تم ہمیں خود آگاہی سے دور کہاں لے کے جاؤ گے۔ ہمیں خود شناسی سے دور کیسے لے کر جاؤ گے۔

خواتین و حضرات! استاد تو بڑے ہوتے ہیں مگر ایسی خود شناسیاں جو استاد اپنے شاگردوں کو عطا کرتے ہیں وہ بہت کم ہوتے ہیں، بہت کم۔ حضور گرامی مرتبت کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ علم پھر خسارے میں چلا گیا۔ عقل پھر خسارے میں چلی گئی۔ حیرت کی بات ہے اگر پہلے انسانی قدر ذہن کم تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد انسانی قدر تیز تر ہو گئی۔ ذہن کے بہت سارے خلیے اور کھل گئے ہیں۔ کروڑوں کروڑ خلیے اور کھل گئے مگر ان خلیوں کا انجام آپ دیکھئے

کہ وہی بات کہ جبلت کی سرکشی نے ان کی تمام عقل کو ان کے مقاصد ذات کے لئے استعمال کرنے پر مجبور کر دیا اور وہ ایک سبق، وہ ایک بڑا درس، وہ درس علم، وہ درس اخلاق اور وہ تمام تر نعمتیں انسان کے ہاتھ سے چھین گئیں اور آج کا انسان بھی اتنا ہی وحشت اور بربریت کا حامل ہے جیسے اس زمانے کے کبھی نُمورابی تھے جب کبھی babylon کے قہے سنتے ہیں وہی آج بھی فاسقین ہیں جنہوں نے ماضی کی تمام داستانیں مات کر دی ہیں۔

خواتین و حضرات! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسانی قافلہء حیات کو اس طرح چلنے کی اجازت دی جائے۔ اگر اسی طرح آگے بڑھنے کی اجازت دی جائے۔ اگر اسی طرح عاد و ثمود کی روایات کو Repeat کیا جائے گا، اگر اسی طرح نسل انسانی اخلاقی پستیوں اور گہرائیوں میں ڈوب جائے تو پھر آپ اس کا انجام اس کے سوا کیا دیکھیں گے جو پہلے اقوام کا ہو چکا ہے۔ پہلی اقوام بھی بہت بڑی تھیں مگر آقا و رسول کے بعد کم از کم چند ایک سالوں کے لئے ایک ایسا زمانہ گزرا ایسے انسان پیدا ہوئے، ایسی ایسی خلاقیت تخلیق ہوئی کہ اس سے بہتر معاشرہ، اس سے بہتر انسانوں کا تصور آج تک بھی ہماری کتاب حیات میں نہیں ہے۔ خواتین و حضرات: بڑا فارسی کا پرانا ایک شعر ہے۔ شیخ سعدی نے لکھا:

تا مرد سخن نگفتہ باشد

عیب و هنرش نہفتہ باشد

جب تک مرد کے منہ سے کلام نہیں نکلتا اس کے عیب و هنر چھپے رہتے ہیں اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب اقوال زریں کی کتاب کھولی جاتی ہے تو اس میں سے بڑے بڑے مشہور عالموں اور مفکروں اور مصنفوں کے نام کے ساتھ ایک دو چار دس اقوال زریں درج ہوتے ہیں مگر خواتین و حضرات کبھی آپ نے حدیث پڑھی کبھی آپ نے اقوال رسول پڑھے، ایک ایک جملہ اپنے اندر جہان معنی لئے ہوتا ہے، ایک ایک جملے میں اس ذہن کی جھلک نظر آتی ہے جو نہ کبھی ماضی میں گزرانہ بعد میں گزرا۔ آپ آقا و رسول کے ذہن کا ذرا معیار دیکھیں کہ جنگ کی مثال دی جا رہی ہے۔ خیبر کے قلعے کے سامنے اترے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں کہ کیا بری ہے ڈرائے گیوں کی سحر۔ جب تک

آپ بہت بلیغ نہ ہوں آپ کو اس چھوٹے سے جملے کی کبھی بھی سمجھ نہیں آئے گی۔ یہ اتنا بلیغ جملہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی فرماتے ہیں کہ کیا بری ہے ڈرائے گیوں کی سحر کہ ایک طرف ہم ہیں جو اللہ کے بندے ہیں اللہ کا نام لیکر آئے ہیں۔ میں جو اللہ کا رسول ہوں اس میں کوئی شک نہیں اور میرے ساتھ اللہ کے بہترین دوست ہیں اور ہم ایک ایسے آدمی کے مقابل اترے ہیں جو ہمارے ساتھ لڑے گا۔ اس کو تو اول و آخر صرف جہنم سے آشنائی ہے۔ اس کی موت اور اس کی زندگی تمام بربادی ہے۔ تو کیا برے لوگ ہوں گے وہ شہر میں جن کے خلاف ہم میدان جنگ میں اتریں گے تو فرمایا کیا بری ہے ڈرائے گیوں کی سحر۔

خواتین و حضرات! ایک ایک جملہ جب یاد خدا کی تلقین فرما رہے تھے تو فرمایا کہ آج تو چھوٹا سا جملہ آپ دیکھئے کہ حدیث میں فرمایا ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ کسی مومن میں دو خصلتیں۔ بخل اور بد اخلاقی جمع نہیں ہو سکتیں۔ کاش ہم اپنے رسول کو مانتے اور جانتے ہوئے ان دونوں کیفیتوں کے پس منظر کو دیکھتے تو حضور نے فرمایا کہ کسی صاحب ایمان میں دو چیزیں بخل اور بد اخلاقی جمع نہیں ہو سکتیں۔ کیا اس معاشرے کو دیکھتے ہوئے ہماری سخاوت اور مہمان نوازی اٹھ گئی، ہمارے اخلاق کے طور طریقے بدل گئے۔ آپ کو پتا ہے کہ عرب کے ان جاہلوں، سرکشوں اور بدکاروں کو اللہ نے کیوں جلا بخشی کیونکہ ان میں یہ صفات تھیں۔ ایک تو جان کی پروا نہیں کیا کرتے تھے اور دوسرے بہت سخی تھے۔ ہمیشہ Generous تھے، بہت دل والے تھے۔ مہمان کے لئے جان قربان کر دیتے تھے اور اپنے دروازے ہمیشہ آنے جانے والوں کے لئے کشادہ رکھتے تھے۔ اسی لئے ان پہلے لوگوں کو ایمان کیلئے چنا گیا کہ وہ بخیل نہیں تھے۔ آج بھی اہل ایمان کو اگر اپنا ایمان پرکھنا ہو اعمال، نماز اور عبادت سے نہیں۔ یہ تو ضروری کام ہیں جو ہر مسلمان نے کرنے ہوتے ہیں لیکن اگر آپ کو اپنا ایمان پرکھنا ہو تو یہ ضرور جاننے کی کوشش کیجئے گا کہ آپ بخیل تو نہیں؟ آپ بد اخلاق تو نہیں؟ اس لئے کہ اسلام کے اعمال کی بنیاد آپ کے اندرونی ایمان کی عمدگی پر ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھر تسلیم کرنے کا کیا فائدہ کہ ان کی ہدایات اور اخلاق کے قرینے آپ کے دل پر نہ اتریں، پھر ایسا نہ ہو کہ ہم پر بھی وہ قانون لاگو ہو

جائے۔ قرادتا خاسعین کہ یہ ایک دوسرے کی نقالی اور دنیا داری کی طلب میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ بد بختی سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے جدا رہے۔

خواتین و حضرات! اسی موضوع پر نہایت سادہ، آسان اور مکمل بات حضور گرامی مرتبت نے فرمائی ہے کہ سخی اللہ، جنت اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور بخیل اللہ، جنت اور لوگوں سے دور ہوتا ہے اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں فرمایا پھر سن لیجئے اپنے رسول کا قول مبارک کہ سخی اللہ، جنت اور لوگوں سے قریب ہوتا ہے اور بخیل اللہ، جنت اور لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے مگر جب Categorise کرو گے تو عبادت والے بخیل کے لئے رسول اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جاہل سخی بخیل عابد سے زیادہ محبوب ہے۔

خواتین و حضرات! جب علم عملیت سے دور اور اعمال علمیت سے دور ہو جائیں تو آپ کو کبھی اسلام کی سمجھ آئے گی اور نہ ایمان سمجھ آئے گا۔ اصحاب رسول کا زمانہ توازن اور اعتدال کا زمانہ تھا۔ آج آپ تاریخ عالم اٹھا کے دیکھ لیجئے کہ اتنا معتدل معاشرہ اتنا معتدل انسان، اتنا معتدل پیغمبر اور اتنے معتدل followers کسی بھی زمانے میں نہیں گزرے۔

خواتین و حضرات! یہ اعتدال اور توازن اعمال سے نصیب نہیں ہوتا۔ اعمال ظاہر ہے نماز آپ نے بھی پڑھنی ہے۔ میں نے بھی پڑھنی ہے۔ روزے رکھنے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے کہا ہے وہ پورا کرنا ہے۔ مگر اس کے بعد آپ کا کام ختم نہیں ہو جاتا، اس کے بعد ہی تو مطابعت رسول شروع ہوتی ہے۔ اس پر اخلاقی نظام بند نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ کچھ questions ایسے ہیں کہ اللہ کے رسول نے اٹھائے ہیں جو بدنی نہیں ہیں یہ ذہنی ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل سے اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اے معاذ تو جانتا ہے کہ اللہ کا بندے پہ کیا حق ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ اور اسکے رسول خوب جانتے ہیں۔ ذرا اسی جملے کو دیکھ لیجئے۔ آج تک کسی صحابی نے یہ نہیں کہا کہ اللہ ہی خالی جانتا ہے۔ کسی صحابی نے نہیں کہا یہ بات بلا شک و شبہ ہے کہ اللہ ہی سب کچھ جانتا ہے۔ مگر آپ اصحاب رسول کا response دیکھ لیجئے کہ جب بھی ان سے پوچھا گیا کہ کیا ایسے ہے تو جس صحابی نے بھی جواب دیا اس نے یہی جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا

ہے۔ اس لئے کہ ہمارے علم کی **Source** اور **information** سوائے اللہ اور اس کے رسول کے اور کوئی بھی نہیں ہے۔ ہم اللہ کو رسول کے توسط سے جانتے ہیں۔ ہم اللہ کو رسول کے وسیلے سے جانتے ہیں۔ اگر رسول نہ ہوتے تو پھر اللہ کو جاننے والا کوئی نہ ہوتا پھر شاید اللہ کو خود زمین پر اترنا پڑتا۔ اور کئی مرتبہ اللہ نے کہا کہ اگر ہم ان پر ملائکہ اتار دیتے تو پھر ہم حجت تمام نہ کر دیتے۔ رسولوں کے آنے کی سب سے بڑی وجہ رحمت یہ ہے کہ رسول آنے کے بعد اور پیغام پہنچا دینے کے بعد بھی انسان کو موقع دیا جاتا ہے مگر جب ملائکہ اتر جائیں تو پھر انسان کو کوئی دوسرا **chance** نہیں دیا جاتا اور اس کے باوجود کہ ملائکہ اترے انسانوں نے سرکشی کی اس کے باوجود خدا سامنے تھا۔ اس کے باوجود کہ ملک سامنے تھے۔ جنات سامنے تھے پھر بھی ابوالبشر سے غلطی ہوگئی تو خدا کے سامنے ہونے سے ملائکہ کے سامنے ہونے سے حجت تمام ہو جاتی ہے۔ اللہ کے رسول آنے کی سب سے بڑی وجہ رحمت یہ ہے کہ ان کے آنے کے بعد بھی انسانوں کی خطا کے **chance** رہتے ہیں۔ انسان غلطیاں کرتے رہتے ہیں اور اللہ ان کو معاف کرتا رہتا ہے۔

خواتین و حضرات! حضرت معاذ سے اللہ کے رسول نے پوچھا اے معاذ تو جانتا ہے کہ اللہ کا بندوں پہ کیا حق ہے۔ فرمایا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ اس کی ذات میں کسی کو شریک نہ کرے۔ پھر پوچھا یہ بھی پتا ہے کہ بندوں کا اللہ پہ کیا حق ہے تو معاذ نے کہا یا رسول اللہ ہم تو نہیں جانتے آپ ہی جانتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اگر کوئی اللہ اور اس کے رسول کو جانے اور اللہ کو واحد لا شریک جانے تو پھر اللہ پر بندوں کا یہ حق ہے کہ وہ ان کو عذاب نہ کرے، آگ نہ دے۔ لیکن بندوں کا بھی یہ حق ہے کہ وہ اپنے اللہ کو فکری، ذہنی اور قلبی طور پر واحد لا شریک مانیں۔ مگر خواتین و حضرات! آپ دیکھئے کہ آپ کے معاشرے میں کیا ہوتا ہے۔ میں ایک استاد کی حیثیت سے جانتا ہوں کہ جو آتا ہے مجھے کہتا ہے کہ میرا رزق کسی نے بند کر دیا ہے، شادیاں بند کر دی ہیں۔ ترقیاں بند کر دی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ دو عالم سے خدا کو رخصت کر دیا گیا ہے اور تمام وہ کام جو اللہ کرتا تھا اب جادو گروں کے سپرد ہو گئے ہیں۔ تعویذ نگاروں کے سپرد ہو گئے ہیں۔ یہ کوئی ایمان نہیں ہے اور رب کعبہ کی قسم اس کو آپ کسی قیمت پر بھی اسلام نہیں کہہ سکتے۔ اللہ کے

احکام میں مداخلت اس کے absoluteness میں مداخلت ہے جس کو اللہ کسی قیمت پر گوارا نہیں کرتا۔ اپنے ایمان کو اس قسم کے ناقص اعتبارات سے ضائع نہ کیجئے یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول مبارک ہے کہ اللہ کی حکومت میں، اس کے افعال میں، اس کی کارکردگی میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کیا جائے تو پھر آپ کا اللہ پر یہ حق ہے کہ اللہ بھی آپ کو کبھی عذاب نہ کرے کبھی دوزخ کی صورت نہ دکھائے۔

خواتین و حضرات! بہت سارے علماء کی آپ نے باتیں سنی ہوں گی۔ بہت سارے علماء ڈراتے ہیں۔ لوگوں کو پریشان کرتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر عذاب کی وعید دیتے ہیں۔ علماء کی باتیں سنو تو ایسے لگتا ہے کہ امت مسلمہ میں سے کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ ایسے لگتا ہے کہ گنہگاروں کی کوئی بقا باقی نہیں ہے۔ آخر جو انسان اپنے آپ کو جانتا ہے وہ اپنے آپ کو خطا کار کی حیثیت ہی سے جانتا ہے۔ پھر علماء آپ کو وہ حدیث نہیں سنائیں گے جس میں آپ کا فائدہ ہو، عوام کا فائدہ ہو، ایک عام مسلمان کا فائدہ ہو اس لئے کہ انہوں نے تو اپنی تمام تر سیادت کی بنیاد ہی آپ کے اعمال پہ رکھی ہوئی ہے۔ آپ کو اعمال کی باتیں سنانا کے انہوں نے مغموم کر دیا ہوا ہے۔

جب آپ اسلام میں داخل ہوتے ہیں تو اسلام کے احکامات اور اعمال لازم ہیں۔ مگر ان اعمال میں آپ سے کوتاہی ہو سکتی ہے مگر کیا پروردگار عالم بھی ان ساری کوتاہیوں کی بنا پر آپ کو صرف جہنم کے عذاب سے روشناس کراتا ہے۔ ذرا حدیث مبارک حضرت انس بن مالکؓ کی سنیے مستند ترین حدیث کہ معاذ بن جبلؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سواری پہ بیٹھے تھے ایک تو انس بن مالکؓ اور پھر معاذ بن جبلؓ یعنی دو اتنے بزرگ ترین اصحاب کی روایت سے سنیے۔ آپ نے فرمایا اے معاذؓ حالانکہ پیچھے بیٹھے تھے مگر یہ انداز مخاطب تجاہل عارفانہ کہ پیچھے بیٹھے تھے لیکن ایسے پوچھا جیسے انھیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انداز بہت خوبصورت ہیں بہت ہی خوبصورت۔ بڑے سے بڑا ادیب بھی اس طرز ادا کو نہیں پہنچ سکتا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔ فرمایا اے معاذؓ! انہوں نے کہا حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فرمانبردار

ہوں کہ میں آپ کے پاس ہی تو ہوں اور آپ کی اطاعت کے لئے میں کوشش بھی کر رہا ہوں حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میں آپ کا فرمانبردار ہوں۔ دو مرتبہ پوچھا پھر پوچھا اے معاذ فرمایا حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کا فرمانبردار ہوں کہ جو امانت آپ مجھے عطا کریں گے جو لفظ آپ مجھ سے کہیں گے، جو حکم آپ مجھے ارشاد فرمائیں گے، میں ہر حال میں اس کی تقلید و تائید کروں گا اور اسے آگے پہنچاؤں گا یہ جو مخاطب کا دہراؤ ہے کہ پیچھے بیٹھے ہونے کے باوجود دو مرتبہ پوچھا کہ اے معاذ جو بات میں اب کہہ رہا ہوں یہ فیصلہ کن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تو کبھی اسے بھول جائے فرمایا جو بندہ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں تو اللہ اس پہ جہنم کو حرام کر دے گا۔ بہت سادہ سا faith تھا۔ ایک کہنے کی بات تھی ایک ذہن نے تسلیم کرنا تھا کہ اللہ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ هُوَ۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اس کے بندے ہیں تو ایک دم سے سارے اعمال ہی نکل گئے سارے اعمال بیچ میں سے نکل گئے۔ حضرت معاذ اتنے خوش ہوئے کہ پھولے نہ سمائے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لوگوں کو اس کی خبر دوں وہ بڑے خوش ہونگے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ معاذ کو بھی پتا تھا کہ لوگ بڑے خوش ہونگے۔ لوگ تو ابھی ڈر رہے ہیں لوگ تو بیچ کے لوگوں کی وجہ سے ڈر رہے ہیں۔ لوگ تو علمائے وقت اور فقہائے حرم کی وجہ سے ڈر رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگ تو بڑے خوش ہونگے یہ بات سن کر ایک ذہنی اور ایک قریبی اعتبار پہ نجات ہے۔ اللہ کی طرف سے یہ خوش خبری اتنی بڑی ہے تو فرمایا اچھا رہنے دو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تکیہ کر لیں، ایسا نہ ہو کہ اعمال سرے سے ترک کر دیں۔ ایک نہایت important بات اس حدیث کے آخر میں یہ ہے کہ پھر معاذ نے گناہ سے بچنے کے لئے موت سے پہلے اس حدیث کو بیان کیا۔

خواتین و حضرات ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ موت سے پہلے صرف گناہ سے بچنے کے لئے کہ اگر وہ بات جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی اور وہ بات جو ذہنی اعتبار اور عقلی اعتبار پہ لاگو ہے اور جس میں کسی اور چیز کا ذکر نہ ہوا اگر میں نے چھپالی اگر میں نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات لوگوں تک نہ پہنچائی اگر یہ امانت علم و عقل لوگوں تک نہ گئی تو میں گنہگار ہوں گا اور موت سے پہلے گناہ سے بچنے کے لئے حضرت معاذؓ نے یہ بات لوگوں تک پہنچائی۔

خواتین و حضرات! جیسے میں نے آپ سے پہلے کہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی مرتبت نے جو اخلاقی قوانین دیئے ان میں بدترین اخلاق کی چیز نفاق ہے۔ نفاق دل کی تقسیم کو کہتے ہیں منافق اس کو کہتے ہیں جس کا دل تقسیم ہو اور جب اس کا دل تقسیم ہو تو دنیا کو دین پر غلبہ حاصل ہو، اس کو نفاق کہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ حضرات آج جو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ ہم بات سن رہے ہیں تو میرا خیال یہ ہے کہ سننے کا صرف ایک فائدہ ہے کہ ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ وہ کیا باتیں تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتائیں اور وہ کیا باتیں ہیں جن کو ہم اپنے دل میں اتار کر اس فسق و فجور اور نفاق سے بچ جائیں جس سے بدترین جرم کوئی نہیں۔ اللہ نے کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ منافق جہنم کے بدترین طبقے میں ہے اور دیکھیے کیا پیغمبر نے کوئی کمی تو نہیں چھوڑ دی۔ آپ کو اس کی واضح طور پر نشانیاں بتلا دیں جب ہم اپنی زندگیوں کو دیکھیں گے اور ان نشانوں کو پائیں گے تو ہمیں پتا چل جائے گا کہ ہم منافق ہیں یا نہیں ہیں۔ فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے جھوٹی کرے۔

خواتین و حضرات! scandals are too common amongst

us یعنی جب بات کرے scandalise کرے، جھوٹی کرے، جب وعدہ کرے، کبھی پورا نہ کرے یہ تین نشانیاں ہیں منافق کی، جب بات کرے جھوٹی کرے، جب وعدہ کرے کبھی پورا نہ کرے، جب امانت لے تو ہمیشہ خیانت کرے۔

خواتین و حضرات! one should be very careful! ذرا ضمناً

ایک بڑی خوبصورت بات آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتا دوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہم سے کبھی مذاق بھی فرماتے ہیں تو اصولاً آپ نے دیکھا ہوگا کہ مذاق میں مصدقہ بات نہیں ہوتی بلکہ لوگ ایک دوسروں کو خوش کرنے کے لئے بہت ساری

باتیں ملا دیتے ہیں تو ابو ہریرہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ کبھی آپ ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں، مذاق فرماتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں سچ کے سوا کبھی کچھ نہیں کہتا یعنی میرا مذاق بھی سچائی پہ مبنی ہوتا ہے۔ میں کسی کو خوش کرنے کے لئے بے سرو پابا بات نہیں کرتا، میں کسی کی خوش طبعی کے لئے جھوٹ نہیں بولتا بلکہ میرا مذاق بھی مزاح بھی سچائی پر مشتمل ہوتا ہے۔ فرمایا میں سچ کے علاوہ کوئی بات نہیں کہتا۔

خواتین و حضرات! ہمارے معاشرے میں ستاروں پہ اعتبار کرنا اور Astrology سیکھنے کی بات بہت عام ہے۔ اس علم کو سیکھنے کی حد تک کوئی برائی نہیں ہے۔ مگر جن لوگوں کو اس علم کی خواہش اور تجسس ہو اور اگر وہ سیکھنا چاہیں تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ جہاں اعتبار کی بات ہے اللہ آپ کو ان چیزوں پہ اعتبار کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ ان کو سچ نہ سمجھیں۔ قرآن حکیم نے ان لوگوں کو خراس کہا ہے۔ اٹکل پچو و جو اندازے لگاتے ہیں، تخمینے لگاتے ہیں اور ان میں کسی قسم کی کوئی سچائی نہیں ہوتی ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ میں رات کو پانی پڑ چکا تھا۔ بارش ہو چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو کہا تم جانتے ہو کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے۔ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں میں سے بعضوں کی صبح ایمان اور بعضوں کی کفر پر ہوئی ہے یعنی جب بادل برس چکے، پانی پڑ چکا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے نماز ادا فرمائی لوگوں کو قریب سے جھانکا اور ان کے اعتبارات دیکھے تو فرمایا پتا ہے تمہیں اللہ نے مجھے کیا کہا کہ تم میں سے کچھ لوگوں کی صبح ایمان اور کچھ کی کفر پہ ہوئی ہے۔ فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کیوں ہوا فرمایا جس نے یہ کہا کہ پانی اللہ کے فضل و رحمت سے پڑا وہ مجھ پر ایمان لایا اور جس نے یہ کہا کہ یہ بارش مرتخ وزہرہ اور قوسین کے اشتراک سے ہوئی یا قرآن سعود سے ہوئی یا قرآن نحوس سے ہوئی۔ جس نے یہ کہا کہ بارش تاروں اور ستاروں کی گردش سے ہوئی وہ کافر ہوا اور وہ ایمان لایا ستاروں پر۔ وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا۔

خواتین و حضرات! علم علم ہے۔ جاننا اور سوچنا علم مگر اعتبارات اور کسی چیز کو شریک خدا

وند ٹھہرانا مختلف ہے۔ یہی وہ delicacies ہیں، یہی وہ اعتبارات کی delicacies ہیں کہ ہم معقول کو غیر معقول اور اصلی حاکم کو اس کی حاکمیت سے محروم کرنے کی فروگزاشت کرتے ہیں۔ مجھے پتا ہے کہ ہم سب کا ایمان اللہ پر ہے مجھے پتا ہے کہ ہم اہل اسلام اللہ کو مانتے ہیں۔ مجھے پتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتے ہیں۔ مگر اگر ہم واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلیم و رضا کی منزل سے مانتے ہیں تو پھر آپ کی یہ بات غور سے سننا پڑے گی کہ اپنا اصلی اعتبار ذات اور عقل و ایمان کبھی ضائع نہ کرو، کسی شخص کو، کسی شے کو وہ حاکمیت عطا نہ کرو جو اللہ کے لئے مخصوص ہے۔ بڑی خوبصورت بات ہے۔ یہ تھوڑا سا فرق ہے جو اللہ کے رسول کے سوا آپ کو کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ وہ شخص جس کے دل میں ذرا برابر غرور ہے اور گھمنڈ ہے وہ کبھی جنت میں نہیں جائے گا وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ تہر، سرکشی، انا جس کے دل میں ہے۔ جس کے دل میں غرور ہے۔ عبد اللہ بن مسعود سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص کبھی جنت میں نہیں جاسکے گا جس کے دل میں غرور ہے، اشیاء کا غرور ہے، مکان کا غرور ہے، اولاد کا غرور ہے، کسی شے کا غرور ہے وہ کبھی جنت میں نہیں جائے گا مگر ایک شخص نے بڑا معقول سوال پوچھا ہے یہ سوال وہ ہے جو میں اور آپ بھی پوچھ سکتے تھے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر آدمی چاہتا ہے کہ میرا جو تا اچھا ہو۔ میرے کپڑے بہتر ہوں، خوشبو لگا کر بھروں تو کیا یہ بھی غرور اور گھمنڈ میں آئے گا کیا اس کی وجہ سے بھی سزا ملے گی فرمایا اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ (مسلم۔ مسند احمد ترمذی) اللہ جمیل ہے۔ اللہ حسین ہے۔ اللہ خوبصورت ہے۔ اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ اچھا لباس اور اچھے جوتے پہننا غرور نہیں ہے، اچھی زندگی گزارنا اور اچھا کھانا کھانا غرور نہیں ہے بلکہ غرور یہ ہے کہ جو چیز آپ میں موجود نہیں ہے اس کو claim کرنا۔ جو طاقت آپ کی نہیں ہے اس طاقت کو اپنا خیال کرنا، ادھار کی زندگی کو اپنا سمجھنا، ادھار کے اقتدار کو اپنا سمجھنا اور دوسرے لوگوں کو صرف اس لئے سرزنش کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا اور سچ بات کو اس لئے رد کر دینا کہ وہ آپ کو پسند نہیں ہے۔ اصل غرور یہ ہے۔ اچھا جوتا پہننا اور اچھا لباس پہننا غرور نہیں ہے۔ میں نے پہلے بھی آپ کو ایک حدیث سنائی تھی۔ یہ وہ

حدیث ہے جس کی عصر حاضر کے مسلمانوں کو اس کی بڑی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ خطا انسان کے دل میں مایوسی پیدا کر دیتی ہے۔ جب ہم گناہ کرتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ اب تو بخشش کا کوئی طریقہ نہیں رہا تو اللہ کی طرف سے پلٹ جاتے ہیں اور گناہوں کے ہاتھ اپنی زندگی کو بچ دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شیطان ہمارے اندر گناہ کی مایوسی اور یاس کو اتنا بڑھا دیتا ہے کہ ہم اپنی عاقبت کی خوشخبری سے محروم ہو جاتے ہیں یہ حدیث غور سے سننا متفق علیہ بخاری اور مسلم انس بن مالک سنن ابی داؤدان جامع ترمذی اور نسائی میں متفق علیہ حدیث۔ حضرت ابو ذرؓ نے اسے روایت کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو آپ ایک سفید کپڑا اوڑھے ہوئے سو رہے تھے۔ پھر آیا میں تو آپ سو رہے تھے، پھر میں آیا تو آپ جاگتے تھے آپ کو جاگتے دیکھا تو میں آپ کے پاس بیٹھ گیا آپ نے فرمایا غور سے سنیے جو لا الہ الا اللہ کہے پھر اسی اعتقاد پر مرجائے جس نے دل سے اور دماغ سے لا الہ الا اللہ کہا اور پھر اسی اعتقاد پہ مرجائے تو وہ جنت میں جائے گا۔ تو ابو ذرؓ بڑے تھوڑی سی ذہنی پیچیدگی میں آئے کہ یہ تو کوئی total statement دی جا رہی ہے اس میں تو کوئی مکلفات نہیں ہیں اس میں کوئی exceptions نہیں ہیں تو فوراً ایک سوال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا، چاہے وہ زنا کرے، چاہے وہ چوری کرے، تین بار ایسا ہی فرمایا تو تینوں بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چاہے کرے مگر چوتھی بار جب ابو ذرؓ کو اعتبار ہی نہیں آ رہا تھا جیسے آج کل کے علماء کو اعتبار نہیں آتا، یہ چیزیں تو ان کے لئے جائز ہیں۔ آپ لوگوں کو تو یہ خبر سنا ہی نہیں سکتے۔ کسی خطا کار کو تو بخشش کی خبر دینا ہی ان کے نصیب میں نہیں۔ بھئی ہم سے غلطیاں ہو جاتی ہیں، سارے زمانے سے ہوتی ہیں پھر جو گناہ پوشیدہ ہیں ان کی توبہ اللہ نے کہا چھپا کر کرو اور جو گناہ تم ظاہر کرو ان کی توبہ ظاہر میں کرو اور جو گناہ شریعت کی زد میں آ گیا پھر اس کی سزا قبول کرو تا کہ آپ پاک و صاف ہو جاؤ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب چوتھی مرتبہ ابو ذرؓ نے کہا چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر چہ ابو ذرؓ کی ناک میں خاک لگے تو ابو ذرؓ جب یہ حدیث سنایا کرتے تھے تو ہمیشہ یہ ساتھ کہا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابو ذرؓ کی ناک کو خاک لگے یعنی فہمائش فرمائی

ناراض ہوئے کہ ابو ذرؓ تجھے کیا ہوا ہے جب میں تجھے کہہ جو رہا ہوں یہ ایسے ہی ہے جیسے میں نے کہا ہے تو اتنی جھٹیں اتنے سوال کیوں کر رہا ہے وہ سرزنش کا انداز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیکھئے کہ چاہے تیری ناک کو خاک لگے جو میں نے کہا یہی سچ ہے۔

سوالات و جوابات

حضور پر اترنے والی وحی کا اختلاف!

سوال: سرولیم میور نے اپنی کتاب دی لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لکھا ہے کہ جب آپؐ پر وحی نزول ہوتی تھی تو وہ کہتا ہے وہ وحی نہیں ہوتی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (نعوذ باللہ) مرگی کے دورے پڑتے تھے اور عجیب و غریب آوازیں نکلتی تھیں۔ اس کی تفصیل بیا ن کریں؟

جواب: دیکھئے اسی طرح پروفیسر میکڈونلڈ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں **psychopathic** ہونے کا دعویٰ کیا مگر ایک بات اس کی شہادت **objectively** کسی درجے تک پہنچنی چاہیے تھی۔ میرا خیال یہ ہے کہ **objective sciences** میں **MRI** اور **CT Scan** کے ذریعے جو کروڑ ہا مرگی والے انسان ہیں، ان میں سے کسی نے قرآن نہیں سنا اور پروفیسر میکڈونلڈ نے علامہ اقبالؒ کو لکھا کہ **Prophet was a psychopath** تو اقبالؒ نے اس سے کہا دیکھو

if he was a psychopath we need such psychopaths تو تمہاری دنیا کو ایسے بیماروں کی بڑی ضرورت تھی مگر آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ مرگی کا دورہ زندگی میں جب بھی پڑتا ہے وہ **Functional inability create** کرتا ہے مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ کی زندگی میں تادم آخر **disability** کا کوئی حوالہ نہیں ملتا ہے **Secondly** اگر آپ مرگی کے اصول جانتے ہوں تو یہ **Brain** اور

Veins میں clotting ہوتی ہے جو Brain کی طرف جا رہے ہوتے ہیں اور Vision میں بڑا فرق پڑتا ہے۔ مرگی کے مریض کو خاص طور پر T.V نہیں دیکھنے دیتے۔ اس کو Light سے بڑا فرق پڑتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری زندگی روشنی میں رہے۔ آپ نور تھے اور نور میں رہے۔ کسی نے ان کے بارے میں جو مرگی کا الزام رکھا ہے، اگر یہ مرگی کے دورے ہوتے تو Hundred Great Men کی کتاب میں جو دو برٹش برادرز Historians نے مرتب کی، انہیں یہ ضرور لکھنا چاہیے تھا کہ مرگی کا یہ مریض تمام انسانوں میں اعلیٰ ترین قدر و عزت کا مالک ہے۔ اگر یہ مرگی ہوتی تو یقیناً موسیٰ و کارلائل جب Prophet as a Hero کا انتخاب کر رہا تھا تو اس کا اپنا پیغمبر تو عیسیٰ الصلوٰۃ والسلام تھے مگر اس نے کہا کہ کسی فرد واحد نے انسانی نسلوں اور معاشروں پر اپنی تربیت کا اتنا گہرا اثر نہیں چھوڑا جو مدینے کے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوڑا ہے اور میں جب Heroes کا ذکر کرتا ہوں تو تمام پیغمبروں میں میرے ہیرو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ دیکھئے کہ کوئی بے بنیاد کہنا اور کسی پر کوئی اتہام رکھنا آسان ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات یقینی لگتی ہے کہ جس شخص نے یہ اعتراض کیا اس پہ ضرور کوئی نہ کوئی دورہ پڑا ہوگا۔

نور اور بشر کی بحث کا پس منظر!

سوال: نور و بشر کیا ہے اور ان کی نوعیت کیا ہے؟ اور دعا کی مقبولیت کے لئے وسیلے کے بغیر کیا فرق پڑتا ہے؟

جواب: نور و بشر کے حوالے سے میں آپ سے بات کرتا ہوں لیکن میں اس سے پہلے آپ کو اس کا پس منظر بتاتا ہوں۔ برصغیر میں ہمارے علماء کی گرفت کبھی تاریخ اور علم پہ نہیں رہی۔ ان کی ہمیشہ گرفت ٹوٹے پھوٹے واقعات یا اپنے کم علم اساتذہ کے رتبوں پر رہی۔ بلکہ سب سے بڑا عذاب یہ رہا کہ اگر کوئی گلی کوچے کا چھوٹا سا عالم ہوا تو اسے شیخ عرب و عجم بنا دیا گیا۔ کسی کو شیخ الحدیث بنا دیا گیا۔ کسی کو شیخ علم بنا دیا۔ یہ رسمیں برابر جاری رہیں ہم نے تمام چھوٹے موٹے

اساتذہ کو عالی مراتب بخش کر اپنے لئے مصیبت کھڑی کر لی یعنی جب ہم عام سے لوگوں کو یا جب شیخ عرب و عجم کے خطاب سے نوازیں گے تو پھر ہم ان سے سوال کرنے کی گستاخی تو نہیں کر سکتے مگر ہوا یہ کہ سترھویں اٹھارویں صدی میں Clergy اور secularism میں جنگ شروع ہوئی۔ سترھویں اٹھارویں صدی میں مذہب میں اس جنگ کا آغاز Christianity سے ہوا۔ یہ سوال یورپی مسلمانوں میں نہیں تھا۔ بلکہ یورپین میں تھا۔ سوال یہ تھا۔

Whether God is energy or God is matter?

سوال یہ تھا کہ اللہ نور ہے یا مادہ ہے۔ ایک معترض یہ کہتا تھا کہ اگر اللہ نور ہے تو اس سے مادے کا اجراء نقص ہے اور یہ نہیں ہونا چاہیے اور اگر اللہ مادہ ہے تو اس سے نور کا اجراء نہیں ہو سکتا۔ اس وقت یہ سوال ملوکیت، سیکولرزم اور مذہب کے موضوعات کے ساتھ ساتھ ہماری یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ہمارے Academic ماحول میں آیا۔ سترھویں اٹھارویں صدی میں یہ سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ مذہبی علماء clergy پر ٹیکنیکل سائنسٹوں کے ساتھ اس موضوع پر لڑ رہے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیونکر یہ سوال کہ اللہ نور ہے یا مادہ اللہ کی طرف جانے کے بجائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف موڑ دیا کہ رسول اللہ نور ہیں یا بشر۔ اب آپ دیکھئے کہ اصولاً جب 18th Century میں آئین سٹائین آیا تو اس نے وہ مسئلہ حل کر دیا اور یورپ میں جو نور بشر کا جھگڑا شروع ہوا تھا وہ ختم ہو گیا کیونکہ جب اس نے $E=Mc^2$ فارمولا دیا اور Relativity دی کہ Energy Mass کو اگر بہت تیز رفتاری سے 126,000 یا 136,000 Miles per Second کی رفتار سے گزارا جائے تو مادہ نور میں بدل جائے گا۔ اس سے ایک اصول پیدا ہوا کہ تمام مادہ ایک Condensed Energy ہے۔

you have to pass it through with a high speed of

186,000 miles per second

کی رفتار سے گزارو گے تو یہ تمہارے نور میں بدل جائے گا The same is true کوئی

وجود، وجودِ مادہ نہیں ہے۔ تمام وجودِ نور ہے۔ زمان و مکان میں مادہ نور کی Distant صورت میں ہے اور کسی بھی وقت یہ توانائی میں بدل سکتی ہے۔ یورینیم کی مثال آپ کے سامنے ہے اور اس کی Shape بدل سکتی ہے۔ جب یہ معاملہ Simplest Level پہ سائنس طے کر دیتی ہے تو پھر اس مسئلے کو مذہب کے ناقص ترین علماء کی comments کئے جا رہے ہیں۔ حقائق یہ بتاتے ہیں کہ کوئی مادہ نہیں بلکہ تمام انجماءِ نور یا انجماءِ توانائی کی شکل ہے۔ اب آپ دوسری طرف آئیے کہ نور کا الٹ بشر ہے۔ قرآن حکیم میں ”اللہ ولی الدین امنوا یخرجہم من الظلمت الی النور، والدین کفروا اولیائہم الطاغوت یخرجہم من النور الی الظلمت، اولئک اصحاب النار ہم فیہا خلدون O“ (البقرہ: آیت 257) اب اگر آپ اس سوال کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی مرتبت کے سامنے ایک natural صورت میں رکھیں ایک تو آپ کتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ معاذ اللہ استغفر اللہ اب بشر کی جگہ ظلمت جو نور کا واقعتاً الٹ ہے۔ تو پھر آپ کیا سوچتے ہیں۔ کیا یہ سوال کسی قیمت پہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں Discuss کرنا یا پوچھنا جائز ہوگا؟

تکبرات سے بچنے کی سبیل!

سوال: جب ہم چھوٹی چھوٹی نیکیاں کرتے ہیں تو تکبر آجاتا ہے اور وہ Guilt بن جاتا ہے۔ اس سے بچنے کے لئے کیا کیا جائے؟

جواب: قرآن حکیم نے خیر و شر دونوں کو فتنہ کہا ہے۔ خالی شر کو فتنہ نہیں کہا۔ یہ حقیقت ہے کہ جب تک علم بہتر نہ ہو اس وقت تک آپ کو نیکی سے بھی خبردار رہنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر Human Services ہیں۔ اگر آپ تھوڑا سا differentiate کریں کہ آپ human services کو نیکی کیوں کہتے ہیں آپ انسانی جذبات کو کیوں نیکی کا درجہ دیتے ہیں اور آپ کیوں یہ سمجھتے ہیں کہ اندھے کو سڑک پار لے جانا۔ آپ کو کیوں سارا دن یاد رہتا ہے۔ اور ہر جگہ اس کا کیوں ذکر کرتے ہیں۔ ایک روپیہ کسی کو دے دینا کسی کی مدد کر دینا تو

Generally آپ اودنی Categorise کر رہے ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مسلمانوں کا مسلمانوں پہ حق ہے اور وہ صدقات ہیں۔ اگر آپ ہر کام کو اس کی حیثیت اور نوعیت سے دیکھیں تو پھر آپ سے بنیادی فرائض میں شامل ہو جاتا ہے۔ مشکل تو یہ ہے کہ ہم ہر کام کو نیکی میں لے جاتے ہیں۔ برصغیر میں مبالغہ اتنا ہے کہ ہم ہر استاد کو قطب عالم بنا دیتے ہیں۔ بہر حال اللہ کے کرم اور مہربانی سے ہم مسلمان ہیں اور اللہ نے ہمیں دوزخ سے نجات بخشی ہے۔ ہمیں مبالغے سے بچنا چاہیے اور ان چھوٹی چھوٹی نیکیوں پر ہرگز اترا نا نہیں چاہیے۔ خواتین و حضرات! ہم اس مبالغے کو علم سے رفع کر سکتے ہیں۔ ہمیں یوں سمجھنا چاہیے کہ ہم فقط اللہ کی توفیق سے یہ کار خیر سرانجام دیتے ہیں۔ ورنہ ہم تو اس قابل ہی نہیں ہیں کہ نیکی کا کوئی تصور ہم سے وابستہ ہو۔ جب ہم اپنی حیثیت کو محسوس کریں گے تو ہمارا ہر کام چھوٹا ہو جائے گا اور ہم متکبر نہیں بنیں گے کیا ہم ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو رات دن جانوروں کی خدمت کرتے ہیں۔ اگر ہم National Geographics کو دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو کہ وہ لوگ کہاں کہاں پہنچتے ہیں اور خدا کی مخلوق کے لئے کن سمندروں میں غوطے لگاتے ہیں لیکن دوسری طرف وہ اتنے فاسق ہیں کہ قتل و غارت کی برسات لئے پھرتے ہیں لیکن مسلمان کے نزدیک اس کی بڑی سے بڑی نیکی کا اجر اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا ہے کہ خدا اس کی خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور یہ کسی مسلمان کی سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔

فرق بندی کا ذمہ دار کون اور سدباب کیا ہے؟

سوال: مسلمانوں میں فرقہ بندی کا ذمہ دار کون ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟

جواب: یہ تو مجھے نہیں پتا کہ فرقہ بندی کا کون ذمہ دار ہے۔ لیکن یہ تو ایک تاریخ ہے جو مجھے ابتدائے اسلام سے شروع کرنی پڑے گی جہاں سے Islamic Litration کی تقسیم شروع ہوئی۔ میں قرآن و حدیث کی ایک بات آپ سے کرنا چاہتا ہوں قرآن میں اللہ نے فرمایا یعنی جن لوگوں نے دین میں فرق کیا اور اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے بہتر معزز اور اعلیٰ دارف

سمجھا اور ایک گروپ بن گئے اور اپنے مخصوص انداز کے رنگ ڈھنگ ٹوپوں، مصلوں، مسجدوں اور ڈاڑھیوں سے اپنی شناخت اور پہچان کرانے لگے اور ایک گروپ اور فرقے میں بٹ گئے۔

اے پیغمبر تو ان میں سے نہیں ہے۔ یہ ایک نہایت واضح آیت ہے جس کی روشنی میں ہمیں ایک اچھا

follower ہونے کے لئے صرف ایک ہی title استعمال کرنا چاہیے اور وہ مسلمان کا ہے کیا

ہمارے لئے صرف مسلمان ہی رہنا کافی نہیں ہے؟ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، پہلے

اللہ کا کہنا مانو اور میرا کہنا مانو اور اگر تمہارے امراء اور بادشاہ خدا پرست نہ ہوں اور وہ اس قابل نہ

رہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ بدکار اور فاسق ہوں تو ہم کم از کم تمام فرقوں سے علیحدگی

اختیار کرتے ہوئے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اپنے گھروں میں بیٹھ جاؤ اور اس

بازار فتنہ و فساد سے الگ ہو جاؤ اس میں تمہاری فلاح اور نجات ہے خواتین و حضرات! قرآن و

حدیث میں یہی ایک متفق علیہ بات ہے کہ تم فرقہ وارانہ اختلافات اور فتنوں سے علیحدہ رہو اور

تمہارا صرف سادہ سا مسلمان کا تشخص ہو میری دعا ہے کہ اللہ ہمارا اسی پر اختتام فرمائے کیونکہ

ہماری نجات اسی میں مضمحل ہے۔

سورہ فاتحہ کا قرآنی پس منظر

سورہ فاتحہ کے بہت سارے نام ہیں۔ اس کا سب سے معقول و مشہور نام صبحِ مثانی ہے۔ حضورؐ نے اس پر تباہی کا اظہار کیا کہ مجھے اللہ نے صبحِ مثانی عطا فرمائی۔ اُم الکتاب کا مطلب ہے کہ اگر خلاصہ کتاب لیا جائے اور پورے قرآن حکیم کے مقاصد کو سمجھا جائے، سو چا جائے، تو وہ سورہ فاتحہ سے بیرون نہیں ہے۔ یوں سمجھئے کہ جب ہم کسی مضمون کا خلاصہ تیار کرتے ہیں تو قرآن کا خلاصہ سورہ فاتحہ ہے۔ اس سے متعلق جو ایک واحد کسی ذہن میں اضطراب پایا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کتاب کا حصہ ہے کہ نہیں ہے؟ بظاہر یہ دعا ہے مگر دعا سے بڑھ کر یہ ایک ذہنی اپروچ ہے۔ سورہ فاتحہ سیکھنے کی اپروچ کو واضح کرتی ہے۔

اب اس میں بڑا عجیب سا سوال یہ ہے کہ سورہ فاتحہ ختم ہوتی ہے تو پہلی آیت شک و شبہ سے شروع ہوتی ہے ”الْم ذَلِك الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ“ (البقرة: 2-1) سوال یہ ہے کہ کیا سورہ فاتحہ پڑھنے والا اس دوسری آیت پر آسکتا ہے جس سے کہ ہم مغز قرآن شروع ہو رہا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنے والا پھر قرآن کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھے یا یہ کنفرم کرے کہ ”الْم ذَلِك الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ“ تو اللہ کا بظاہر طریقہ کار نظر نہیں آتا کہ وہ بزور لوگوں سے توثیق حاصل کرے۔ صاف بات ہے کہ اس پہلی آیت کا مطلب یہ نہیں بنے گا کہ آپ بلا شک و شبہ اس کتاب پر یقین کریں بلکہ یہ بنے گا کہ آپ کے دل اور دماغ میں اگر کوئی شک ہے تو وہ اس کو نکال دیں۔ اس بیان میں اتنا یقین ہے۔

اب جو واحد تضاد خیال آتا ہے کہ فاتحہ پڑھنے والا یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ قرآن حکیم میں شک و شبہ ہے کہ نہیں؟ اب اگر زمانہ عصر کے تمام فلاسفہ کو دیکھا جائے تو ایک عجیب سا ہمیں نقشہ نظر آتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے خدا کے خلاف سو فیصد باتیں کی ہیں یا خدا کو تسلیم نہ کرنے کی باتیں کی ہیں، انہوں نے خدا کے بارے میں سوچا ہی نہیں۔ اگر میرے پاس ایک ذریعہ ہو۔ میں اس پر غور کر رہا ہوں اور اس کوشش میں ہوں کہ خدا کو جاننے کے لئے مجھے کون سا ڈیٹا ضروری ہے؟ اصولاً بطور طالب علم مجھے تمام مذاہب کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ مجھے سوچنا پڑے گا کہ مذہب جو دعویٰ کر رہا ہے کہ میں خدا کا رستہ ہوں اور میں انسان کے شعور میں خدائی اجاگر کرتا ہوں تو کم سے کم ہمیں تمام مذاہب عالم کا اول و آخر مطالعہ کرنا ہوگا۔ اور آل مذاہب کے ساتھ مطابقت اس کی نہیں بنتی کیونکہ کوئی بھی عقل مند آدمی ایک چانس اسلام کو ضرور دے گا۔ یہ جو تکمیل مذاہب کا دعویٰ قرآن اور مذہب اسلام کر رہا ہے۔ ایک نیچرل سٹوڈنٹ کو یہ ہوگا۔ چاہے وہ عیسائی ہی کیوں نہ ہو کہ وہ مذہب کے مزید مطالعے سے نہیں رکے گا۔

اسی طرح جو یہودی ہے، جب وہ اپنے آپ کو توراتی تالمود اور اپنے علوم پر اپنے آپ کو بلاک کرتا ہے اور وہ نہ انجیل نہ قرآن کو مانتا ہے۔ اپنے مذہبی نالج پر قائم ہے۔ اکیڈمک کی سطح پر انہیں ان چیزوں کا پتا نہیں جو اس کو شارٹ آف انفارمیشن ثابت کرتی ہیں۔ دوسری طرف آپ سائنسدان کو لیجئے۔ بڑے بڑے قابل سائنسدان، جو اعلیٰ ترین سائنسی تحقیقات کرتے ہیں۔ ان سے ایک سوال پوچھنے والا ہوتا ہے کہ تم لوگوں نے 30, 35, 40 برس ایک سائنٹیفک موضوع کی ریسرچ پر لگا دیئے ہیں۔ تم لوگوں نے یہ کیا کہ شروع سے اسی انسٹرومنٹ سے آگاہی پائی۔ ایف ایس سی بی ایس سی ایم ایس سی کی، جو آپ کو مزید کسی بڑی تحقیق میں مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں لیکن جب آپ مذہب کے بارے میں ایک رائے دیتے ہیں تو کیا ہوتا ہے؟ آپ نے وہی 35, 40 سال نہ سہی، کوئی سائنسدان یہ تصدیق کر سکتا ہے کہ اس نے 15, 20 سال ہی اسی دقیق نظری اور اسی تردد سے مذاہب کے مطالعہ میں گزارے؟ کیا اسی نظر، پیٹرن اور اسی معروضی معیار اور تجزیاتی تعقل سے اس نے مذہب کا مطالعہ کیا؟ پتا لگتا ہے کہ نہیں کیا؟

سائنسدانوں میں دو عمومی خوف پائے جاتے ہیں۔ یہ امر محال سمجھا جاتا ہے کہ مذہب سائنٹیفک معروضیت پر پورا اترے گا۔ بھلا کیوں نہ اترے گا؟ اگر آپ پہلے سے متردد اور خوفزدہ ہیں کہ مذہب گھڑا گھڑایا عقیدہ ہے۔ محض کہانی، روایت اور اساطیر الاولین ہے۔ پھر کیسے آپ مذہب کو معروضی طور پر سمجھنے کی کوشش کریں گے؟ اور آپ کیسے مذہب کے بارے میں مہربان ہوں گے؟

میں ایک آزاد منش انسان کی حیثیت سے سمجھتا ہوں کہ میری تمام تر آزادی میں مذہب حائل ہے اور مذہب سائنسی و معروضی معیار پر پورا ہی نہیں اترتا تو مجھے اس پر کیونکر یقین کر لینا چاہئے؟ میں نے دیکھا کہ سائنسدان جب مذہب کی طرف آتا ہے، تو وہ غیر منصفانہ اعتراض کرتا ہے اور غیر منصفانہ تسلیم کرتا ہے۔ اس لئے کہ اپنے آپ کو معروضی گردانتے ہوئے اور مذہب کو اس معروضیت کے معیار سے ماورا سمجھتے ہوئے اس کے پاس کوئی چارہ نہیں کہ وہ مذہب سے ہاتھ دھو بیٹھے یا مذہب کو تسلیم کرے لیکن مذہب کو ماننے کے لئے اسے اندھا عقیدہ کھڑا کرنا پڑتا ہے جبکہ عرصہ دراز سے زمانے نے یہ دیکھا ہے کہ مذہب کیلئے اندھے عقیدے سے زیادہ خطرناک شے کوئی نہیں۔ وہ جو صاحب مذہب ہے وہ عقل و شعور کو دعوتیں دیتا ہوتا ہے اور صاحبان عقل و شعور اندھا دھند اعتقاد کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ فلاسفر اور سائنسدان دونوں مذہب کے تصور کے ساتھ مناسب انصاف نہیں کر سکے۔

اب مذہب کی طرف سے دیکھتے ہیں۔ مذہب کی طرف سے رسم و رواج یا جو عباداتی رسوم ہیں وہ اہم ہیں۔ بد قسمتی سے آج کے زمانے میں مذہب کو ان تمام Occults کے ساتھ ملا دیا گیا ہے جو زمانے نے اپنی جہالتوں کی وجہ سے مذہب سے فرار حاصل کرتے ہوئے پیدا کئے تھے۔ یہ کتنی مذہب کی توہین ہے کہ جس چیز کو مذہب پوری طرح مسترد کرتا ہے اور جس چیز کے خلاف مذہب زمانے میں آیا ہے، آپ اسی چیز کو مذہب قرار دیتے ہیں۔ یہی تضاد آج کل کے زمانے میں روحانیت اور تصوف میں ہے۔

تصوف جو انسان کے خدا کے ساتھ تعلق کا خصوصی علم ہے، اس کو انہوں نے عجیب و غریب

حیرت افزا واقعات کا مجموعہ بنا کر اور اس کو روحانیت کا نام دے کر ان دونوں کو ایک کر دیا اور یہ داستان چھوڑ دی کہ ہر مذہب میں روحانیت ہو سکتی ہے، ہر مذہب میں تصوف ہو سکتا ہے۔ اگر ایسے ہے، تو دورانِ زمانہ یا 100 سال سے سکتی لاچار اور بے آسرا انسانیت کو کہیں سے کوئی ایسے پائے کا صوفی کیوں نہیں ملا جس نے اس کی کائنات سنوار دی ہوتی۔ اس کے رستے استوار کر دیئے ہوتے۔ اس کی حقیقتیں درست کر دی ہوتیں۔ اس کے برعکس ہم نے دیکھا کہ انسان جب تکمیل عقل پر پہنچا یا یوں کہیے، جب عقل اپنی بے پناہ میچورٹی کے فشار پر پہنچی، تو ہم نے یہ دیکھا ہے کہ عقل زیادہ occultist ہوتی جا رہی ہے۔ ایک طرف تو اس نے تحقیق اور جستجو میں کئی بار ذرے ذرے کا جگر چیرا کر یہ چشمہ حیراں ہے کہ جس کی حیرانی نہیں جاتی۔

دوسری طرف وہ مذہب کو اپنی زندگی میں محض اس لئے رسم و رواج کے طور پر قائم رکھے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی ذات کے خوف کا سامنا نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے سائنٹفک ٹمپر ہونے کے باوجود اپنی بنیاد کے مسائل کا سامنا نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ مذہب کو اپنے دل اور دماغ کی داخلی کمزوریوں کی خصوصی فلاسفی کے طور پر زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔

اس صورت میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خدا کو ماننے کے دور سے ہیں۔ اس میں پہلا رستہ یہ ہے کہ خدا کو مان کر اسے چیک کیا جائے اور ایک رستہ یہ ہے کہ خدا کو نہ مان کر خدا کے اعتبار تک آیا جائے۔ لہذا میں کہوں گا کہ چونکہ قرآن عامی اور خصوصی سب کیلئے ہے، تو وہاں جو اصول تعلیم ہیں وہ تسلیم کے بعد شک و شبہ کی گنجائش چھوڑتے ہیں مگر جو ایک خاص یا کوئی فرد ہوگا، جیسے ابراہیم تھے، وہ جب اعتبارات شروع کریں گے تو وہ انکار سے اقرار کو آئیں گے۔ تمام اعلیٰ پڑھا لکھا ذہن انکار سے اقرار کو آتا ہے اور یا پہلے سے تسلیم کردہ عقیدے کی نفی کرتا ہے۔ عمومی ذہن اتنا پیچیدہ نہیں ہوتا یا عمومی زندگی میں اس کے پاس اتنا وقت اور اتنا مطالعہ نہیں ہوتا۔ اتنی تعقل اور سوسوں سوں کرتی علم کے لئے بے چینی نہیں ہوتی۔ اس لئے خدا نے اسے ایک اپروچ دی ہے کہ مجھے مانے اور مجھے آزمائے۔ میرا انکار کرے اور مجھے ڈھونڈے۔ یہ دونوں رویے علیحدہ علیحدہ ہیں۔

سو الحمد بنیادی اپروچ بنتی ہے اور بنیادی اپروچ میں بھی پہلا کلمہ جیسے ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

رَبِّ الْعَالَمِينَ“ (الفاتحہ: آیت 1) ہے۔ اس لحاظ سے بڑا ہی اہم ہے کہ یہ تمام انانیت انسان کا توڑ ہے۔ اگر آج کے زمانے میں بہترین انسان بھی اپنی زندگی کا خود وارث ہو جیسے میں اپنا رزق خود کماتا ہوں تو خدا سے اس پہلی آیت میں ہی بتاتا ہے کہ ربوبیت ایک جنس کو محیط نہیں ہے۔ تو غلطی کرتا ہے جب اپنے رزق کا اپنے آپ کو وارث قرار دیتا ہے۔ ارد گرد کی کائنات دیکھ کر یہ نہیں سوچتا کہ باقی کا رزق کون دیتا ہے؟ ظاہر ہے کہ تم نہیں دیتے۔ اگر انسان باقی اشیا کو رزق مہیا نہیں کرتا، تو ایک عمومی سوچ یہ بھی سوچنے پر قادر ہے کہ یہ جو اتنی بڑی کائنات ہے، اس میں جامدات ہیں۔ متحرک اشیا اور جاندار ہیں اور بے جان بھی ہیں۔ ہر چیز کا متعلقہ رزق ہے۔ اگر انسان کا رزق اس کے معدے سے منسلک ہے، تو فرشتہ تو نہیں کھاتا۔ فرشتے کا کچھ اور رزق ہوگا۔ جن کا رزق اگر گوبر اور ہڈی ہے، تو وہ انسان کا رزق تو نہیں ہے۔ ان سے بھی بالا آپ اٹھیں، تو سورج کا رزق اٹھارہ ہزار ایٹم ہیں جو ایک ٹائیپ میں وہاں پھلتے ہیں۔ اس کو حرارت دیتے ہیں اور اس کی پرت سے حرارت ہوتی ہے۔ زمین پر زندگی اور نشوونما کا باعث بنتی ہے۔ سورج کا رزق کون مہیا کر رہا ہے؟

پھر اس چاند کو دیکھئے جو ایک بجھے ہوئے چراغ کے علاوہ کچھ نہیں۔ جو اندھیری اور تاریک غاروں پر مشتمل ایک اندھا سیارہ ہے مگر جس کے ریگزار اتنے چمکتے ہیں کہ وہ سورج کی روشنی لے کے پوری کائنات کو منور کرتے ہیں۔ اس بھوکے ننگے فقیر کا رزق سورج کی پڑتی ہوئی قرمزی شعاعوں میں ہے جسے منعکس کر کے وہ دنیا کو خوبصورتی، چاندنی اور حسن دیتا ہے۔ فرض کیجئے، موت کا رزق زندگی ہو، تو کبھی کبھی موت کا یہ تو حق ہے کہ پیٹ بھر کے کھائے۔ ساری عمر ایک آدمی ادھر اور کبھی ادھر سے اٹھانے کے بجائے کبھی اس کے لئے یہ گنجائش نکلی چاہئے کہ ہزاروں آدمی بھی اکٹھے کھالے۔ زندگی اور تمام کائنات کسی نہ کسی رزق پر قائم ہے۔

جہاں وسیلہ ہے، وہاں رزق ہے اور وسائل اس کے رزق کو متعین کرتے ہیں۔ اس لئے رزق کی ایک متعین اور محدود تعریف اللہ کو پسند نہیں ہے۔ وہ کائنات میں رب العالمین ہے۔ عالمین کتنے ہیں؟ ان کی جہتیں کتنی ہیں؟ ان کی ابعاد کتنی ہیں؟ اس کا فروغ کتنا ہے؟ ان کی سنگیاں

کیا ہیں؟ فراخیاں کیا ہیں؟ یہ سب اللہ کے علم میں ہیں۔ کسی چیز کا رزق حرکت ہوتی ہے اور کسی چیز کا جمود ہوتا ہے۔ کسی چیز کا رزق ہوا، تو کسی کا آگ ہے۔ اللہ نے ہر چیز کو اس کا مناسب رزق عطا فرمایا ہوا ہے۔ ربوبیت واحد ایک ایسی کوالٹی ہے، جس کو خداوند کریم بغیر کسی تعصب کے اشو کرتا ہے۔ یہ وہ کوالٹی ہے، جو کافر کا بھی حق سمجھا جاتا ہے اور مومن کا بھی حق سمجھا جاتا ہے۔ بکری کا سمجھا جاتا ہے، تو بھیڑ کا اور بھینس کا بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس معاملے میں پروردگار عالم اکیلا ہے۔ ربوبیت میں وہ منسلک نہیں ہے۔ ربوبیت میں وہ بالکل یقینی ہے۔ اس یقینیت میں کسی قسم کی کوئی شرط نہیں ہے۔ کسی قسم کی عبادت یا تعلق کا مطالبہ نہیں۔ توجہ کی طلب نہیں ہے۔ خدا ربوبیت میں تنہا، اکیلا، لا تعلق اور بے نیاز ہے۔ اس لئے کہ یہ کام وہ بغیر کسی غرض کے کرتا ہے۔ بغیر کسی مطلب، انتقامی حس، کسی بد لے اور بغیر کسی جنت اور جہنم کے کرتا ہے۔ وہ اس کوالٹی کو سب سے منفرد اور ممتاز سمجھتا ہے اور قرآن شروع کرنے میں سب سے پہلے اس نے جس کوالٹی کا ذکر کیا ہے، وہ رب العالمین ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے دوست کو رزق دیتا ہے، تو اپنے دشمن کو بھی دیتا ہے۔ غیر فکر مند اور فکر مند دونوں کو دیتا ہے، تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ وہ اللہ ہی ہو سکتا ہے الحمد

اللہ رب العالمین

اب آپ دیکھتے ہیں کہ آگے ”الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ ہے۔ ”مَا لِكَ یَوْمَ الدِّیْنِ“ ہے۔ یہ اس کے رحمان اور رحیم میں کسی قسم کے تعصبات نہیں ہیں ”وَكَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ رَحْمَةً“ دنیا اور جہاں کی تخلیقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہم نے اپنے اوپر لازم قرار دے دیا کہ ہم ان پر ضرور رحم فرمائیں گے۔ اس رحم میں ہر چیز شریک ہے۔ خدا وہ ہے کہ جو بے سینگ بکری کو سینگ والی بکری سے قیامت کے دن انصاف دلائے گا۔ رحمن اور رحیم میں انصاف ہے۔ خدا اپنے اوپر بھی انصاف لاگو کرتا ہے۔ اس کی مہربانی، مروت اور کرمی انتہا درجے کے رحم پر مشتمل ہے۔ اسی لئے ان دونوں لفظوں کو علیحدہ کر کے مفسرین یہ کہتے ہیں کہ خدا ”رَحْمٰنُ الدُّنْیَا وَرَحِیْمُ الْاٰخِرَةِ“ ہے۔ دنیا میں وہ رحمن ہے۔ دنیا سے گزر جانے کے بعد اس کی مخلوق کو اس کے زیادہ رحم کی ضرورت پڑے گی، تو مبالغے کا کلمہ رحیم ہے۔ آخرت میں بلاشبہ

اللہ اپنے کرم اور اپنی نوازش سے ایسے لوگوں کو بھی معاف کرے گا، جن کو اپنی بخشش کا کوئی یقین نہیں ہے۔ اگر رحمن الدنیا ایک عنصر ہے، تو اس کا سوگنا رحیم الاخرت ہے۔ جو شخص اللہ کے بارے میں یہ گمان رکھے کہ وہ ظالم یا سخت ہے، اس کو چاہئے کہ سورہ فاتحہ ضرور پڑھے اور یہ دیکھے کہ اللہ نے قرآن شروع کیا اور اپنے بارے میں تفکر کا عندیہ دیا تو سب سے پہلے یہ کہا میں تمہاری ربوبیت میں کسی قسم کے تعصبات سے کام نہیں لیتا۔

دوسرا یہ کہا میں ہر حال میں تم پر رحم کرنے والا ہوں۔ اس کے بعد کسی بندے کیلئے کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ وہ تھامس ہارڈی کی طرح یہ کہے کہ

We are like flies in the hands of God and he kills us
for his support.

ہم خدا کے ہاتھوں میں مکھیوں کی مانند ہیں اور ہمیں اپنے شغل کے لئے مارتا رہتا ہے۔ وہ تو تخلیق ہی ہمیں رحم و کرم کیلئے کر رہا ہے۔ اسے ہمیں اپنے شغل میلے کے لئے مارنے کی کیا ضرورت ہے؟ انسان کی پرکھ اللہ پر ناقص ہے۔ اللہ جو اپنے آپ کو بیان کرتا ہے، وہ صحیح کرتا ہے۔ وہی سچا ہے اور سچائی اسی کے نام سے زندگی اور وجود پاتی ہے۔ ہم تک جتنے سچائی کے تصورات ہیں، یہ ہمارے نہیں ہیں بلکہ ان اقدار سے مرتب ہیں جو اللہ نے سچائی کے ساتھ وابستہ کی ہیں۔

یہ بات یاد رکھئے گا کہ تمام اقدار اقدار نہ ہوتیں، اگر خدا ان کے ساتھ خصوصیات منسوب نہ کرتا۔ یہ جو میں سچ کو سچ مانتا ہوں۔ اخلاق کو اخلاق اور کرم کو کرم گردانتا ہوں اور رحم کو رحم تسلیم کرتا ہوں تو یہ کس کے طفیل اور بخشے ہوئے تصور کے تحت ہے؟ دور حاضر تو یہ ہے کہ اگر آپ چند لوگوں کو بھی بیماریوں سے، کینسروں سے نجات چاہئے تو کہتے ہیں کہ ان کو گولی مار دو، قتل کر دو۔ ظاہر ہے، قابل علاج جو نہیں ہیں۔ اگر انسان پر رحم و کرم کے عناصر چھوڑ دیئے جاتے تو انسان کی اپنی توجیہات بہت ہی مختلف ہوتیں جو ہمارے پاس کانسیٹ ہیں۔ جنہیں ہم دائمی اقدار کہتے ہیں۔ Cosmic اور انٹرنیشنل ویلیوز کہتے ہیں، یہ ساری کی ساری مذہب سے جاری ہوئی ہیں۔

آگے ہے مَا لِكِ يَوْمِ السَّيِّئِينَ، دین کہتے ہیں، پورا پورا دینا۔ پورا پورا دینے میں

انصاف ہوتا ہے۔ ایک وہ ہوتا ہے کہ خدا اپنی طرف سے کیا ڈالتا ہے یعنی انصاف تو پورا پورا ہوگا۔ ایک ایک لمحے ایک ایک وقت ایک ایک گھڑی اور ایک ایک فعل کا۔ دین سے مراد یہ ہے کہ اگر تمہاری کوئی خوبی جو زمین کی تہوں میں چھپی ہوئی ہے، اس دن اللہ تعالیٰ تمہیں نکال کے دے گا اور دکھائے گا کہ تمہارے تصور کی کوئی نیکی بھی میں نے ضائع نہیں کی۔ اسی لئے فرمایا **فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ** (الزلزال: آیت 7-8) کہ ذرہ ذرہ تمہارے خیر کا جمع کرتا ہوں اور ذرہ ذرہ تمہارے شر کا جمع کرتا ہوں چنانچہ بنی نوع انسان کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے۔

انسان اپنے افعال کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ تمام دنیا میں ہر آدمی خدا سے جو انکار کر رہا ہے، لامحالہ اپنے افعال کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ اس کو یہ حق نہیں بنتا کہ وہ کہے کہ اللہ نے میری قسمت اور میرے نصیب میں لکھا تھا۔ اس سے پوچھیں، جب تو اللہ کو مانتا ہی نہیں۔ اگر اللہ کو مانتا ہوتا تو پھر جو اس بات کا رہتا کہ میں تو تجھے مانتا ہوں، تو نے میرا نصیب ہی ایسا لکھا ہے مگر جو یہ مانتا ہی نہیں ہے کہ اللہ نے اس کا نصیب لکھا ہے، اس کا کیا حق ہے یہ کہنا کہ اللہ نے میرے مقدر میں یہ لکھ دیا ہے؟ ایک سیکولر کا کیا حق ہے، جو خدا کو ایک زوال پذیر قدر قصہ پارینہ اور صحرا میں بیٹھے مسافروں کی گپ شپ سمجھتا ہے۔ اس کا کیا حق ہے یہ کہنا کہ اللہ نے میرے مقدر میں یہ لکھا ہے؟ یہ اس کا حق تو بنتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میری زندگی کا ہر لمحہ خدا نے بنایا ہے جو اپنی موت و حیات کا مالک اپنے پروردگار کو سمجھتا ہے۔ وہ اگر کہے کہ اللہ تو نے میرے مقدر میں خرابی لکھی یا اچھائی لکھ دی ہے تو اس کا حق بنتا ہے مگر کسی نہ ماننے والے احمق سکالر کا حق نہیں بنتا کہ وہ کہے کہ اللہ نے میرے مقدر میں کیا لکھ دیا ہے۔ وہ ہمارے لوگوں کے ساتھ صرف بحث کیلئے یہ جملہ استعمال کرتے ہیں۔ جبر و قدر کی تمام بحثیں اسی لئے ناقص ہیں کہ: لعموم یہ باتیں وہ زیر بحث لاتے ہیں جو خدا میں یقین اور اعتماد نہیں رکھتے اور دوسروں کو کنفیوز کرنے کے لئے یہ بحث کرتے ہیں۔

اب اللہ نے فرمایا **إِنَّا كُنَّا نَعْبُدُ وَإِنَّا كُنَّا نَسْتَعِينُ** اگر کوئی خدا کو مانتا ہے تو اس کو یہ

پتا ہونا چاہئے کہ یہی اصلی عقیدہ ہے۔ اگر اتنا بڑا مددگار کائنات کا آپ کے پاس موجود ہے۔ اتنا مہربان موجود ہے۔ یعنی رب رحمن و رحیم اور حساب والا وہ ہے اور آپ کسی اور سے مدد مانگو تو اس سے بڑی نادانی کوئی ہو سکتی ہے؟ جو اپنے معاشرے کو دیکھے تو آپ کو پتا لگے گا کہ الحمد سے انحراف کتنا عام ہے۔ اس اپروچ سے انحراف اس قدر ہے کہ آدمی ذرا ذرا سی بات پر کہتا ہے کہ تعویز نے میرا یہ بند کر دیا۔ تعویز نے میرا وہ بند کر دیا۔ تعویز نے میرا سانس بند کر دیا۔ یہ تعویز میری موت کیلئے ہے۔ یہ میری زندگی کیلئے ہے۔ جادو ہو رہے ہیں۔ سحر ہو رہے ہیں۔ عامل بیٹھے ہوئے ہیں یعنی وہ طلسم ہو شرابا میں خواجہ عمر و عیار کے پہنچنے سے پہلے ساری کی ساری نگری افراسیاب جادوگر کے ہاتھوں میں آئی ہوئی ہے۔ یہ کوئی مذاق ہے؟ آپ خدا میں کیا اور کس حد تک یقین رکھتے ہیں؟ آپ کو پتا ہی نہیں اللہ میاں کیا الحمد میں کہہ رہا ہے کہ ربو بیت میری ہے۔ رحمت میری ہے۔ انصاف میرا ہے۔

ان تین قدروں سے نکل کر جب ان کا مالک کسی اور کو سمجھ لیتے ہیں۔ جب اپنا رزق بند کرنے اور کشادہ کرنے والا انسان بنا لیتے ہیں حالات و واقعات کو ایسا قرار دیتے ہیں یا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ رحمت و کرم آپ کو لوگوں سے نصیب ہوگی اور خوشامد اور لوگوں کی صفت پذیری میں آپ زندگیاں گزار دیتے ہیں۔ اسی طرح جب آپ انصاف کیلئے کسی غیر مخلوق اور غیر خدا سے رجوع کرتے ہیں تو پھر آپ کا اعتقاد شروع ہی سے ناقص ہو جاتا ہے اور آپ خدا میں ایمان نہیں رکھتے۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ یہ آیت دیکھئے۔ تمام وساوس اور خطرات اور تمام عدم توازن کے تصورات کے مقابلے میں اب خدا آپ کو ایک اپروچ دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ دیکھیں، ہم نے رستہ ڈھونڈنا ہے اور رستہ بھی ایک ایسے سراب میں سے ڈھونڈنا ہے کہ جس کی انتہا کوئی نہیں ہے۔ ایسے صحرا میں جس میں آگے جانے والے پاؤں کا کوئی نشان نہیں ہے۔ اس صحرا میں کوئی نخلستان نہیں ہے اور کوئی چشمہ نہیں ہے۔ اس لوق و دوق صحرا میں ایک غریب الوطن اجڑا ہوا مسافر رستہ ڈھونڈ رہا ہے۔ پھر آپ اس رستے کے ڈھونڈنے میں کتنے خوف زدہ ہیں۔ کتنے

پریشان ہیں۔ ایک ناسمجھا اور ایک درد ہے جو آپ کے سینے میں اٹھتا ہے۔ وہ درد کس چیز کا ہوتا ہے؟ کاش میرا کوئی گائیڈ ہوتا۔ کوئی میری رہنمائی کرتا۔ کاش صحرائے تخیل سے مجھے کوئی رستہ دکھا دیتا۔

اللہ کہتا ہے، ضروری تو نہیں، سب کو پیرل جائے۔ سب کو فقیر مل جائے۔ ضروری تو نہیں ہے کہ ہر جگہ اللہ کا کوئی بندہ بیٹھا ہوا مشعل راہ دکھا رہا ہو۔ خدا کہتا ہے، میں تو ہوں نا۔ میں جو ہوں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ تم سب لوگوں کا حق ہے کہ مجھ سے صراطِ مستقیم مانگو۔ کیوں؟ اس لئے کہ تمہیں صراطِ مستقیم دکھانے والا کوئی نہیں بلکہ ”اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ“ (ہود: آیت 56) تمہارا رب ہے ہی سیدھے رستے پر اور اس نے سیدھے سیدھے رستے کا تعین کیا۔ اسی نے سیدھے رستے کے نشان منزل بنائے ہیں۔ اسی نے اس میں نخلستان اگائے ہیں۔ یہی آپ کو ایک سے دوسرے پیغمبر تک پہنچا رہا ہے۔ یہی زمانوں کی اقدار کو الٹ پلٹ کر رہا ہے اور ہر زمانے کی بے چینی اور اضطراب اور ہر زمانے کے شکوک کے مطابق آپ کو پیغمبری دے رہا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی زمانے میں بڑا مسئلہ دیکھتا ہے تو پیغمبری اس مسئلے سے معروضی طور پر متعلق ہوتی ہے۔ جو شخص بھی اس وقت اس زمانے میں نزول فرمائے گا یا جس شخص نے بھی اس زمانے میں ہدایت اور علم کی تعلیم دینی ہے، اس شخص کو اسی مسئلے کے مطابق پیغمبری کے اوصاف عطا ہوئے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے کہا وَاتَّبِعُوا مَا تَلُوْا الشَّيْطٰنِ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ، وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنَ وَلٰكِنَّ الشَّيْطٰنِ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ “ کہ سلیمان نے کفر نہیں کیا مگر جو اس زمانے کے لوگ تھے، وہ شیاطین کی مدد سے جادو، تعویذ، سحر کے معاملات میں الجھ کر خدا کا انکار کرتے تھے۔

اللہ نے دوبارہ تاکید کر کے کہا کہ ”وَمَا اَنْزَلَ عَلٰى الْمَلٰٓئِكِیْنَ بِبَابِلَ هٰرُوْتَ وَمَازُوْتَ“ (البقرہ: 2-102) کہ ہم نے ہاروت وماروت کو سحر سکھانے کیلئے نہیں بھیجا تھا، بلکہ وہ دراصل لوگوں کے ایمان کیلئے ایک فتنہ اور آزمائش بن گئے تھے۔ وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ خدا کیلئے ہماری طرف مت آؤ۔ ہمارا علم مت سیکھو۔ کیونکہ یہ سحریہ جادوئیہ تعویذ کاری

تمہیں خدا کے اعتبارات سے ناقص کر دے گی اور تم کفر کا ارتکاب کرو گے۔ فرشتے کسی کو بھی سحر سکھانے سے پہلے یہ جملہ تو اتر سے بولتے تھے ”وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ“ (البقرة: 2-102) اے لوگو! ان تعلیمات کی طرف تعویذوں اور جادو کی طرف نہ جاؤ۔ بے اعتباری کو نہ جاؤ۔ خدا کی حکمت عالیہ میں تصرف کوئی شخص کوئی بندہ نہیں رکھتا۔ جو کوئی بھی شخص ایسی کوشش کرے گا وہ جھوٹا اور کافر ہوگا۔ اس لئے تم ان چیزوں کی طرف نہ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم کفر کا ارتکاب کر بیٹھو۔

وہ سکھاتے کیا تھے؟ ”وَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ“ بیوی کے درمیان فرق ڈالنا، تعویذوں سے۔ تعویذ حب، تعویذ بغض، تعویذ کار، تعویذ کارکردگی، یہ تمام کے تمام تعویذات اس وقت جادوگر جاری کیا کرتے تھے۔ کہ میاں بیوی میں فرق کیسے ڈالتے ہیں۔ محبتوں میں لوگوں کو قید کیسے کرتے ہیں۔ نفرتیں کیسی ابھاری جاتی ہیں۔ یہ سب تعویذ کرنے والوں کے کام اور شوق ہوتے ہیں۔ یہ کفر ہے اور خداوند کریم ایک علمی ہدایت اشو کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ تعویذ کا کیا اثر ہے اور تعویذ ماننے اور نہ ماننے کا کیا اثر ہے، تو پروردگار عالم فرماتے ہیں ”وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ“ (البقرة: 2-102) تم ایسی بات کیوں سیکھتے اور پڑھتے ہو، جس کا فائدہ ہے نہ نقصان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے، جو اعتبار کرے گا، اسے نقصان ہونا شروع ہو جائے گا۔ جو اعتبار نہ کرے گا اس کو کچھ بھی نہیں ہوگا۔

یہ تمام وہم اور وسوسہ کے علوم اس زمانے میں اتنے ترقی پذیر تھے۔ خاص کر ہم بنو قد لھر کا زمانہ دیکھتے ہیں کہ وہاں اعلیٰ ترین تعلیمات شمسہ اور جدول سٹمسی بننا شروع ہوا۔ سب سے پہلے اسی زمانے میں سورج گرہن، چاند گرہن کے تو اتر کا آغاز ہوا۔ اور یہ جسے آسٹرالوجی کہتے ہیں، جو آسٹرونومی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی، اسی زمانے میں اسے اتنا بڑا علم کہا جاتا تھا۔ اس کے بارے میں بڑی کہاوتیں مشہور تھیں۔ مگر اسی زمانے میں حضور گرامی مرتبت نے فرمایا کہ پیغمبر کو یہ علم شناخت منزل کے لئے عطا ہوا۔ پھر جس کی لائن اس سے مل گئی، وہ تو ٹھیک ہے اور باقی تمام مردود؛ نکل چکے اور خرافات ہیں۔ خرافات کہتے ہیں، جو محض اندازے لگاتے ہیں۔ اسی لئے دوسری

حدیث ناطق ہوئی کہ جس شخص نے یہ کہا کہ یہ جو بارش ہے، کسی سیارے ستارے کی وجہ سے برسی ہے، اس نے کفر کا ارتکاب کیا اور جس نے یہ کہا کہ بادل ہمارا اللہ برساتا ہے اور اللہ کی وجہ سے ہوتی ہے، اس کا ایمان سلامت ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں ستاروں کی پرستش بڑی ہوتی تھی۔ بتوں کے لوگ نام رکھ کر ان کو دیویاں بنا کر دیتے تھے اور ان سب کی خدا کے نام پر پرستش ہوتی تھی۔ شرک اس کو کہتے ہیں، جب اللہ کی مطلق طاقتوں میں کسی کو شریک کر لیا جائے۔ یہ بات یاد رکھی جائے کہ کفار مکہ کافر نہیں، مشرک تھے۔ انہوں نے خدا کے معاملات کو بانٹ کر بہت سارے دیوتا پیدا کئے ہوئے تھے۔ جیسے ہبل ہے۔ ہبل کوئی نیا دیوتا نہیں تھا۔ ہبل اپالو کی بگڑی ہوئی شکل ہے، جو شام اور یونان سے نکلتی ہوئی ادھر آئی اور یہاں آ کے اپالو کے بجائے ہبل ہو گئی۔ اسی طرح یونان کی شہوات کی دیوی ونیس ہے، یونان میں آ کے وہ Afodite تھی۔ روم میں وہ ونیس ہو گئی۔ عرب میں آ کے اشتعار کہلائی۔ اشتعار کی پرستش ملکہ صبا کے ملک میں ہوتی تھی۔ سورج اور اشتعار کا اکٹھا ساتھ ہے۔ اپالو اور ڈیانہ اپالو اور ونیس کی پرستش ہوتی تھی۔ سو تمام تربت پرستی ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح منسلک ہے، جس طرح ہمارے ہاں سلسلہ ہائے نسب ہیں۔ جس طرح اولاد آدم اپنے نسب سے منسلک ہے، اسی طرح پتھر پتھر سے اور بت بت سے منسلک ہے۔ یہاں کے، انڈیا کے بت نئے نہیں ہیں۔ اگر آپ ایک اجنبی کو واقعہ میں دیکھیں تو یونان کا کیو پڈ اندھا دیوتا ہے، جو محبت کا دیوتا ہے اور اس کے پاس سونے کی کمان ہے۔ ہندوستان کا جو دیوتا مدن اور منو ہر ہے، وہ بھی اسی شکل کا ہے۔ اندھا ہے اور اس کے ہاتھ میں پھولوں کی کمان ہے۔ سو یہ ہو۔ ہو وہ دیوتا ہیں، جو ایک جگہ سے سفر کر کے شوقیہ اگلی طرف چلے گئے۔

اسی طرح جب حمس سے گزرتے ہوئے بنو اسرائیل نے دیکھا کہ لوگوں نے بڑے خوبصورت بت بنا کے چاندی اور سونے کے اپنے مندروں میں سجا رکھے ہیں۔ اس بے وقوف قوم، جو آج اپنے آپ کو سب سے سمجھدار سمجھتی ہے، نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ کیوں نہ ہم بھی اپنے خدا کا ایک بت بنا کر اسے قریب سے پوجا کریں۔ چنانچہ یہ رسم و رواج بت پرستی بھی ایک

چھوت کے مرض کی طرح ایک سے دوسرے کو لگتی چلی جاتی ہے۔ اس کے سہیل، علامات، تاریخ سازی ایک ہوتی ہے۔ خداوند کریم نے اسی لئے اس میں بڑی تخصیص کی ہے اور سورہ فاتحہ اس اپروچ کو ظاہر کرتی ہے کہ نیکی اور بدی، مدد کا، عبادت کا، ”لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللَّهُ لَا مَقْصُودَ إِلَّا اللَّهُ“ کے سوا زندگی کا کوئی مقصود نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مقصود نہیں ہے۔ یہی خدا رب کریم اپنے آپ کو اس معنی میں بالکل اکیلا رکھتا ہے۔

اگرچہ ہمارے پاس اس بات کی شہادت موجود ہے کہ سجدہ تعظیسی آدم کو فرشتوں نے کیا مگر تعظیسی سجدے اور عبادت کے سجدے میں بہت بڑا فرق ہے۔ تعظیم کے سجدے میں متحرک محبت ہوتی ہے جبکہ عبادت کے سجدے میں اخلاص اور اس میں کسی قسم کے دوسرے الہ کا شریک نہ ہونا ہوتا ہے۔ اسی لئے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا بنیادی کلمہ جدلیاتی کلمہ ہے۔ یہ سادہ کلمہ نہیں ہے۔ اس میں الا اللہ تک پہنچنے سے پہلے آپ کو لا الہ کہنا پڑتا ہے اور لا الہ کہنے سے پہلے آپ کو کسی بھی غیر خدا کو مسترد کرنا پڑتا ہے۔ بظاہر یہ سادہ سا کلمہ لگتا ہے مگر عمر اس میں غور و خوض کرتے ہوئے بسر ہو جاتی ہے، تب کہیں جا کر خدا سے آپ نکلتے ہیں اور مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ تک پہنچتے ہیں۔ مجھے ایک لڑکے نے سوال کیا کہ اللہ کو میں کیسے پاؤں؟ تو میری مجلس سے ایک شخص نے کہا کہ ہم نے انہیں محمد رسول اللہ کی وجہ سے پہچانا۔ اس نے آگے سے طنزاً کہا، میں اگر اللہ کونہ مانوں گا تو اس کی دی ہوئی رسالت کو کہاں سے مانوں گا۔

تو بنیادی بات یہ ہے کہ آپ اس اللہ پر کتنا اعتبار اور کتنا ایمان رکھتے ہیں؟ آج کل مذہب کی سب سے بڑی خامی یہ ہو گئی ہے کہ مذہب ایک سرکٹے بدن کی طرح ہے جس میں خدا کی محبت، خلوص، طلب اور اس کی ہم آہنگی کی خواہش قطعاً موجود نہیں ہے۔ صرف لوگ رسم و رواج میں عبادت کو مذہب کا خاصہ سمجھتے ہیں۔ اسی میں ایک گنجائش پیدا کر لیتے ہیں۔ اس سے میتھوڈسٹ Methodist مولوی پیدا ہوتا ہے جس کو اللہ کی مرضی کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ جب اس کے دل میں اللہ کا انس نہیں ہوگا تو وہ بندوں کے لئے کہاں سے انس پیدا کرے گا۔ اگر بیم ورجا اور خوف سے اور اس کی دوری کے خیال سے اس کا دل خدا کی محبت میں نہ دھڑکے گا تو وہ

لوگوں کو کہاں سے احساس قربت دے گا؟ اس وجہ سے مذہب زبوں حال ہو رہا ہے اور سخت گیر اور انتہائی متعصب لوگ تخلیق ہو رہے ہیں۔ بجائے ان نرم خو، اعلیٰ ترین اخلاق کے حامل لوگوں کے، جن میں سے ایک شخص بھی کہیں جاتا تھا تو ایک ملک کو اپنے مسلک پر لے آتا تھا۔ آج تک انڈونیشیا اور ماریشس میں کوئی فوج نہیں اُتری۔ مگر وہاں مسلمان دیکھ کے ایک دفعہ حیرت تو ہوتی ہے کہ ان کے پاس کون آیا تھا۔ وہ صاحب کردار لوگ، وہ اللہ کو ماننے والے لوگ جدھر بھی گزر گئے، ان کا کلچر ہر کلچر سے اعلیٰ ہو گیا۔ ان کی عادات ہر عادت سے بہتر قرار پائی۔ ان کے مشاغل ہر مشغلے سے بہتر ٹھہرے۔ اس لئے کہ خدا نے ان کو تعلیم کا سرٹیفیکیٹ دیا ہوا تھا۔ ”رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ“ (البیۃ: آیت 8) اللہ ان سے راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے انہیں تعلیم کا اختیار دے رکھا تھا۔ یہ تبلیغ کے بے مقصد اجتماع نہیں تھے۔ اس لئے حضور نے فرمایا کہ صحابی كالنجوم بايهم اقتديتم اهديتم (الاحکام للامدی) کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جدھر جائیں گے، لوگ ان سے ہدایت پائیں گے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ میں انہی لوگوں کے مسلک کی نشاندہی ہے اور اسی کو اللہ نے آگے جاری کیا ہے۔ وہ لوگ اس طرح عبادت کرتے ہیں کہ عبادت میں کسی غیر کا خلل نہیں آنے دیتے۔ اللہ کہتا ہے کہ وہ لوگ جو مجھ سے اس طرح مدد مانگتے ہیں کہ کسی غیر کو صاحب مدد نہیں سمجھتے، یہ میرے رسول اور یہ میرے اصحاب تھے۔ آخری آیات انہی لوگوں میں تفریق کرتی ہیں۔ دکھا ان لوگوں کا رستہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ جن پر تو نے انعام کیا، کرم فرمایا۔ جنہوں نے تیرے پیغام کو صحیح سمجھا اور بڑے پیغام کو آگے صحیح پھیلا یا۔ جن لوگوں نے راہ راست سے کسی قسم کی ادھر ادھر کی گردش قبول نہیں کی۔ جن کو شیطان اغوا نہیں کر سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن میں صرف عباداتی تسلسل مراد نہیں ہے، ذہنی تسلسل مراد ہے۔ اپروچ کا تسلسل مراد ہے اور نہ کہ ان لوگوں کا رستہ، جو منافقت بے ایمانی، شرک، کفر، ہر چیز کا شکار ہیں۔

مجھے ابھی جو تھوڑا سا واسطہ لوگوں سے پڑا۔ ان کے معاملات اور ان کی سیاست سے تو میں بڑی حیرت سے یہ بات دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں کو خیر کے عمل کی پہچان ہی ختم ہو گئی ہے۔ یہ ان لوگوں

میں نہیں آتے، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ رسول اللہ کی حدیث مبارک ہے کہ جہنمی وہ نہیں ہے، جو چھوٹے موٹے غلط کاموں میں ملوث ہے بلکہ جہنمی کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ خیر اور شر کے کاموں میں تمیز نہیں کرتا۔

سوالات و جوابات

خدا ایک وہم ہے یا حقیقت؟

سوال: میں محبت رسول کو تو بت مانوں کہ خدا کو مانوں۔ آپ کے پاس خدا کے ہونے کی کوئی پختہ دلیل کیا ہے۔

جواب: بڑا معقول سوال ہے کہ میری تمام زندگی اسی سوال کے حل میں گزری ہے اور میں یقین کرنے سے پہلے بے یقین تھا۔ میری خواہش تھی کہ میں کسی مفروضہ یقین کو اپنا اعتبار نہ دوں۔ میں فطرتاً باغی تھا۔ میں سوچتا تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں اگر عاقل ہوں، ذہین و فطین ہوں، دانشور ہوں تو کیا اللہ مجھ سے کم ہے۔ اگر میرے پاس انکار کے لئے دلائل موجود ہیں تو کیا خدا کے پاس اپنے اثبات کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ یقیناً ہے، مگر میرے محترم جنہوں نے یہ سوال کیا کہ علم ایک Continuity ہے۔ اگر آپ یہ سوال کرتے ہوئے اس درجہ علم پہ فائز ہوں، جہاں ایک مقتدی ہوتا ہے تو آپ کو اس سوال کا جواب نہ دیا جاسکتا ہے اور نہ مل سکتا ہے۔ اگر آپ محقق ہوں، متجسس ہوں، جاننے کی آرزو ہے غور و فکر آپ کا تکیہ ہے تو پھر یقیناً آپ اس دلیل تک ضرور پہنچو گے، جو اللہ نے اپنے لئے عطا کر رکھی ہے۔ مختصراً میں آپ کو جواب دے سکتا ہوں کہ میں نے اپنی تازہ ترین کتاب مقدمۃ القرآن میں صرف خدا کی دلیل واحد کو جمع کیا ہوا ہے۔ اگر اس کتاب کو پڑھنے کے بعد آپ کو خدا پر کسی دلیل کی، مزید گنجائش ہو تو میں پھر حاضر خدمت ہوں گا۔ کیونکہ یہ ایک طویل Chapter ہے، لمبی ریسرچ ہے اور یہ ایک کتاب کی شکل میں ہے۔ اس کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا مذہب وہم ہے، وسوسہ ہے یا حقیقت۔ کیا مذہب ضرورتاً انسان ہے یا

ہمارا escape، کیا مذہب ایون ہے ہمیں کارکردگی سے غافل کرتا ہے یا واقعی کوئی خدا ہے کہ نہیں ہے۔ علم کیا ہے اور عالم کون، عقل کیا ہے اور عاقل کون۔ میں آپ سے ایک جنرل سوال پوچھتا ہوں کہ ہماری زندگی کا دار و مدار اگر ہماری اسی زندگی کے ستر اسی سال پہ ہو اور خدا نہ ہو اور ہمیں یہی ستر سال کی زندگی بسر کرنی ہو تو پھر ہم خدا کو کیوں مانیں؟ اپنی زندگیوں پر پابندی کیوں لگائیں؟ ہم اپنے آپ کو محدود کیوں کریں؟ نیکی کا کوئی تصور، کوئی فلسفی، کوئی دانشور، مجھے یہ بتا دے کہ اگر اللہ نہیں ہے تو میں کسی بھی Cultural Aspect سے دی ہوئی Advice کیوں مانوں، میں Traffic کا کیوں احترام کروں۔ مجھے موقع ملے گا۔ میں بتیاں توڑ کر نکل جاؤں گا۔ مجھے ضرورت پڑے گی میں شراب پیوں گا۔ مجھے ضرورت پڑے گی میں کوئی اور خطرناک اور فضول حرکتیں کرتا پھروں گا۔ جب تک میں پکڑا نہیں جاتا۔ یہی میری مرضی ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میرے لئے احتسابی قوت کوئی موجود ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ کوئی بالائی قوت موجود ہے جو میری نگرانی ہے، کوئی Alien Master ایسا موجود ہے جو ہمیں ہمہ وقت نگرانی میں رکھے ہوئے ہے، جس کے بارے میں میں نے سنا ہے کہ وہ زندگی اور موت دیتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ قیامت کا مالک ہے اور جنت اور جہنم بھی تقسیم کرتا ہے، تو پھر مجھے سوچنا پڑتا ہے کہ کیا مفروضہ یا حقیقت ہے جسے آپ خدا کا نام دیتے ہیں، جو آپ اور میری آزادی کا دشمن بھی ہے مگر میرا پالنہا بھی ہے جو اس نظام ہستی کو چلا رہا ہے وہی خدا ہے۔ میں عقل کی تمام توانائیاں بھی صرف کر دوں، تب بھی اس کے وجود اس کی گرفت اور اس کی رحمت سے انکار نہیں کر سکتا۔ مجھے ان داعیان عقل و دانش سے سخت گلا ہے جنہوں نے جانتے بوجھتے انسانی تجسس کے بنیادی سوال کو بھول بھلیوں میں الجھا دیا اسی تناظر سے مجھے Jason فلاسفر نہیں لگے، وٹ کانٹائن، وائٹ ہیڈ، ہیگل، برگسا اور کانٹ کوئی بڑے کہ انہوں نے جانتے بوجھتے بنیادی سوال کو Diversion میں ڈال دیا ہے یہ ان پگڈنڈیوں پر چل پڑتے ہیں جہاں جا کے انسان کبھی واپس نہیں آسکا۔ خواتین و حضرات رحمٰن اور رحیم اور رحمۃ اللعالمین میں زیادہ جدائی نہیں ہو سکتی۔ رحمت کے جو مظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ہوئے، یہ زمانہ آخر کی

حدیثیں ہیں قیامت کا دن ہے۔ حشر کا سامان ہے۔ نفسا نفسی کا عالم ہے۔ ماں بچے میں جدائی ہے۔ زندگی ویران، سانسیں چڑھی ہوئی ہیں جیسے کوئی سکرات میں ہو، ہر آدمی عجلت میں ہے مگر وہ اس وقت حضور یزدان عرض کر رہے ہیں بار بار رو رہے ہیں۔ منت سماجت فرما رہے ہیں۔

”اُمّتی یا رَبِّ اُمّتی یا رَبِّ اُمّتی“ (ابن کثیر ج 3 ص 59) یا اللہ میرے لوگوں کو، میری امت کو عذاب نہ دینا۔ اللہ نے کہا اے محمدؐ جا میں تیری امت کو ضرور بخش دوں گا۔ فرمایا پروردگار نے حدیث قدسی ہے کہ میں نے دیکھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنی امت کے لئے بڑے آزرده خاطر ہیں۔ آپ کو بڑا افسوس ہوتا ہے۔ اب دیکھئے پندرہ سو برس آپ میرا افسوس کرتے ہیں۔ زمانہ آخر کے ایک ایماندار کا آپ افسوس کر رہے ہیں ایک امتی کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افسوس فرما رہے ہیں تو فرمایا اللہ نے اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ تو اپنی امت کی خاطر بڑا آزرده خاطر ہے تو میں نے بھی عہد کر لیا ہے کہ تیری طبیعت میں آزرده گی چھوڑوں گا نہیں۔ میں تجھے پریشاں نہیں کروں گا۔ میں یقیناً تیری امت پر مکمل مغفرت اور رحم کی نظر کروں گا تو قیامت کے دن حضور گرامی مرتبت اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہیں، سفارش پر قائم ہیں۔ مقام محمود پر قائم ہیں۔ اذن ملا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، پروردگار عالم وہ وعدہ یاد کر کہ تو نے کہا تھا کہ اے پیغمبر میں تیری امت کی وجہ سے تجھے آزرده نہیں چھوڑوں گا تو میری امت تو بہت ساری نظر آتی ہے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جا اور جو تجھے اپنا لگے اسے نکال لا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملائکہ کے ساتھ جاتے ہیں اور امت کے بہت سارے لوگ رہائی پاتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر ہوتے ہیں پھر رحمت جوش میں آتی ہے۔ فرمایا اے پروردگار میں دیکھتا ہوں کہ ابھی بھی کچھ لوگ جہنم میں میرے باقی ہیں۔ فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا بھی وعدہ ہے کہ اگر نظر آتے ہیں تو نکال لو۔ پھر جاتے ہیں پھر کچھ لوگ لے کر آجاتے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہی غم وہی دھڑکا وہی امت، وہی ہم وہی تم۔

گناہِ صغیرہ اور کبیرہ میں فرق! —

سوال: آپ نے بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ مجھے ساری زندگی لوگ عذابِ خدا سے ڈراتے رہے۔ آپ نے آج بڑی عجیب سی باتیں کی ہیں۔ آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ نے دو گناہوں کا ذکر کیا ہے کہ بڑے گناہوں سے بچو چھوٹے تو کرو گے ہی۔ یہ بڑے اور چھوٹے گناہ کیا ہیں؟

جواب: یہ قرآنِ حکیم میں لفظِ ظاہر سے ظاہر ہے۔ چھوٹے گناہ وہ ہیں جو Temporary Casual cursory اور جانے والے ہیں یعنی خطا ہوئی، تو توبہ ہوئی۔ آپ آگے نکل گئے۔ گناہ پیچھے رہ گئے مگر جب آپ Repeat کرتے ہیں اور احساسِ زیاں بھی جاتا رہتا ہے وہ گناہ بڑے ہیں۔ قرآن میں ایک اور جگہ اللہ نے فرمایا ”وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ“ (آل عمران: آیت 135) کسی چیز پر اصرار نہ کرو تو اصرار والے گناہ چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی۔

خدا کے عرفان کے لئے مدت کا تعین!

سوال: آپ نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ خدا کو جاننے کے لئے وقت نکالیں۔ اگر ایک بنیادی ڈگری لینی ہو تو اس میں بھی کم از کم دو سال لگ جاتے ہیں۔ خدا کو جاننے کے لئے کتنا وقت نکالیں؟

جواب: میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ دنیاوی Ph.D کے لئے تو آپ 30 سال وقف کر دیتے ہیں اور اتنی بڑی کائناتی حقیقت کے لئے تین سال بھی نہیں دیتے۔ یہ مجھ پر سوال کرنے کے بجائے اپنے آپ سے سوال کریں کہ ایک دنیاوی روزگار اور ترقی کے لئے آپ تیس سال لگاتے ہیں اور کائنات کی سب سے بڑی حقیقت، عزت اور عظمت کے مالک رب کے لئے آپ کبھی ایک سال بھی پورا نہیں نکالتے کہ توجہ سے قرآن ہی پڑھ لیں، حدیث پڑھ لیں اس کے بارے میں تھوڑا بہت جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ ظاہر ہے کہ یہی وجہ ابتلائے زمانہ کی ہے۔ یہی وجہ زوالِ علم و عرفان کی ہے۔ چلو پچیس سال نہیں کم از کم دو تین سال ہی اگر تم اپنے خدا، رسول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کے تفہم کے لئے وقف کر دو تو انشاء اللہ تعالیٰ العزیز تم فکری طور پر بہتر اور پختہ ہو سکتے ہو۔

وسیلے کی کیا حقیقت ہے؟

سوال: وسیلہ کیا چیز ہے؟

جواب: خواتین حضرات! ایک تو میں نے اس وسیلہ کے موضوع پر پورا لیکچر دیا ہوا ہے اور دوسرا وسیلے کے متعلق لوگوں کے تصورات بہت ہی مختلف ہیں۔ جب آدم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کے حضور سے غیاب میں رکھا گیا تو تمام کائنات وسیلہ بنی کیونکہ اللہ کی علیحدگی سے پہلے چونکہ سب جنت میں اکٹھے تھے، براہ راست ایک مکاشفہ تھا۔ ایک دوسرے کو دیکھنا چاہتا تھا، پسند کرنا تھا تو جب اللہ غیاب میں گیا تو اس نے اپنے اور مخلوق کے تعارف کے لئے وسیلہ تخلیق کیا۔ جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نے قرآن حکیم میں کہا کہ میں نے انسانوں کو تخلیق کرنے سے پہلے اس میں قوتیں اور وسائل رکھے کیونکہ انسان ان کے بغیر مادی زندگی نہیں گزار سکتا تھا علاوہ ازیں اللہ نے انسان کے لئے جب سے اپنی تعلیم اور رشد و ہدایت کے سلسلے کو قائم کرنا شروع کیا تو اس نے پیغمبر کے وجود مسعود کو بحیثیت وسیلہ بنایا تھا تا کہ یہ اللہ کی تعلیم کے وسائل بن جائیں اور لوگ ان کے ذریعے مجھ تک پہنچیں۔ اسی طرح جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باری آئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیغمبر اگر لوگ تیرے پاس آئیں اور میری بخشش طلب کریں تو تو بھی ان کی بخشش کی دعا مانگے تو ہم معاف کرنے والے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب تمام institutions تخلیق کئے گئے تو ان میں سے ہر Institution کی سربراہی کسی نہ کسی کے حوالے کی گئی تو اس کا داروغہ مقرر ہوا۔ جنت تخلیق کی گئی تو رضوان کو اس کا حاکم مقرر کیا گیا۔ عرش Create ہوا تو اس کے لئے آٹھ فرشتے مقرر کیے گئے۔ جہاں بھی کوئی آسمانی Institution قائم ہوا تو کسی نہ کسی کو اس کی نگرانی عطا کی گئی انہیں سربراہی اور حکومت بخشی۔ موت پر یعنی ملک الموت عزرائیل کو مقرر کیا گیا۔ Message پر جبریل امین کو مقرر کیا گیا۔ رزق پر میکائیل کو مقرر کیا گیا۔ اور قیامت کے دن صور پھونکنے کے لئے اسرافیل کو مقرر کیا

گیا۔ اسی طرح خواتین و حضرات جب زمین و آسمان میں رحمت کا institution قائم ہوا تو رحمت کی سربراہی رحمتہ العالمین کے سپرد کی گئی۔ رحمتہ العالمین کا Institution جب further تقسیم کیا گیا تو اس میں تین Institution پیدا ہوئے: مقام شفاعت، مقام وسیلہ اور مقام محمود اور یہ تینوں کے تینوں ادارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے۔ بخاری کی حدیث ہے اور یہ حدیث بالکل واضح ہے، اس میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیا گیا فرمایا اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔ اب ایک معمولی سی عقل کی بات ہے اللہ عطا کرنے والا تو آپ کے سامنے ہی نہیں ہے۔ کہاں سے لینا ہے۔ یہ تو اس نے کہ دیا کہ دوں گا۔ مگر کہاں سے لوگے جب تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں جانتے، جب تک ان سے عرض نہیں کرتے ہو، جب تک ان کو وسیلہ نہیں بناؤ گے۔ آپ کو تو اس Institution کا پتا ہی نہیں لگے گا۔ میں امریکہ میں گھوم رہا تھا اور بڑی کوشش کر رہا تھا کہ پتا کروں کہ دفتر کہاں ہے۔ ایک سیکٹر سے دوسرے سیکٹر تک جانے میں بہت مشکل تھی۔ لیکن متعلقہ سے ہوتا ہوا میں آخر کار مطلوبہ سیکٹر یا اپنی منزل مقصود تک پہنچ گیا تھا۔ اسی طرح ہمیں Institution کے Sub Institution کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہوتا ہے۔ لہذا جب تک مرکز کو جانے والے تمام متعلقہ راستوں کا علم نہیں ہوگا اس وقت تک منزل مقصود تک پہنچنا محال ہوتا ہے۔ اسی حوالے سے حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز میری امت کا ایک فرد بنو کلب کے بھیڑوں کے بالوں کے برابر میری امت کی شفاعت کرے گا اور اصحاب رسول نے فرمایا کہ ان سے مراد حضرت اویس قرنی کی شخصیت تھی اب میں اپنی بات اس بات پر ختم کر دوں گا کہ ہم اللہ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کائنات کیوں بنائی گیا کائنات کھیل کود کے لئے تخلیق کی گئی ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ میں نے جن اور انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا۔ اور یہ مت کہو کہ دنیا میں نے غلط نہیں بنائی ہے۔ اب پتا یہ چلا کہ مقصد کائنات صرف تخلیق کائنات نہیں تھا۔ مقصد یعنی تخلیق کائنات کچھ اور تھا۔ اصول یہ بنا کہ اللہ کے خیال میں آیا کہ میں مخلوق تخلیق کروں کیونکہ اللہ تنہا تھا لہذا اللہ نے اپنی پہچان اور تعارف کے لیے اپنی مخلوق کو پیدا کیا۔ جب مخلوق کو تعارف کے لئے پیدا کرنے کا خیال آیا تو پھر ان کے ٹھہرنے کی جگہ کا خیال آیا تو زمین بنی، جب زمین بننے کا خیال آیا تو اس کے ماحول کا خیال آیا، پھر اس Constellation کو ترتیب دینے کا خیال آیا جو زمین

کو Support بھی دے گی اور زندگی اس کی معاونت کرے گی۔ یہ دو کام ہو گئے تو خیال تھا کہ تخلیق کائنات ختم ہو جائے گی۔ بد قسمتی سے ایسا نہیں ہوا کیونکہ آپ سورج کو بھی دیکھ لو سورج بھی تو خلا میں اسی طرح لٹک رہا ہے جیسے زمین تھی تو زمین کو کشش ثقل کے دائروں سے Constellation میں قید کر لیا اور بڑی مضبوطی سے تھام لیا مگر اس Constellation کو تھامنے کے لئے Upper Galaxies کا نظام قائم کیا حتیٰ کہ سورج بائیس کروڑ سال پہلے Upper Galaxies کو قطع کرتا ہے Solar Apex کہلایا۔ پھر جب اس Galaxy کو بنایا ہوگا تو یقیناً اس کے چھوٹے چھوٹے Balance کرتے ہوئے پوری کائنات تخلیق ہوتی گئی اگر بنیادی طور پر دیکھا جائے تو زمین کی مخلوق کو اپنے تعارف کے لئے پیدا کیا۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ ساری مخلوق کو اپنے تعارف کے لئے پیدا کیا۔ اس لیے اللہ اپنی مخلوق کو خود ہی غیر معمولی اوصاف عطا کرتا ہے۔ جس کو خدا سے زیادہ آگاہی اور زیادہ محبت ہوگی اللہ اس کو اپنی فیاضیوں اور عنایتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ پھر اللہ نے اس بات کا اقرار کیا کہ دیکھو میرے بندوں میں سے سب سے زیادہ میری تعریف کا حق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ کو ہے تو پھر آپ دیکھئے کہ دنیا میں اللہ نے کہا کہ چونکہ احمد نے میری آسمانوں پہ صحیح حق تعریف ادا کیا تو صلے میں، میں نے مخلوق کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف پہ آمادہ کیا۔ جب تعریف پہ آمادہ کیا تو آئینے کے اس رنگ کو اجاگر کرنے کیلئے میں نے رنگ بھی پیدا کیا اور اس کی مخالفت میں کفر بھی پیدا کیا۔ اندھیرے بھی پیدا کیے، ابو جہل بھی پیدا کیئے اور میں نے رسالت کے مقام کو اور Maximum جیسے Contrast، Coatraddiction اور مفاہمتوں سے اس کو سنوارا اور پوری کائنات کا مقصد اگر Literally، Mentally، اور Factually دیکھا جائے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ کی کیا ممکنہ تعریف ہو سکتی ہے۔ نہ میں Romantic ہوں، مگر لگتا ہے کہ اس پوری کائنات کی تخلیق میں اللہ کا وجود ہے اور رب کعبہ کی قسم ہے کہ جب سے کائنات اور اس کی تمام متعلقات تخلیق ہوئی ہیں، کوئی چیز بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔ کسی نبی کی کتاب آپ اٹھا کر دیکھ لیں صحائف عیسیٰ، موسیٰ اٹھا کے دیکھ لیں نغمہ ہائے سلیمان اٹھا کے دیکھ لیں، نعمات داؤد اٹھا کے دیکھ لیں صحائف شش دیکھ لیں اور ساری مخلوق کا ذکر دیکھ لیں۔ کسی نبی نے خدائے واحد کا اس طرح ذکر نہیں کیا، اس کی اہمیت اس

طرح اجاگر نہیں کی اور اسے اپنا بھرپور خلوص اور نیاز نہیں بخشا جیسا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ نے پیش کیا۔ اور یہ تاریخی حقیقت ہے عمرانی حقیقت ہے اور یہ اسلامی حقیقت ہے بلکہ ابھی آپ کے پاس وہ سارے ذخائر موجود ہیں۔ اگر اللہ ہے تو اللہ یقیناً ہے۔ تو وہ اپنے بندے سے زیادہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ سے زیادہ کسی پہ مہربان نہیں ہو سکتا اور یقیناً اس کی مہربانی کے توسط سے ہمارے نصیب بھی جاگ سکتے ہیں کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے ناتے سے ہمیں ایک بات کا فخر ضرور حاصل ہے کہ ہمارا رسول وہ رسول ہے جسے اپنے سے زیادہ اپنی امت کی فکر ہے۔ جسے اپنے سے زیادہ اپنے لوگوں کا غم تھا۔ ایسا پیغمبر بھی زمانے میں نہیں گزرا پیغمبر حالانکہ عیسیٰ الصلوٰۃ والسلام نے کہا۔ موسیٰ نے کہا۔ اس نے بہت انہیں سمجھایا یہ ماننے والے نہیں ہیں۔ ”اعوذ باللہ ان اکون من الجاہلین O“ (البقرہ: آیت 67) ان جاہلین کی ان افعال سے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت عیسیٰ نے کہا یا اللہ میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ جب تک میں زندہ تھا جو تو نے پیغام دیا میں نے ان تک پہنچا دیا۔ اب میں ان میں نہیں ہوں اب میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ نے اپنی امت سے کبھی واسطہ نہیں توڑا بلکہ جب ایک مرتبہ بخشش کے لئے گئے اور امت رہا ہوئی۔ دوسری مرتبہ گئے اور امت رہا ہوئی۔ تیسری مرتبہ گئے تو امت کو رہائی نصیب ہوئی تو چوتھی مرتبہ پھر گئے اور کہا کہ اے میرے پروردگار تو نے تو میری ساری امت کی رہائی کا وعدہ فرمایا تھا۔ میں تو اب بھی اپنے کچھ امتی جہنم میں دیکھتا ہوں اور اللہ نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے جو تجھ سے وعدہ کیا پورا کیا اب یہ تیرے امتی نہیں ہیں۔ اب جہنم میں صرف وہی لوگ باقی ہیں جنہیں کتاب نے روک رکھا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے مجھے سرے سے رب تسلیم ہی نہیں کیا اگرچہ ان کے نام مسلمانوں والے تھے مگر انہوں نے کبھی خدا کو خدا نہیں مانا اور تجھے رسول نہیں مانا۔ اب صرف وہ لوگ جہنم میں باقی ہیں جنہیں کتاب نے علیحدہ رکھا ہے۔

اسلام اور سائنس

اگر آپ مجھ سے یہ سوال کریں کہ دنیا کس درجہ سائنسی اکتشافات تک پہنچے گی اور پوری نسل انساں کہاں تک ترقی پذیر ہوگی؟ کون سی ایسی ایجادات یا کون سی ایسی منفرد تخلیقات ہیں، جہاں تک حضرت انسان پہنچے گا، تو میں قرآن و حدیث سے اس کا آسان اور مکمل جواب دے سکتا ہوں۔ اس لئے کہ بنیادی طور پر سائنسز اور مذہب میں ایک بہت بڑا فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ سائنسز حصول علم کے لئے کسی شخص اور کسی کردار کا تعین نہیں کرتیں۔ یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ فزکس کا ایم ایس سی کرنے کے لئے کوئی مخصوص کردار چاہیے یا یہ دیکھا گیا ہو کہ میڈیکل سائنسز میں پہلے ایک بندے کا روزہ دار ہونا، سچ بولنا اور اس کا متقی اور پرہیزگار ہونا ضروری ہے۔ تمام سائنسز Amoral اور Secular ہیں۔ Amoralist اس کو کہتے ہیں، جو Immoral ہو اور نہ Moral ہو۔ اس کے برعکس نسل انسان میں شعور اخلاق، زندگی کا قرینہ، معیشت، معاشرت اور معاشرے کو آگے بڑھانے کا سب سے پہلے عمل مذہب نے شروع کیا۔ اسی کے توسط سے غار کا انسان ایسکلپز تک آ پہنچا۔

جوں جوں انسان کو اپنے آپ سے شعور آگئی نصیب ہوئی اس کا ڈیٹا بڑھتا گیا۔ اس کے تکبرات ذات میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ انسان کی ایک بہت بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے آپ کو تنہا سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ مجھے پروردگار عالم نے پوری کائنات میں یکتا دتھا اور مالک و مختار پیدا کیا۔ میری حکومت ذرے ذرے پر محیط ہے۔ وہ اپنے سوا کسی دوسری ذات کا تصور

نہیں کر سکتا۔ مجموعی طور پر تمام انسان خود پسند ہیں۔ نرکسیت کا شکار ہیں۔ لیکن اللہ فرماتا ہے کہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ انسان تنہا نہیں ہے۔ حدیث کہتی ہے کہ یہ دنیا پہلی ہے اور نہ آخری ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ تم تنہا نہیں ہو۔ میرے کارخانہ قدرت میں تم جیسی اور دنیا میں بھی ہیں۔ تم جیسے اور لوگ بھی ہیں۔ اللہ یہ کہہ رہا ہے ”هو الله الذي خلق سبع سموات و من الارض مثلهن“ (الطلاق: آیت 12) اللہ تو وہ ہے، جس نے سات آسمان پیدا کئے اور اسی کی طرح کی سات زمینیں بھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے سات زمینیں پیدا ہونے کے بعد بھی ان میں انسان نہ ہو۔ کیا یہ ضروری ہے؟ اس خطرے کو بالکل ختم کرنے کے لئے ساتھ ہی اللہ نے فرمایا ویتزل الامر پینھن ان تمام زمینوں پر ہمارا امر اترتا ہے۔ یعنی قرآن اترتا ہے لعلمو تا کہ تم جان سکوان اللہ علی کل شیء قدیر کہ ہم کتنی بڑی قدرت والے ہیں۔ تم کتنے مختصر احاطہ عقل میں ہو اور اس مختصر سے احاطہ عقلی سے تم اپنے آپ کو کتنا بڑھا چڑھا کر خیال کرتے ہو؟

دنیا کو ہمیشہ مبالغہ آمیزی سے تباہی ملتی ہے۔ اس وقت جب حضرت انسان نے اپنے آپ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ جو ابد ہی کا احساس کھودیا اور وہ ڈیٹا کھودیا، جو واضح طور پر کسی حسابی، مادی یا فلکیاتی ڈیٹا سے نہیں ملتا تھا اور وہ ڈیٹا، جو پانچ حواس سے آگے جا کر اتنا ریفائن ہو جاتا ہے، جسے آپ سائنس دان ہی سمجھ سکتے ہیں کہ بہت ساری ایسی چیزیں، جنہیں نظر نہیں دیکھتی، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کے اثرات دیکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر اللہ نظر نہیں آتا تھا، تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ لوگ خدا پر غور و فکر نہ کرتے؟

ایک بنیادی سوال، جو ہر انسان کو اپنی زندگی میں پیش آتا ہے، یہ ہے کہ میں آزاد ہوں یا میں غلام ہوں؟ مجھے یہ سوال اپنے آپ سے کرنا ہے کہ مجھے اپنی زندگی غلامی سے یا آزادی سے گزارنی ہے؟ اگر انسان کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور اگر وہ آزاد ہے تو یہ تمام احساسات جو آپ اس وقت رکھتے ہیں، وطنیت اور دین سے وابستگی اور اخلاقیات کے جذبے، یہ تمام مذاق ہو کے رہ جاتے ہیں۔ تشکیک ہمیں بتاتی ہے کہ پھر آپ کی آزادی میں حائل کوئی اخلاقی، غیر اخلاقی،

مادی، غیر مادی کوئی تصور ہوگا، تو وہ آپ کا جذبہ اور بیماری بن سکتی ہے، آپ کی صحت نہیں بن سکتی۔ مگر کیا انسان یہ چاہے گا نہیں کہ ایک حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے اسے یہ پتا تو لگے کہ میں آزاد ہوں، تو کیوں ہوں؟ میں غلام ہوں تو کیوں ہوں؟

ایک اصولی بات ہے کہ اگر اللہ ہے، تو ہم آزاد نہیں ہیں۔ تو کیا انسانی آزادی کا سب سے بڑا دشمن اللہ نہ ٹھہرے گا؟ میں جو اپنی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ اپنے ملک، اپنے طریقہء کار اور اپنی فکر سے دنیا کو استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ میں جو اپنے مفاد کو عزیز تر رکھتا ہوں، کیا میرے نزدیک میری جوابدہی میں سب سے بڑی مخالفت اللہ نہ کرے گا؟ میں پھر اس اللہ کو دوست کیسے سمجھ سکتا ہوں؟ یہ بڑا ضروری ہے، یہ سوال کہ کیا میں یہ سوچوں گا کہ اگر مجھے اپنی آزادی کو ترک کرنا ہے تو کسی ایسی حقیقت کے لئے ترک کروں، جو ہو۔ ایسی حقیقت کیلئے ترک نہ کروں، جو میرے خیال اور میری دنیا میں کچھ اثر نہیں رکھتی۔

کون سا خدا ہے جو میرے جھوٹ بولتے وقت مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتا؟ وہ کون سا خدا ہے جو مکر و فریب میں مجھے منع نہیں کرتا ہے، جو آپ کی زندگی میں ہمہ تن جاری و ساری ہے اور منافقانہ طرز خیال کی طرح ہے، جو کبھی آپ کے نقص میں حائل نہیں ہوتا؟ وہ کون سا خدا ہے؟ جسے آپ مانتے ہو، اور یہ کون سا خدا ہے، جو واقعی وجود رکھتا ہے؟ اگر آپ واقعی کسی خدا پر یقین رکھتے ہیں تو خدا آپ سے جہالت کی توقع کیسے رکھ سکتا ہے؟ اندھے عقیدے سے زیادہ اندھی کوئی چیز نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ جس اللہ کو آپ ماننے والے ہیں، جس سے آپ سوال کرنے سے گھبراتے ہیں، جس کے بارے میں سوچنے سے آپ کو خوف آتا ہے، جس کا تصور آپ کے لئے خوف و وحشت کی علامت بن جاتا ہے، کیا وہ اللہ بھی آپ سے یہی چاہتا ہے؟ یہ سوال تو بڑی دور کی بات ہے۔ اس کے لئے جو جستجو کرے گا، ڈھونڈے گا، تلاش کرے گا، آپ دیکھے تو سہی، وہ تمام یورپ کے فلاسفر، جو خدا کے خلاف ہانکتے دیکھے گئے ہیں، آپ کے پاس ان میں سے کسی ایک ایسے فلسفی کی شہادت ہے کہ اس نے بیس سال خدا کو تلاش کیا ہو، جیسے اس نے کسی حسابی

فارمولے کو کیا ہے؟ جیسے اس نے اپنے کسی فزیکل وجود کو کیا ہے اور اس کے بعد وہ آپ کے پاس آیا ہو اور شہادت دی ہو کہ میں نے بہت تلاش کی، بہت ڈھونڈا مگر افسوس جتنی ریسرچ الیکٹریٹڈ فلمنگ نے ایک کلچر پر لگائی اور پنسلین ایجاد کی، جتنی کہ ڈبل ہیلک پروٹین نے لگا دی ہے۔ اتنی محنت کسی انسان نے خدا ڈھونڈنے پر نہیں لگائی۔ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ یہ کتنی بڑی حقیقت ہے کہ ایک چھوٹی سی گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ کیلئے پچیس تیس سال گزر جاتے ہیں اور اللہ کی تلاش میں ہم ایک احمقانہ تصور اور ایک معمولی سے ان پڑھ آدمی کی کریڈیٹیلٹی پر یقین رکھتے ہوئے ابتدائی فیصلے کر کے یا اس کے خلاف اعتراض کرتے ہیں یا اس کے حق میں بیانات دیتے ہیں۔

یہ ایک لازمی بات جو اللہ میاں انسان کو سکھاتا ہے کہ دیکھو! میں نے تم سے پہلے قوموں کو اس لئے تباہ کیا اور میں نے اہل کفر کو اس لئے برا نہیں سمجھا کہ وہ میرا انکار کر رہے تھے۔ اللہ کہتا ہے کہ میں نے انسان کو امانت عقل و شعور دے کر اس کے ساتھ اسے ایک ہلکا سا چوائس بھی دیا اور کہا کہ میں زمین یا آسمانوں پر تیرے اُس وقت تک رزق خیال کی بندش نہیں کروں گا، جب تک تم اپنی عقل و شعور کو مکمل طور پر استعمال کرنے کے بعد انا ہدیناہ السبیل پورے شعوری فکر کے ساتھ یہ فیصلہ نہیں کرتے اما شا کرا و اما کفورا چاہو تو مجھے مانو، چاہو تو میرا انکار کر دو۔

یہ اللہ کیا زبردستی آپ سے ایمان چاہتا ہے؟ اس کی تو بنیاد ہی اس عطا و بخشش اور اس عقل و شعور پر ہے جس کی وجہ سے آپ کے تکبرات ذات اور تکبرات انسان میں اضافہ ہے اور آپ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم بڑی محترم مخلوق ہیں۔ ہم Homo sapiens باقی لوگوں سے کتنے مختلف ہیں۔ ہم باقی جانوروں سے اس لئے وصال، تعلق، رشتے اور ناتے پسند نہیں کرتے کہ ہم ان سے مختلف ہیں اور مختلف صرف عقل و شعور کے حوالے سے ہیں۔ یہ عقل و شعور اللہ کے نزدیک اس کی عطا و بخشش کے صرف ایک بنیادی مقصد کیلئے ہے کہ انا ہدیناہ السبیل اما شا کرا و اما کفورا چاہو تو مجھے مانو، چاہو تو میرا انکار کر دو۔ اللہ اہل کفر کو بار بار ایک طعنہ دیتا ہے کہ اگر تم سوچنے سمجھنے والے ہوتے اور اگر تم غور و فکر والے ہوتے تو تم کبھی میرا انکار نہ کرتے۔

آج کا سائنسدان سب سے زیادہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ جو حقائق کی sense اس میں ہے، جس سائنسی نیچ اور جس نقطہ نظر سے وہ اپنا ڈیٹا پرکھتا ہے، اگر خدا نخواستہ کتاب حکیم پر یہ جائزہ لگا دیا جائے یا یہی معیار لگا دیئے جائیں تو شاید ان معیارات پر قرآن پورا نہ اترے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ قرآن کو اس ڈیٹا اور معیار پر پرکھے اور اس پر سائنسی رویہ استعمال کئے بغیر آپ قرآن پڑھ کر اوٹ پٹانگ ایمان رکھ لیتے ہو مگر یہ جرأت خیال نہیں کہ اللہ کا کتنا بڑا دعویٰ ہے جو عقل و شعور کو بار بار استعمال کرنے کی دعوت دے رہا ہے تو میں تھوڑی سی کوشش کر کے اسی عقل و شعور سے کام لے کر جس سے میں فزکس میں پی ایچ ڈی کرتا ہوں یا ایک اعلیٰ ترین جنٹیک سائنس کو کو الیفائی کرتا ہوں، اسی انسٹرومنٹ کے ساتھ میں ذرا قرآن پڑھ کے کیوں نہ دیکھوں، مگر ایسا نہیں ہوتا۔

اب ذرا قرآن کی سن لیجئے۔ مذہب اوپر سے ایک ایسے دعوے کے ساتھ آتا ہے، جس دعوے سے وہ انسان کا اعصابی نظام لرزادیتا ہے۔ سائنس اور مذہب میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ سائنس میں آپ کو کریکٹر ڈیولپ نہیں کرنا پڑتا۔ آپ کے جذبات سائنسی نتائج میں شامل نہیں ہوتے۔ دو جمع دو چار ہی رہیں گے۔ چاہے آپ جذباتی ہوں، غصیلے یا متفکر ہوں۔ چاہے بیوی سے لڑ کر آئے ہوں یا طلاق یافتہ ہوں۔ چاہے آپ کسی قسم کی اداسی کے شکار ہوں، دو جمع دو پانچ نہیں ہو سکتے۔ شاید آج کل ہو سکتے ہوں، نئے فارمولوں کے تحت مگر میں عمومیت کی بات کرتا ہوں کہ دو جمع دو آپ کے جذباتی احساس سے نہیں بدلیں گے لیکن جب بھی آپ خدا کی سائنسز کو جائیں گے، یہ اتنی نفیس سائنس اور ٹیکنالوجی ہے کہ سائنسز انسانی جذبات کو سائنس کو سائنس نہیں کہہ سکی۔

دوسری طرف جو اصحاب فکر خدا ہیں، ان کو یہ پتا ہے کہ تمام احساسات انتہائی نفیس سائنسی قوانین کے تحت ہیں۔ اسی لئے اسلامی مذہب کے کسی ماہر یا کسی صوفی کو پتا ہے کہ میرا ذرہ سا احساس کمتری، میری ریڈنگ بدل دے گا۔ میرا ذرا سا غصہ اللہ کے بارے میں میرے احساس اور ریڈنگ کو تبدیل کر دے گا۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ سائنس اور مذہب کے تفوق میں، ان کے

مابعد الطبیعات میں بنیادی فرق یہ ہے کہ جو نبی آپ کی شخصیت کی کوئی جہت تبدیل ہوتی ہے، آپ کے اللہ اور تصوف کے بارے میں نظریات اور توجیہات تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ذرا سا آپ کا شخصی انہماک، انوالومنٹ، ذرا سی کترافزائش آپ کے نتائج خراب کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس سائنس میں ایسا نہیں ہوتا۔ چاہے آپ اخلاق میں بدترین کردار کے مالک ہوں، اس کے باوجود آپ سائنس میں پی ایچ ڈی ہو سکتے ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں آکر ایک ایسی نفاست مذہب میں آتی ہے کہ سائنس دان زیادہ سے زیادہ وجدانی درجے پر پہنچتا ہے۔ اس میں پہلا مرحلہ جبلت کا ہے۔ دوسرا تعقل اور تیسرا وجدان کا ہے۔ جبلت کے معاملے میں انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ جب ہم اس درجہ حیوانیت سے آگے بڑھتے ہیں، پڑھتے لکھتے ہیں۔ دانشورانہ اقدامات سوچتے اور غور و فکر کرتے ہیں اور اپنی اس ذہانت کو ہم ڈیٹا مہیا کرتے ہیں تو ہم ایک داخلی intellect تعمیر کرتے ہیں جسے آپ تعقل کہتے ہیں، غور و فکر اس سے ہے۔

غور و فکر ہمیشہ کسی نہ کسی ڈیٹا پر استوار ہوتی ہے اور عقل اور آپ کا یہ حساس ترین کمپیوٹر اس سوال کا جواب دینے سے بالکل انکار کر دیتا ہے جس کا ڈیٹا اس کے پاس نہیں ہوتا۔ میں ایک شخص سے پوچھتا ہوں کہ جنگ پلاسی کس سن میں لڑی گئی۔ وہ مجھے آسانی سے جواب دے گا کہ میں نے جنگ پلاسی پڑھی ہے، مجھے سن کا پتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ذہن اس بات کا جواب نہیں دیتا جس کا ڈیٹا آپ اسے مہیا نہیں کرتے۔ اگر اس کا ڈیٹا میں بہت وسیع تر ہو تو یہ باہمی مربوط سیلولر لائٹ کے توسط سے اسی ڈیٹا کے ذریعے آپ کو جوابات مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر جس چیز کا ڈیٹا نہیں، اس کا جواب کہاں سے آئے گا Logical Positivists نے سب سے بڑا اعتراض خدا کی ذات پر یہی کیا تھا کہ جس اللہ کا کوئی ڈیٹا موجود نہیں تو وہ Nonsense ہے۔ جس کا سنس ڈیٹا ہی کوئی نہیں ہے، وہ نان سنس ہے، وہ آریارسل تھا۔

مث کا نشان تھا یا Semantics کے اعتراضات۔
عصر جدید میں کم از کم پانچ بڑے علوم کی شاخوں نے جو اللہ پر اعتراض کئے، وہ سارے اس کے انکار پر مبنی ہیں مگر ان میں سب سے بڑا جو اعتراض آیا وہ Positivists کا تھا

کہ اللہ کا کوئی ڈیٹا موجود نہیں لیکن ان کی نظر 365 صفحے کی کتاب پر نہیں گئی۔ اتنا بڑا قرآن حکیم جس کے ایک ایک صفحے پر یہ اعلان ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ میرا ہے۔ ”انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون“ (الحجر: آیت 9) کہ ہم نے اس کو نازل کیا اور اس کا ایک ایک لفظ ہم نے گن چن کر دیا۔ اس لئے کہ قرآن اور دوسری کتابوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اس کی زبان اور اس کا معیار انسان کے خاتمے تک ہے۔ اب یہ ضروری بات تھی کہ ایسی کوئی کتاب زمانوں کے اثرات سے آزاد ہوتی۔ اس کتاب کی زبان زمانوں کے اثرات سے آزاد ہوتی۔ پندرہویں صدی کی Chaucer کی انگلش ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ زبان کیسے بدلتی ہے اور کتنی بدلتی ہے۔ یہ انگریزی کی ماں ہے۔ بیسویں اکیسویں صدی میں اتنی انگریزی بدل جائے گی کہ آج سے پانچ سو برس پہلے کی انگریزی بھی آپ کو قطعاً سمجھ نہیں آئے گی، حیرت کی بات تو ہے۔

مگر کیا بات ہے قرآن حکیم کی کہ یہ 15 سو برس پہلے کی زبان میں ہے۔ کمال کی بات ہے کہ جسے اس وقت کا عربی دان شخص سمجھتا تھا، اسے آج کا ان پڑھ بھی سمجھتا ہے۔ یہ اس کتاب کی زبان کا ایک عظیم ترین معجزہ ہے کہ آج عربی بھی اسی سطح پر تجریدی ہو گئی ہے مگر قرآن کی زبان سمجھتے ہوئے کبھی کسی کو کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ کیا دعویٰ ہے اللہ کا کہ ہم نے اس کو ذہن انسان کے لئے سہل کر دیا۔ آپ کا بچہ بوڑھا ہر آدمی قرآن کو پڑھتے ہوئے ایسے لگے گا کہ یہ میرے دل کی بات ہے میرا سائیکل شعور مجھے بتائے گا کہ میں پندرہ سو برس سے یہ آیات سنتا چلا آ رہا ہوں اور یہ میرے لئے بڑی سہل ہیں۔

اس کے علاوہ بھی اللہ میاں نے بہت بڑے بڑے دعوے کئے ہیں۔ اگر آپ کو دشواری ہے۔ خدا پر غصہ ہے۔ آپ کی آزادی کا وہ حریف ہے تو کوئی نہ کوئی دعویٰ تو آپ کو توڑنا ہی پڑے گا۔ اللہ میاں کو دیکھیں کہ کتاب شروع کرنے سے پہلے عجیب و غریب بات کہہ گیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ کوئی نیچرل سائنسز، سپر سائنسز اور سائیکالوجی کے ماہرین ہوں گے۔ دنیا بڑی آگے چلی گئی۔ دعوے کے ساتھ چلی گئی۔ دنیا نے ایسے علوم میں معرفت حاصل کر لی، جو سو برس پہلے ناپید تھے۔ اس کے باوجود خداوند کریم یہ فرماتے ہیں الم ذالک الکتب لاریب فیہ آپ نے کبھی غور کیا کہ

اتنی بڑی کتاب کو اتنا منہی بیان سے شروع کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟

کتاب شروع کرنے سے پہلے دو طریقے ہیں مثبت Response دو یا منہی بیان دے دو۔ مثبت ادعا یہ ہے کہ ”ذالک بان اللہ نزل الكتاب بالحق“ (البقرة: آیت 176) یہ وہ کتاب ہے جسے میں نے سچائی کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اللہ نے ایسے نہیں کیا۔ حضرت انسان کے شکوک و شبہات، اس کی تحقیق، اس کی جستجو، اس کے ذہن میں اٹھتی ہوئی وہ تمام تمنائیں، خیال وہ فریب، جن سے مل جل کر ایک ایسا متشکک آرڈر پیدا ہوتا ہے کہ انسان کہتا ہے، میں نہیں مانتا تیری قدرت کو۔

اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا

مجھے فکر جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا

میں تیری اس بات کو نہیں مانتا۔ میں تجھے خدا ہی نہیں مانتا۔ خدا سے یہ نہیں کہتا کہ نہ مان۔ اسے کہتا ہے کہ اے جاہل مطلق! اے کم عقل فریب ذات میں الجھے ہوئے Intellectual الم ذلک الكتب لا ريب فيه۔ یہ وہ کتاب ہے، جس میں کوئی شک نہیں۔ ہے تو نکال لو۔ اور اگر آپ بغیر تحقیق و جستجو قرآن پڑھیں گے تو آپ اللہ پر کوئی احسان نہیں فرما رہے۔ اسلئے کہ اللہ میاں نے پہلے انسانوں کی قسمیں بنائیں۔ اس کے بعد انسانوں میں سے جانوروں کی قسمیں بنائیں پھر جانوروں میں سے بدترین جانوروں کی قسمیں بنائیں اور فرمایا اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (الانفال: 8-22) کہ بدترین جانور انسانوں میں وہ ہیں، جو غور و فکر نہیں کرتے۔ اندھے اور بہروں کی طرح میری آیات پر گرتے ہیں۔

یہ آج کے آدمی کا خوف ہے۔ آج کا آدمی اعتقاد اور دین چاہتا ہے۔ اس کو اللہ پر اندھا اعتقاد ہے کہ کہیں تو بھاگ کے جاؤں گا۔ کوئی جھونپڑا ہو، جس میں گھس سکوں۔ وہ اللہ کو نہیں جانتا۔ اللہ کے خیال سے انس رکھتا ہے۔ یہ اس کی فراریت ہے۔ یہ اللہ اس کا اصلی اللہ نہیں ہے۔ بڑی بزنس سفارشی لڑائیں، کام کئے، کام نہیں بنا تو اس نے کہا، باقی ذرائع تو دیکھے۔ سنا ہے، کوئی اللہ بھی ہے۔ چلو ادھر چلے چلتے ہیں پھر دو چار دن تہجدیں پڑھیں۔ الٹے سیدھے ہوئے۔ توبہ کی،

جب کام نہیں ہوا تو کہا کہ اللہ بھی دیکھ لیا۔ یعنی یہ از غیر متغیر اسباب میں سے اللہ بھی فرار اور چھٹکارے کا ایک ذریعہ ہے، جو ہر انسان نے اپنے لئے بنا رکھا ہے۔ اس کی عملی، قلبی، ذہنی انوالومنٹ اللہ کے ساتھ نہیں ہے۔

ادھر اللہ میاں یہ فرما رہے ہیں کہ دیکھو لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ جو ہلاک ہوا، وہ دلیل سے ہلاک ہوا وَيَخْبِي مَنْ حَىٰ عَنْ بَيِّنَةٍ (الانفال: آیت 42) جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا۔ ”ان اللہ سمیع علیم“ اللہ تو سوچنے سمجھنے والا ہے۔ اللہ ڈرانے والا نہیں ہے، اللہ میاں نے صرف اس لئے بنائی تھی کہ وہ چاہتا تھا، اس کائنات کی تخلیق کی کوئی داد دے۔ اس کی خلاقیت کوئی سرا ہے۔ اب آپ غور کیجئے کہ وہ آدمی کیا داد دے گا، جو ان پڑھ دیہاتی بیٹھا ہوا ہے۔

ایک دفعہ میں چکوال ایک مشاعرے میں چلا گیا۔ آنے والے اصحاب میں سے ایک دو بکریاں بھی ساتھ لے کر آگئے۔ اب وہ اچھل اچھل کر داد بھی دے رہے تھے۔ فارسی میں ایک مصرع ہے کہ

تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس

کہ جاننے والے کی چپ اور نہ جاننے والے کا شور و غل یہ دونوں چیزیں کسی تعلیمی ادراک کیلئے موزوں ہوتی ہیں۔

خداوند کریم اگر ان پڑھ، اندھے اعتقاد والے سے داد چاہ رہا ہوتا، پھر تو اس کے کارخانہ قدرت میں صرف معجزات ہی ہوتے مگر ایسا تو نہیں ہوا۔ وہ تو یہ چاہ رہا تھا کہ کُنْتَ كَنْزاً مَخْفِياً میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں اکیلا ہی تو تھا۔ تہا وارث کائنات تھا۔ نت نئی چیزیں تخلیق کر رہا تھا۔ نئے نئے افسانے تراش رہا تھا۔ کیا کیا داستانیں بنا رہا تھا اور میرا یہ خیال تھا کہ کوئی تو ہو، جو میرے اس افسانے کی داد دے۔ ان کائناتوں کی داد دے۔ یہ جو میں سات کائناتیں بنا کے بیٹھا ہوں۔ کوانٹم اور ارضافیت کے پیٹرن اور سپر ملٹی ڈائی میٹیشنل کائناتیں بنا کے بیٹھا ہوں۔ ان کی مجھے بھی تو کوئی داد دے۔ تو اس نے کہا کنت كنزاً مخفياً میں ایک چھپا ہوا

خزانہ تھا۔ فاحبت مجھے اس بات کی چاہت ہوئی کہ کوئی مجھے داد دے۔ کوئی مجھے اپنے مالک کائنات اور اپنے کائنات کے رب کی طرح پہچانے۔ ان اعرف میرا تعارف حاصل کرے ”فخلقت الخلق ليعرفوني“ تو میں نے مخلوق کو اپنے تعارف کیلئے پیدا کیا۔

آج کل لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا ملتا نہیں۔ میں بتاتا ہوں کہ وہ شاید آسان ترین حقیقت ہے، جسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ میں نے آج تک اللہ سے زیادہ قریب تر کوئی ایسی حقیقت نہیں دیکھی، جسے آپ ذرا سے رویے سے پاسکتے ہیں۔ اس کیلئے آپ کو کوئی تہجدیں کثرت سے نہیں پڑھنا پڑھتیں۔ آپ کو کوئی مشقتیں نہیں کرنا پڑتیں۔ چلہ معکوس نہیں، محاسبہ قبر نہیں۔ یعنی الثابا لکل نہیں لٹکنا پڑتا۔ اس کے دو چار نقاط ہیں اور وہ بڑے سادہ سے ہیں۔ زین للناس حب الشهوت میں نے آپ سارے لوگوں کو کچھ چیزوں کی رونق بخشی ہے۔ من النساء عورتوں سے والبنین اولاد سے والقناطیر المقنطرة ساز و سامان سے من الذهب والفضة سونے چاندی سے والخیل المسومة والانعام والحرث گھوڑے گاڑیوں سے ذالک متاع الحیوة الدنیا ایک اچھی گاڑی ٹویوٹا کرولا، جو ہماری زندگی کے خواب ہیں، دو چار اچھے صوفے سیٹ قناطیر المقنطرة بچوں کی اچھی تعلیم اور پھر اچھا گھر، اچھی بیوی بچے۔ کہتا ہے کہ ذالک متاع الحیوة الدنیا یہ ساری متاع دنیا ہیں۔ اگر آپ ان کو ترجیح دو گے تو یہ ترجیح تمہاری غلطی ہو گی، کیوں؟ کیونکہ تمہارا لفظی اعتقاد عملی اعتقاد نہیں ہے۔

تم یہ کہتے ہو کہ خدا ملے مگر ان چیزوں کے بعد پہلے اچھے ماں باپ مل جائیں، پھر اچھی بیوی یا خاوند مل جائے۔ پھر اچھے بچے مل جائیں۔ پھر زندگی کیلئے ایک خوبصورت اچھا سا گھر مل جائے۔ اس گھر میں بڑے خوبصورت صوفے لگے ہوں۔ پھر ایک شاندار کار بھی ہو۔ یہ سلسلہ خواہشات انسان ”وما الحیوة الدنیا الا لعب و لہو“ (الانعام: آیت 32) ”قل متاع الدنیا قلیل“ (النساء: آیت 77) وما الحیوة الدنیا الا متاع الغرور“ (الحمدید: آیت 20) یہ Vanity Fair میں جاتا ہے۔ اس میں یہ خیال رکھتے رکھتے تلک امانی خیال بڑھتے بڑھتے ایک صحرائے سراب تخیل بن جاتے ہیں، جس میں سے انسان کبھی باہر نہیں نکلتا۔ خدا

آپ کو کبھی بھی نہیں مل سکتا۔

اللہ نے بڑی سادہ سی شرط رکھی ہے۔ وہ کہتا ہے، یار! خود سوچ کر بتا دو کہ کیا پرائم منسٹر چپڑاسی کی کرسی پر آ کر بیٹھے۔ میں تخلیق کار ہوں۔ میں کائنات کا خالق ہوں۔ اگر تم مجھے چاہتے ہو، تو ذہن کو ایک ہلکا سا فوربرین دے دو۔ یہیں سے سارے فیصلے ہوتے ہیں۔ یہ فوربرین ہی آپ کے تمام خیالات پر حکومت کرتا ہے۔ اعمال کو کنٹرول کرتا ہے۔ صرف ایک ڈکٹیشن دے دو، صرف ایک سادہ سی ڈکٹیشن کہ میری ایک ہی ترجیح اول میرے ذہن کے تجسس کی ہے اور وہ صرف خدا ہے۔ اللہ میاں باقی ساری غلطیاں کروں گا، مگر میں ایک ذہنی غلطی کبھی نہیں کروں گا کہ میری زندگی کی ترجیح اول صرف اور صرف تو ہے اور اس کے بعد باقی ترجیحات کو مرتب کرتا چلا جاؤں گا۔

آج اگر اللہ ہماری مدد نہیں کر رہا ہے۔ اگر اس نے ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے۔ اگر اللہ مسلمان پر توجہ نہیں دے رہا۔ خدا کی قسم معجزے تو گرد پا ہیں۔ یہ تو آپ کے پاؤں سے پھوٹے اور آپ کے ذہن سے نکلے ہیں۔ آپ کی انگلیوں سے تو سنت رسول کا چشمہ پھوٹا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کی ترجیحات درست نہیں ہیں۔ انفرادی لوگوں کی ترجیحات درست نہیں ہیں۔ ہم زیادہ توجہ کم ترجیحات کو دیتے ہیں اور کم ترجیح، ترجیح اول کو دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا المیہ امت مسلمہ کو درپیش ہے کہ ہم مذہب کی پرستش کر رہے ہیں۔ رسم و رواج اور مکاتب فکر کی پرستش کر رہے ہیں مگر وہ اللہ جو بنیاد ہے اس پر توجہ ہی نہیں دے رہے، آپ کو پتا ہے مذہب کس کے لئے ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ مذہب میں شریعتیں بدلتی رہیں۔ شریعت موسوی اور شریعت عیسوی اور تھی۔ شریعت شعیب اور نوح اور تھی۔ شریعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہے مگر ایک بنیادی مقصد آدم سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جو مشترک رہا۔ کبھی مذہب سے نہیں گیا، وہ شناخت پروردگار ہے۔ خداوند کی آگہی پاتا ہے۔ ہر مذہب پیدا ہی اس لئے ہوا کہ جب کسی انسان کے دل میں شعوری کک اپنے مالک کی اٹھے، جب ایک صحرائے بسیط میں تنہا مسافر اپنے ارد گرد کسی رستے کا نشان نہ پائے اور جبراً اپنے قلب سے آزر دگی کے ساتھ ناسمجھیا کے تحت آسمان کو دیکھے تو توقع کرے اور دعا کرے کہ کوئی تو یہاں میرا مالک، میرا کریم، میرا مہربان ہو جو مجھے رستہ دکھا دے تو

تب اللہ کی خواہش سینے میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ پروردگار عالم آپ کی دلہیز پر آپ کا منتظر کھڑا ہوتا ہے۔ آپ کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔

آغاز و انجام میں ہر آدمی خدا کی آگہی اور خدا کی محبت پاسکتا ہے اور یہ اس نے اگر نہ رکھی ہوتی، تو کبھی آپ سے نہ کہتا کہ اگر تم مجھے پانا چاہتے ہو تو تم سے صرف دو چیزیں طلب کرتا ہوں ”لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون“ (البقرہ: آیت 104) چھوٹی چھوٹی محبتیں میرے لئے ترک کر دو۔ مجھے بڑی محبت دو، مجھے اپنی زندگی کی بنیادی طلب بناؤ۔ میں ہی تمہارا رب ہوں۔ میں ہی تمہارا خالق ہوں۔ میں ہی تمہیں فتح و نصرت سے آشنا کرنے والا ہوں۔ مجھے ترجیح دے کے پھر دوسری چیزوں کو ترجیح نہ دو۔ باقی ساری چیزیں میں نے تمہیں دینی ہیں۔ کم تر کو کم تر سمجھو اور ٹاپ کو ٹاپ سمجھو۔ اگر تم نے مجھے چاہنا اور مجھے پانا ہے تو پہلے وہ تمام محبتیں میرے لئے ترک کر دو جو تمہیں میرے سوا ہیں۔

اور دوسری اپروچ کی بات ہے۔ خوف اور دہشت سے نہیں، ڈر کے نہیں بلکہ خدا نے فرمایا ”فاذا قضیت مناسککم“ جب تم کام کاج ختم کر چکو تو پھر فاذا کرو اللہ کذ کر کم ابائکم او اشد ذکرا“ (البقرہ: آیت 200) تو مجھے ایسے یاد کرو، جیسے آباؤ اجداد کو کرتے ہو، او اشد ذکرا ذرا زیادہ کرو تا کہ مجھے پتا چلے کہ تم ہر تعلق سے زیادہ میرا تعلق چاہتے ہو۔

پھر اللہ کہتا ہے کہ جب سے میں نے ”هو اعلم بکم اذا انشاکم من الارض واذ انتم اجنة فی بطون امہاتکم“ (النجم: آیت 32) تمہاری ماؤں کے لطن میں تمہیں رکھا، اس وقت سے تمہیں جانتا ہوں۔ میرے سامنے مقدس کبھی بھی نہ بنو ”فلا تزکوا انفسکم هو اعلم بمن اتقی“ (النجم: آیت 32) میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کتنے متقی ہو؟ ہاں! میں نے کمپیوٹر میں یہ درج کیا ہوا ہے کہ اگر تم میں شعور رکھا تو خطا بھی رکھی یعنی خطا کو سیکھنے کا پیٹرن بنایا۔ خطا، گناہ یا غلطی جہاں ایک طرف انسان میں پچھتاوے کا احساس دیتی ہے، اس کی سزا لکھی جاتی ہے، دوسری طرف ہر خطا کے پیٹرن میں سیکھنا اللہ نے لکھا ہے۔ اگر آگ سے ہاتھ جلتا بھی ہے تو اس کے بعد آپ کا تجربہ یہ کہتا ہے کہ آئندہ کبھی ننگا ہاتھ آگ میں نہیں ڈالیں گے یعنی وہ ایک

طرف سیکھنا بھی ہے تو خطا کو اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی انسان کے انجام کی خبر نہیں دی بلکہ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ توبہ کرنے والا ذہن کبھی گنہگار نہیں ہوتا۔ جس نے توبہ کی، وہ گنہگار نہیں ہے، وہ مغفرت کا طلب کرنے والا ہے۔

اسی طرح خداوند کریم نے فرمایا کہ ”الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم“ (النجم : 32) جس نے بڑے بڑے گناہوں سے احتراز کیا یا پرہیز کیا، چھوٹے چھوٹوں پر تو وہ ٹھہرے گا ہی نہیں۔ کیا مزے کی بات ہے۔ لمم کہتے ہیں، چھوٹے چھوٹے وقفے یا عرصے کو۔ لاطینی فلسفے میں Sphinx کی ایک میز ہوتی تھی۔ اس میز میں اس نے بڑی جادوگری اور سحر کی بھول بھلیاں بنا رکھی تھی۔ اس میں ہیرو جاتا، وہ اندر جا کے گم ہو جاتا، باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ جب وہ باہر نکلنے لگتا تو قتا طور جو بیٹھا ہوا جن تھا، اسے کھاپی جاتا۔ بے شمار ہیرو آئے اور وہ اس میز میں کھو گئے۔ آخر آتھینین ہیرو اس میں گھسا تو وہ بے چارہ بڑا پریشان تھا۔ رستے میں اسے ایک چھوٹی سی لڑکی ملی۔ اس نے کہا کہ دھاگے کی ساتھ ریل لے جا اور شروع میں اسے باندھ دینا۔ جب میز کے سنٹر میں تو پہنچ جائے، تو دھاگا لپیٹنا شروع کر دینا۔ پس تو آرام سے واپس آ جائے گا۔ ایک بہت بڑا مسئلہ جو صدیوں سے لوگوں کی تباہی و بربادی کا باعث بنا رہا، ایک ننھی سی لڑکی نے اسے سلجھا دیا۔

واپسی کا راستہ ہمیشہ عزیز ہونا چاہیے اور مسلمان کی واپسی کا راستہ صرف اور صرف اللہ ہے۔ توبہ رجوع ہے، واپس پلٹنے کا رستہ ہے۔ یہ ہر بھول بھلیوں سے انسان کو نکال کر لے جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے کہا کہ مسلمان کا یہ حال ہے جب جوان ہوتے ہیں تو بڑے سرکش، تند و تیز، انکار کرنے والے اور بڑے جارحانہ عزائم والے ہوتے ہیں۔ کہاں سے کہاں نکل جاتے ہیں۔ مشرق و مغرب کو پامال کر دیتے ہیں۔ مگر جب ذرا دھوپ ڈھلتی ہے، عمر ذرا گلنے سڑنے لگتی ہی پھر ان کو اللہ کا خیال آتا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال آتا ہے۔ پھر یہ مدینے کی گلیاں ڈھونڈنے کے چکر میں ہوتے ہیں۔ بچوں کو مدبرانہ سبق دے رہے ہوتے ہیں۔ اقبال نے بڑے خوبصورت شعر میں کہا کہ یہ مسلمان اس پرندے کی طرح ہے جو صبح سویرے دانا دنا چکنے بہت دور نکل جاتا

ہے۔ جب شام پڑتی ہے تو پھر اسے اپنا گھونسلایا داتا ہے۔

چوں آں مرغ کہ در صحرائے ہر شام
کشاید ہر دو فکر آشیانہ

سوالات و جوابات

قیامت کیسے آئے گی؟

سوال : قرآن میں اللہ کہتا ہے کہ میں نے ساتھ زمینیں اور سات آسمان بنائے ہیں۔ کیا ان سات زمینوں اور آسمانوں میں قیامت ایک ہی وقت میں آئے گی۔

جواب : ہاں صاحب خیال یہ کہتا ہے کہ جیسے سات زمینوں میں ہو سکتا ہے قیامت جو ہے relative time میں ایک ہی ہو۔ ایک اس طرح ہو کہ at a time جیسے کسی اور یونیورس اور ہماری یونیورس کے اوقات میں بڑا فرق ہے لیکن عین ممکن ہے یہ اسی طرح وقوع پذیر ہو۔ میں آپ کو اس معجزے کی مثال دیتا ہوں۔ "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَاَنْشَقَّ الْقَمَرُ" (القمر: آیت 1) وہ ساعت قریب آئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ تو پتا یہ لگتا ہے کہ ساعت یہ تھی کہ انگشت مبارک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑی ہوئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا مگر ایسے زمین پہ ہوا۔ مگر اس سے پہلے It might have taken about five to ten lac years کہ جب دو ستاروں کے برابر کشش چاند پہ پڑ رہی ہوگی اور آثار بن رہے ہونگے کہ دونوں اس level of position میں آگئے کہ دونوں نے اسے اپنی طرف کھینچا بھر پور کشش کے ساتھ اور ادھر اس کا دیکھئے آیت کہہ رہی ہے کہ وہ ساعت قریب آتی ادھر وہ ساعت قریب آتی۔ ادھر یہ انگشت مبارک کھڑی ہوئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ تو بالائے کائنات کے اصول اور ہمارے اپنے ذاتی اصول بڑے different ہیں بلکہ اگر آپ اپنی زمین کو دیکھیں

this is most unnatural existence in the universe.

یہ زمین ہے اگر کائنات کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو **most unnatural** ہے اور ہمارے نقطہ نظر سے دیکھو تو کائنات ہمیں ایک **immence** حد تک ایک ظالمانہ اور سرکشانہ رجحانات کی حامل نظر آتی ہے جو ہمیں زندگی کا کوئی چانس نہیں دیتی مگر جس نے بھی یہ دنیا بنائی ہے اگر ایک لاکھ میل سورج دور لے جاتا تو ہم فریز ہو جاتے یا ایک لاکھ میل ہمارے قریب آ جاتا تو ہم جل جاتے۔ قدرتی بات ہے ہمیں یہ سوچنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ یہ زمین جو ہے ایک مستقر ہے۔

”وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ“ (البقرة: آیت 36) اس پہ ہم نے کچھ عرصہ ٹھہر کے کچھ مقاصد کی تکمیل کرنی ہے۔ اور پھر اسی دور کا حصہ ہو جانا ہے جو بلین آف ایرز سے جاری ہے۔ اور بلین آف ایرز تک آگے بڑھے گا۔ قیامت اور ٹائمنگ **relative** ہیں۔ اگر آپ قرآن حکیم کو اور فلاسفہ مغرب کو دیکھیں تو بڑا اختلاف ہے خدا کے نزدیک تمام ٹائم ہے اور ہمارے دنیا کے جتنے بھی فلسفہ خیال ہیں ٹائم کو **infinite** مانتے ہیں لیکن قرآن حکیم میں آپ کہیں بھی وقت کا ذکر **infinite** کے معنوں میں دیکھتے ہیں ”إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى“ (ہود: آیت 3) اور اس کو ایک بنیاد بنا کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام ہو سکتا ہے یہ ضروری بھی نہیں ہے۔ میرا اپنا یہ خیال ہے کہ اس سے پہلے بھی یونیورس گزر چکی ہیں۔ اس لئے کہ ابھی تک جو اس یونیورس کی زندگی متعین ہوئی ہے پندرہ بلین ایرز ہے۔ پندرہ بلین ایرز، اور ابھی **latest** تھیسز کے مطابق، اس یونیورس سے بل یونیورسز ایشو ہو رہی ہیں۔ بل یونیورسز اب جو سائنسدانوں کا آخری تھیسز ہے وہ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اس یونیورس کے علاوہ اور یونیورسز ہیں اور ان کا نام انہوں نے بل یونیورسز رکھا ہے۔ اب پندرہ ارب سال ہماری اس دنیا کی 14 پوائنٹ **some-thing** کی عمر ہماری زمین کی عمر چھ ارب سال ہے۔ یا **maximum** 5.4، بلین ایرز ہے۔ لامحالہ اگر ہم پیچھے ہٹ کے دیکھتے ہیں تو کم از کم تین دنیاؤں کی جگہ بنتی ہے۔ میرے نزدیک یہ انٹرنل پراسیڈنگ ہے۔ اس میں کبھی قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت آتی جاتی رہے گی سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ”كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ“ (الرحمن: آیت 26) اور قرآن ایک کوڈ ہے، لوح محفوظ سے اترا ہے مگر لوح محفوظ میں قرآن

کے علاوہ بھی کچھ، کیونکہ ہمیں جو حدیث ملتی ہے اس میں یہ کہا گیا ہے کہ قرآن لوح محفوظ پہ درج تھا پھر لوح محفوظ سے قرآن کو اتارا گیا تو conduct of law تو قرآن ہے۔ ساری کائناتوں اور ساری زندگیوں پہ code of conduct قرآن ہے۔ ٹائمنگ اپنی اپنی ہو سکتی ہے۔

I cant be very sure, I am not God

خدا کی پہچان فراق میں ہے۔

سوال : ہم اللہ سے محبت کیسے کریں؟ اس کا مناسب ترین طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟
جواب: میں نے عرض کیا تھا بیچ میں رک گیا باتیں اللہ کی ایسی طویل و عریض ہوتی ہیں کہ ادھر سے ادھر چلا جاتا ہوں تو میں آپ سے کہہ رہا تھا سب سے پہلے argument ہوتا ہے۔ دوسرا step اس argument کو maintain کرتا ہے اور قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے کتاب پڑھو، قرآن پڑھو، قرآن پڑھنے سے اوامر اور نواہی سے واقفیت حاصل ہو جائے گی آپ جان جائینگے کہ اللہ کو کیا پسند اور کیا ناپسند ہے۔

And since you are loving God نیچرلی آپ کو خدا کی مرضی پسند ہے تو آپ وہ کام avoid کریں گے جو مجھ سے انگلینڈ میں ایک لڑکے نے پوچھا کہ یہاں مجبوراً کبھی کبھی سور کھانا پڑتا ہے تو آپ کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا کھالو، کہنے لگا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میں نے کہا کھالو بھائی کوئی حرج نہیں، کہنے لگا اللہ نے منع نہیں کیا ہوا۔ میں نے کہا اللہ سے محبت ہے تو نہ کھاؤ۔ اصولاً دیکھا جائے تو ہمیں پہلے انس اور خیال کو determine کرنا پڑتا ہے کہ What do we seek. اگر آپ یہ کہو کہ مجھے مذہب چاہئے تو میں تو مذہب کا متلاشی ہوں۔ میں تو ایسی کوئی پابندی پسند نہیں کرتا۔ اگر خدا نہ ہوتا میں نے آپ کو شروع سے ہی کہا تھا کہ میرا یہ basic question ہے کہ میں آزاد ہوں کہ میں غلام ہوں اور میری آزادی میں تو حائل ہی اللہ ہے۔ Why should I believe some-body جو میری آزادیاں curtail کرتا ہے۔ مجبوراً سوچ سمجھ کے میرے پاس کوئی چارہ نہیں رہا میں نے اللہ کو مان لیا چلو

اللہ کو مان لیا اب ماننے کے بعد بھی ایک چوائس رہ جاتی ہے۔ میں اس کی طرف جاؤں کے اس سے پرہیز کروں تو اس کی طرف جانے کے عمل کی میں وضاحت کروں اور جانے کا عمل صرف ایک ہے اور خداوند کریم کہتا ہے سارے خوف سے وحشت سے نہیں، میں صرف محبت والا ہوں اور مجھ سے محبت کرنی ہے تو کرو، اور اگر ڈرنا ہے تو کسی اور اللہ کو مان لو "فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا كُنْتُمْ اَبَاءَكُمْ" (البقرة: آیت 200) مجھے اس طرح یاد کرو جیسے belongings کو کرتے ہو، آباء کو کرتے ہو، اولاد کو کرتے ہو محبوبوں کو کرتے ہو اب بتائیے یہ یاد کیسی ہوتی ہے۔ کیا یہ نفرت اور خوف کی یاد ہوتی ہے۔ پھر تو میں کہوں گا کہ اللہ کہتا ہے کہ مجھے ڈر کے یاد کرو لیکن اگر خدا یہ چاہتا ہے کہ جیسے تم اپنے عزیز ترین لوگوں سے محبت کرتے ہو، اس سے بھی بڑھ کر مجھے ذرا زیادہ یاد کرو۔ دیکھو یہاں ذرا زیادہ سختی ہے کہ جب تک تم ہر محبت کو میری محبت پہ فوقیت نہیں دو گے میں نہیں ملوں گا روٹھا ہوا اللہ ہے میں نہیں ملوں گا "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ" (آل عمران: آیت 92) تم برات حاصل نہیں کر سکتے، میں تمہیں نہیں مل سکتا جب تک کہ تم میرے لئے اپنی تمام محبتوں کو قربان نہ کر دو۔ اب بتائیے یہاں تو جیسی کے معاملات ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ سے ہم کیسے محبت کریں How کہتا ہے ویسے ہی جیسے آپ لوگوں کا زندگی میں خیال ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کے سامنے نہ ہو۔ اگر محبوب سامنے نہیں ہو تو اسے کیسے یاد کرتے ہو، وہ تو چھت پے، کھڑکی میں، بازار میں، گلی کو چوں میں اور ہر جگہ یاد آتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خداوند کریم کہتا ہے کہ مجھے بالکل اسی طرح یاد کرو "فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ" (النساء: آیت 103) کھڑے کرو، بیٹھے کرو، کروٹوں کے بل کرو، چلتے پھرتے کرو۔ میں تو تمہاری یاد چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ یاد کے بغیر محبت کا کوئی امتحان نہیں ہے، کوئی یقین نہیں ہے۔ اگر آپ کو دیکھنا ہو کہ دس آدمیوں میں سے آپ کو کس سے زیادہ محبت ہے تو آپ دس کو جدا کر دو جو زیادہ یاد آئیگا اسی سے محبت ہوگی۔ اب چونکہ خدا سامنے نہیں ہے اور خدا کی پہچان ہی فراق میں ہوتی ہے۔ اس لئے خدا کہتا ہے کہ سامنے ہوں یا غائب مجھے یاد کرو تو بڑی بات ہے "اَتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ" کتاب پڑھو، قرآن شریف پڑھو، "وَأَقِمِ الصَّلَاةَ" نماز قائم کرو "إِنَّ

الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ“ یہ تمہیں فحش اور منکر سے روک دے گی ”وَلَذِكْرُ
 اللّٰهِ اَكْبَرُ“ (العنکبوت: آیت 45) مگر میری یاد تو بہت بڑی بات ہے، بہت بڑی بات! یہ
 حسین ہے نا، خوبصورت ہے نا ”اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ“ اللہ خوبصورت ہے، وہ
 کہتا ہے یار کس چھوٹی موٹی خوبصورتی کے پیچھے بھاگ رہے ہو۔ جو ہم دیکھتے ہیں یہ
 sanctioned beauty ہیں۔ حواسِ خمسہ میں قید ہونا آپ آنکھ سے آگے نہیں نا دیکھ
 رہے، ہاتھ سے آگے نہیں نا ٹچ کر رہے، حواسِ خمسہ سے آگے بڑھو گے تو آپ کو Refined
 beauty کا احساس ہوگا۔ اگر کسی شعر کا وزن خراب ہو rhyme اور میٹر خراب ہو تو کسی
 سٹینڈرڈ کی وجہ سے پتا لگتا ہے یا ذہن میں کوئی قدر ہوتی ہے جس سے پتا لگتا ہے کہ خیال کیسا ہے
 جس کو ذوق یا شعور کہتے ہیں۔ یعنی حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی ذوق اور شوق کا اظہار لفظوں کی ادائیگی
 اور طرزِ ادا کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

کھلتا کسی پہ کیوں میرے دل کا معاملہ
 شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے
 سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری
 تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

تو خداوند کریم آپ کو اس معمولی ذوق کی استطاعت سے آگے Ultimate

refined beauty تک بڑھاتا ہے۔

You have to be continued where lies the real touch
 of beauty and where lies the ultimate refined beauty

خوبصورت آدمی کیسے اپنے آپ سے دوسروں کو ڈرائے گا اس کو تو appreciation چاہیے۔

اللہ کو اپنی تعریف چاہیے، اپنے لئے محبت چاہیے تو وہ ڈرائے گا تو نہیں نا وہ تو Attract کرے

گا۔ یہ تو بد قسمتی کی بات ہے کہ خدا کے اجارہ دار بڑے بدصورت ہیں

I have never seen, you see.

یہ Advertising کا زمانہ ہے اور ایک اچھی Advertising کمپنی کا کمال یہ ہے کہ بدترین چیز کو salable کر دیتی ہے اور کائنات کی سب سے بڑی value کو اتنے واہیات ایڈورٹائزر ملے ہوئے ہیں کہ ان کو دیکھتے ہوئے کوئی اپنے سینے میں خدا کا انس نہیں پال سکتا۔ اب دیکھیے میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں، یہ بال ہیں، جہاں بھی آپ یہ بال دیکھو گے یہ حسن کے لیے ہیں۔ گنچے مرد اور گنچی عورتیں کیسی لگیں گی، یا گنچے جانور ہی کیسے لگیں گے look at those people اب ان بالوں کو سنوارنا ہی رسم محبت ہے، رسم رسول ہے، قرآن حکیم میں اللہ کہتا ہے، ”يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ“ (الاعراف: 31) نمازوں کو جاؤ تو زینت کر کے جاؤ، اب مردوں کی زینت اور کیا ہے کہ بال خوبصورت بنے ہوئے ہوں، اچھے ہوں ڈاڑھی ہو تو سنوری ہوئی ہو، میں ہزاروں لوگ دیکھتا ہوں کہ ایک بے ڈھنگی ڈاڑھی رکھی ہوتی ہے۔ پوچھو کیوں ارے جی یہ پہلی ڈاڑھی ہے، آپ بوڑھے ہو چلے ہیں لیکن ڈاڑھی پہلی ہی چل رہی ہے۔ اب بجائے اس کے کہ وہ مرد کا حسن بنے اور اس سے اس کی خوبصورتی کی نشاندہی ہو لیکن انہوں نے اس کو حسن اور دلکشی کے بجائے ایک general symbol of ugliness بنایا ہوا ہے۔ دنیا میں تہذیب و اخلاق کے حوالے سے سب سے پہلی کتاب جو معاشرے کے آداب پر لکھی گئی ہے، وہ ابو الفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی ہے، جس میں Mannerism کا بنیادی تصور ہی مسلمانوں نے دیا ہے۔ اب بھی آپ یورپ کی فلموں میں جو لوگ دیکھتے ہیں، میاں بیوی کے درمیان آتے جاتے جو خلوص کا اظہار ہو رہا ہے، kiss ہو رہا ہے، آپ کو پتا ہے حدیث کیا ہے علامہ تناری نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی چار بیویاں تھیں اور ایک بیوی کو حضرت سے اتنا انس تھا کہ وہ دروازے تک آتیں، رخصت کرتیں اور ان کو بوسہ دیتیں، یہ جو آپ کو آج کا کلچر نظر آ رہا ہے یہ اصل میں بڑا پرانا کلچر ہے، ان مسلمانوں کا کلچر ہے جنہوں نے معاشرے میں محبت اور انس کی بنیاد رکھی، جنہوں نے انتہائی خوبصورت اخلاقی مناظر پیدا کیے اور اتفاق سے دیکھیے ابھی اس کی تعلیمات کرپٹ نہیں ہوئی تھیں، وہ کارڈوا اور بغداد سے ہوتی ہوئی یورپ چلی گئیں اور ادھر سے ہو کے پھر ہم تک پہنچی۔

And we are decadent not only in our culture in the proper understanding of Islam, religion attitudes.

ہم اتنے بد صورت مسلمان ہیں کہ ہم میں اللہ کے حسن کی کوئی جھلک نہیں پائی جاتی۔ ہم ایک ہزار برس مغرب میں رہیں تو کوئی ہمارے کردار سے متاثر نہیں ہوتا۔ یہ ایک ٹریجڈی کی بات ہے۔ اب آپ دیکھیے کہا جاتا ہے کہ میں نے پانچ ہزار مسلمان کر دیے۔ میں اس دن بڑا حیران ہوا کہ مسلمانوں کے کیا عجیب و غریب احمقانہ سے دعوے ہیں۔ ایک جماعت نے دعویٰ لکھا ہوا تھا کہ ہم نے پانچ ہزار امریکن مسلمان کر دیے، ایک دوسری جماعت کا میں نے دعویٰ پڑھا کہ ہم نے گیارہ ہزار جاپانی مسلمان کر دیے، اب میرا اندازہ یہ ہے کہ چلیے مسلمان ہونے کی تعداد تو پانچ ہزار ہے مگر وہ ہندو راجنیش جو گیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے اس کے پانچ لاکھ پیروکار ہو گئے، دوسرا ایک فراڈیا بڈسٹ گیا اس کے دس لاکھ پیروکار ہو گئے، ایک تیسرا گیا، اس نے اتنے مخلص لوگ پیدا کیے کہ ڈیڑھ سو آدمیوں نے اس کے کہنے پر خودکشی کر لی۔ look at those people. بیزاری اور مجبور یوں کے ہاتھوں وہ کوئی بھی strange cult قبول کر لیتے ہیں

this is not the sign of spreading of Islam at all

میں نے وہاں امریکہ میں دیکھا ہے

Mostly they are not Muslims at all

آپ بیس لاکھ کالے حبشیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور وہ اپنا پیغمبر ایجا محمد کو سمجھتے ہیں۔ ان میں بالکل ایک small fraction ہے چھوٹا سا جو مائیکل جیکسن کی وجہ سے مسلمان ہیں میں ایک میں مجلس گیا وہاں ایک یہودی ناچ کو دکر رہا تھا، مائیک ہاتھ میں، اچھل کود کے ادھر جاتا ادھر جاتا اور میں نے ایک مسلمان سے پوچھا کہ یہ کون ہے، کہنے لگے جی یہ اورینٹلسٹ ہے جسے مستشرق کہتے ہیں اور اس نے اب بڑی ریسرچ کی ہے اور آج یہ ہمیں اسلام پر ایک لیکچر دینے کے لیے آیا ہے۔ تو میں نے کہا حضرت آپ پندرہ سو برس سے مسلمان ہیں لیکن آپ کو اسلام سمجھ نہیں آیا تو اس کو پندرہ سال میں کیسے سمجھ آ گیا یعنی وہاں کا مسلمان اپنی اسلامی تربیت کے لیے اپنی جستجو اور ذہن کو

they are trying to use these foreign talents.

academics

میں ان سے بھی گئے گزرے ہیں، نیچرلی ایک انٹرمنسنگ کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہے اور اصلی اسلام کے بجائے بہت جلد عجیب و غریب سا ایک ملعوبہ بن رہا ہے جس کا نہ یہ پتا لگتا ہے کہ یہ کرسچین religion کی ڈیفارمٹی ہے یا اسلام کا حلیہ بگڑا ہوا ہے البتہ اس قسم کا اسلام وہاں موجود ہے کہ ایک دفعہ ایک ہوٹل میں ڈاکا پڑا یہ ڈاکا حبشیوں نے ڈالا تھا وہاں ایک عورت حجاب میں تھی وہ اس کے پاس گئے اور اس سے کہا سسٹرم ایک طرف ہو جاؤ تم مسلمان ہو، ہم ان کو نہیں چھوڑیں گے بس یوں سمجھیے کہ حجاب نے اسے فائدہ دیا وہ حبشی چونکہ کالے مسلمان تھے تو وہ اسے چھوڑ گئے اور باقیوں کو لوٹ کے چلے گئے you see، ہم لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اپنی اپنی مرضی کا قرآن حاصل کریں میں نے وہاں ایک عجیب بات دیکھی کہ

all the women ask me one question اور بڑا عجیب اور بڑے طنطنے سے میرے ساتھ لڑتی تھیں

why God has allowed four marriages to the man,

why can't we marry four men.

میں نے کہا جو چاہو کرو مگر مسئلہ میرے ماننے کا تو نہیں ہے، مسئلہ تو یہ ہے کہ آپ ایک امریکن constitution کو مانتے ہو، میں نے جتنے امریکنز سے بات کی they hated the taxes ایک امریکن نے مجھ سے کہا، پروفیسر

We hated the british becaue of taxes, we revolted against them because of taxes why should we pay taxes to this stupid government.

تو میں نے کہا in spite of all that you still pay یہ ضروری نہیں کہ کسی

انسان کی ساری باتیں آپ کے individual مقاصد کو پورا کریں۔ یہ ضروری نہیں کہ سارا قرآن میری مرضی کے مطابق ہو بہت ساری چیزیں ایسی بھی ہوں گی جو شاید میرے مزاج کے مطابق نہ ہوں۔ شاید اس میں کچھ ایسے قوانین ہوں جو مجھے اچھے نہ لگیں تو پھر کیا آپ یہ کریں گے کہ اپنی مرضی کے قوانین ایڈووکیٹ کر دیں گے اور باقی قرآن اور اللہ کو نہیں مانیں گے۔ یہ جس نے اللہ کو مانا، جس نے قرآن کو مانا، وہ اگر ایک آیت کا بھی انکار کریگا تو وہ اللہ کو نہیں مان رہا ہوگا۔ **this is what we have to learn this** اسی لیے خدا کہتا ہے کہ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً“ (البقرة: 208) اے لوگو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ یہ دس ہزار سٹم اس میں شریک نہ کرو پھر تمہیں اسلام کے اصل کمفرٹس کا پتا لگے گا۔ میں آپ کو ماڈرن مثال دیتا ہوں میں نے طلاق کا قانون دیکھا ہے، سیکنڈ میرج کالاء دیکھا ہے، اس سے بدترین قانون عورت کے خلاف کوئی نہیں بنا، اس ملک میں **by nature** ہماری عورتیں **possessive** ہیں

**They will never allow their husbands
to marry second time.**

بہت فساد کھڑے ہوتے ہیں۔ خالی عورت کی بات نہیں ہوتی۔ پوری فیملی دوسری فیملی سے ناراض ہو جاتی ہے۔ ایک ملک دوسرے ملک کے ساتھ جنگ آزما ہو جاتا ہے۔ اچھے بھلے انسان کی مٹی پلید ہو جاتی ہے یا ایک اچھی بھلی عورت **suffer** کر جاتی ہے۔ اس کا حل انہوں نے یہ رکھا کہ عورت سے اجازت لو، ورنہ تین مہینے جیل جاؤ ایک آدمی اسی جرم کی پاداش میں جیل چلا گیا اور عورت نے اسے

She has not allow to her husband to merry.

تو نیچرلی رزلٹ کیا رہ جاتا ہے **divorce** رہ جاتا ہے۔ **Divorce** سے تو مرد کو کسی نے نہیں روکا۔ لہذا اگر وہ اجازت نہیں دیتی تو مرد کے پاس ایک رستہ ہر وقت کھلا ہے کہ وہ اسے **Divorce** کر دے۔ اچھی بھلی چار چھ بچوں کی ماں جس کا کوئی آسرا نہیں ہے۔ جس کا کوئی

مناسب روزگار نہیں ہے۔ اس کو وہ Divorce کر دیتا ہے۔

And of this law particularly is creating biggest harm
in this country.

کہ بے شمار عورتیں اس لئے بیوہ ہو گئیں کہ

Mentally they would not allow their husbands to
marry with another woman

اور اس کے نتیجے میں اتنی طلاقیں ہوئی ہیں کہ یہ اجازت لینے والا قانون محض ایک مضحکہ خیز قانون
لگتا ہے۔

Still we see, we say. If you are!

اگر آپ نے کچھ کرنا تھا عورتوں کیلئے ان کے تحفظ کیلئے اگر ایک آدمی دو شادیاں کر سکتا ہے تو پھر
آپ سے کہا جاتا ہے کہ ان کو 50% دو، کیوں دو؟ 50% ایک عورت کے چار بچے ہیں۔ ایک تم
نئی سے شادی کر رہے ہو

why one should not understand its not the 50%

مگر اصولاً دیکھا جائے تو اس عورت کو 80% بچے بھی تو باپ کی ذمہ داری ہے،

But we commit justices in the name of God. we
commit justices in the name of law.

اور یہ ہماری حرکات اس معاشرے کے عدم استحکام کا باعث ہیں۔ اللہ خود ہی تو کہتا ہے کہ ہمیں
جیسے اللہ پر یقین رکھنے کا حق ہے، ہم اس پر ایسا یقین نہیں رکھتے۔ اور ہمیں اس کی عبادت کرنے کا
حق ہے ہم یقیناً ایسی عبادت نہیں کرتے لیکن وہ اس کے باوجود بھی ہم کو برابر بخشا رہتا ہے۔ وہ ہم
پر نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

گناہ کی بنیاد نفس یا شیطان؟

سوال: گناہ کی بنیاد کیا ہے نفس یا شیطان؟

جواب: خواتین و حضرات! یہ شیطان ایک کاشتکار کی طرح ہے جو ایک زمین پر کاشت کرتا ہے اور دیکھتے ایک دفعہ شیخ جنید نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے کہ تم اس زمین کی طرح ہو جاؤ جس پر نیک و بد سب ایک طرح سے چلتے ہیں۔ تو ہمارا نفس جو ہے بنیادی جبلتوں کا ایک پیکٹ ہے، ایک مجموعہ ہے، اس میں حیوانی جبلتیں پڑی ہوئی ہیں **Acquired** جبلتیں ہیں سو **Facilities** ہیں **Intellect** ہے، وجدانی کیفیت ہے مگر بنیاد جو ہے حیوانی جبلتوں پر ہے تو حیوانی جبلتیں ساری کی ساری **Aggressive** ہیں اور یہ بار بار **Influence** کرتی ہیں۔ ہمارے اخلاق و کردار کو کہیں نا کہیں اور دیکھتے شیطان یہ دیکھتا ہے کہ غصہ تو اس میں ہے۔ **Aggressive** ہے مگر آدمی بڑا شریف ہے تو وہ انتظار میں رہے گا اس **Weakness** کی جس پر اس کو غصہ آئے اور جو نبی اسے کوئی ایسا **Chance** ملے گا وہ فوراً اس میں بیج کاشت کر کے اسے کسی نہ کسی فتنے کی نذر کرے گا۔

خواتین و حضرات! **Possible** ہے کہ شیطان ایک جگہ قائم نہیں رہتا۔ اگر آپ اسے یہ کہو کہ وہ بار بار ایک ہی چیز سے حملہ کرے تو وہ نہیں کر سکتا۔ اسکی کوشش ہوتی ہے کہ ایک طرف سے آپ کو مار نہ پڑی تو دوسری طرف سے آجائے گا۔ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی **Trial** کرتا رہتا ہے کہ کہاں سے یہ مرتا ہے اور کہاں سے یہ جیتا ہے اور دوسری بات اس کے پاس **Filing** بڑی لمبی ہے۔ آدم سے لے کر آج تک وہ بڑے **Efficient Department** کا مالک ہے۔ آپ سمجھتے ہو کہ وہ ایسے ہی آئے گا اور آپ کو بہکائے گا۔ ایسا نہیں ہے۔

He has a Comple invincible system

ملک اور ڈیپارٹمنٹ اس کے **Servants** ہیں، خدمت گزار ہیں، الماریاں لگی ہوئی ہیں فائلیں لگی ہوئی ہیں، فرض کرو کہ اس نے مجھے بہکانا ہے تو اوٹ پٹانگ طریقے سے نہیں بہکائے گا۔ وہ کہے گا کہ اس نالائق نے میرا بڑا نقصان کر دیا میں لوگوں کو اللہ سے اغوا کر رہا تھا۔ یہ نہیں

واپس ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہے تو ذرا اس کی فائل نکال کر لاؤ تو میری طبع اور Temper کی چھلی ساری فائلیں نکالے گا، پھر دیکھے گا کہ کہاں کہاں سے احمد رفیق نے مار کھائی ہے۔ پھر وہ تمام حربے مجھ پر آزمائے گا، ادھر میں بھی کچھ چالاک ہوں، میں بھی Strategy کے بجائے اس کو یہی سمجھتا ہوں تو کامیاب ہے مگر میری بغل میں بھی شیطان کے لئے چھری رہتی ہے۔ تو یہ Strategy بدلتا ہے اور نفس تکرار کرتا ہے۔ نفس Strategy نہیں بدلتا، وہ اڑیل ہے ضدی ہے۔ ایک ہی چیز بار بار لاتا ہے اور اس کو Possession بنا لیتا ہے Obsession بنا لیتا ہے Psychosis بنا لیتا ہے اور Repeat کرتا ہے اور اس کا علاج بھی اس Repetition کو توڑنا ہے اور شیطان اسے Argument دیتا ہے کہ تیری زندگی بے مقصد ہے۔ دیکھئے قبر تک دو آدمی آرام سے بیٹھتے ہیں صوفی یا ذہنی بیمار صوفی اس لئے کہ وہ بہت سارے لواحق ختم کر آیا ہوتا ہے۔ اس نے زندگی میں Lesser importances کو Importance نہیں دی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں نے اس لیے پر قابو پالیا۔ میرے لئے کوئی چیز Important نہیں اس لئے اس کو کوئی چیز پیچھے نہیں کھینچتی۔ بڑے آرام سے چلتا چلتا جب قبر تک چلا جاتا ہے تو بقول اقبال:

نشانِ مردِ حقِ دیگر چہ گویم

چوں مرگ آید تبسم برب اوست

کیونکہ اس کے پیچھے کچھ نہیں ہے، جس کو چاہے، جس کی رغبت کرے۔ وہ اپنے دل میں اللہ کی محبت کی وجہ سے باقی رغبتوں کو کم کر چکا ہوتا ہے مگر پاگل کو دیکھو وہ اپنے ذہنی گرفت میں، اداسی میں، وہ اپنے آپ کو دنیا سے علیحدہ کرتا ہوا، اس کو کسی چیز میں مزا نہیں آ رہا ہوتا ہے۔ کسی چیز میں وہ Involve نہیں ہو رہا ہوتا۔ Schizophrenia ہو Mania ہو depression ہو ایک جدائی، ایک علیحدگی اپنی ذات میں حتیٰ کہ شیطان اسے یہ argument دیتا ہے کہ

Life is not worth-living

اس فضول سی زندگی سے بہتر ہے کہ چلو اگلی دنیا جا کے ٹرائی کریں اور وہ بھی بڑی خوشی سے خود کشی کرتا ہے۔ تمام خود کشی کے کیس اسی طرح کی احمقانہ مثال اور دیوانگی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

عذاب اور آزمائش کا فرق؟

سوال: انسانوں پر جو مسائل آتے ہیں، کیسے پتا چلتا ہے کہ خدا کی طرف سے امتحان ہے یا سزا ہے؟

جواب: خواتین و حضرات: یہ بڑا مناسب سوال ہے قرآن بڑی وضاحت سے کہتا ہے کوئی ایسی تکلیف نہ ہوگی عذاب ایسا مطلوب نہ ہوگا جس سے بچنے کی امید نہ رہے۔ یہ پانچ heads ہیں ان سے ہم لوگوں کو تھوڑا تھوڑا آزمائیں گے مکمل نہیں لہذا مکمل تکلیف تو شاید عذاب ہو مگر تھوڑی تھوڑی ہلکی ہلکی تکلیف آزمائش ہے مگر ہلکی آزمائش میں کچھ ایسی صورت بھی ہو سکتی ہے کہ خدا یہ مناسب سمجھے کہ اگر کسی کے دس بچے ہیں تو ان کے ماں باپ سے ایک بچہ لے کے دیکھوں اگر کسی کے تین گھر ہیں تو چلو ان میں سے ایک گھر تباہ و برباد کر دوں کہ کیا کرتا ہے تو عذاب اور آزمائش میں یہ بنیادی فرق ہے تو دیکھئے پہلے اس نے کہا کہ میں تمام لوگوں کو یہ تھوڑا تھوڑا نقصان دوں گا مگر اس نے یہ نہیں کہا کہ یہ عذاب ہے۔ یعنی کہ جس پر تھوڑی سی مصیبت آ جائے تو اس کا حق یہ ہے اور اس کی approach یہ ہونی چاہیے کہ اللہ کی طرف سے مصیبت آئی ہے اللہ ہی کی طرف چلی جائے گی لہذا جس کی آزمائش ہو اس کو بڑی احتیاط کرنی چاہیے کہ وہ گلی گلی کوچے کوچے حساب لگانے کے لئے نہ چل پڑے اور یہ نہ پوچھے کہ کس نے جادو کیا ہے، کس نے ٹونا کیا ہے، کس نے میری زندگی خراب کی ہے۔ بھادج ہے ساس ہے بھائی ہے بیٹا ہے جب آپ ادھر چل پڑو گے تو یقیناً خسارے میں رہو گے۔ شیطان کو موقع دو گے لیکن اگر ”قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ (البقرہ: آیت 56) کہہ دیا تو شیطان بھی منہ کی کھائے گا اور وہ فرضی جادو گر بھی اور پھر تو اللہ کہتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ مصیبت سے نکل جائیں گے بلکہ آگے آواز دیتا ہے رحمن و رحیم آواز دیتا ہے کہ ان لوگوں پر جو یہ Approach رکھتے ہیں کہ مصائب میں صرف اللہ کو

رجوع کرو اور یہ کہتے ہیں کہ مصیبت خدا کی طرف سے آئی ہے اور اس کی طرف پلٹ جائے گی تو ان لوگوں پر ہماری طرف سے درود و سلام ہے اور رحمت ہے۔ آپ یقین جانئے کہ وہ کتنی قیمتی رحمت ہوگی کہ جس کے نتیجے میں اللہ آپ کو درود و سلام بھیجے اور رحمت بھیجے۔ ایسی مصیبت کی تو آرزو کرنے کو جی چاہتا ہے۔

پروفیسر احمد رفیق اختر

جہاں
سورج نہیں

رُکھتا